علامہ فضل حق خیرآبادی
چند عنوانات

خوشتر نورانی

ادارۂ فکر اسلامی، دہلی

Allama Fazle Haque Khairabadi:
Chand Unwanaat
By:Khushtar Noorani
First edition: September 2011

Idara-e-Fikre Islami,Delhi
Distributed by:Maktaba Jaam-e-Noor
422 Matia Mahal,Jama Masjid,Delhi-6
Phone:011-23281418
email: ifikreislami@gmail.com

انتساب



مفتی انتظام اللہ شہابی

مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی

مولانا عبدالحکیم شرف قادری

اور

حکیم سید محمود احمد برکاتی

کے نام

جنھوں نے اپنی علمی وفکری تحقیقات سے ''خیرآبادیات'' پر کام کرنے والوں کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔

مشمولات

فضل حق خیر آبادی اور سید فضل حق رام پوری

علامہ فضل حق خیر آبادی اور انگریزی ملازمت

ایک نایاب قصیدے کی بازیافت

اظہاریہ

اکتوبر ۲۰۱۰ء میں کیو ٹی وی کی دعوت پر پاکستان جانے کے لیے میں اور میرے دوست مولانا اسید الحق قادری بدایونی پا بہ رکاب تھے کہ ایک شام مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کا فون آیا، انھوں نے کچھ ضروری امور پر تبادلۂ خیال کے پیش نظر اپنے ادارے دارالقلم حاضر ہونے کا حکم دیا- حکم کی تعمیل میں جب وہاں پہنچا تو انھوں نے توجہ دلائی کہ اگست ۲۰۱۱ میں استاذ مطلق مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی کے وصال کو ڈیڑھ سو سال مکمل ہو رہے ہیں- علامہ پر علمی و تحقیقی نوعیت سے بہت کم ورک ہوا ہے، اس لیے ہم سب کا مشترکہ فریضہ ہے کہ ہم مختلف جہتوں سے علامہ کے علمی، فکری اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء پر مشتمل کارناموں کو سامنے لائیں- انھوں نے مزید کہا کہ تم ہمارا یہ پیغام لے کر پاکستان بھی جاؤ اور وہاں کے علما، محققین اور اہل قلم کی توجہ اس طرف مبذول کراؤ-

مصباحی صاحب کی اس گفتگو سے اولین مرحلے میں ہم نے طے کیا کہ اس موقع پر ہم ''جام نور'' کا ایک خصوصی شمارہ شائع کریں گے جو ہماری طرف سے علامہ خیرآبادی کی بارگاہ میں ان کی ڈیڑھ سو سالہ وفات پر علمی خراج ہوگا- پاکستان سے واپسی پر اس تعلق سے اسید الحق صاحب سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے جام نور کے خصوصی شمارے کے لیے علامہ پر ان کے علم و فضل کے حوالے سے ایک مبسوط مضمون لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا، جب کہ جنگ آزادی کے حوالے سے قرعۂ فال میرے نام نکلا-

ہم نے اپنے اپنے موضوع پر دستیاب مواد کا مطالعہ شروع کر دیا- مطالعے کے نتیجے میں جو چند باتیں مجھ پر منکشف ہوئیں، وہ کچھ ایسی تھیں:

۱- علامہ کی وفات ۱۸۶۱ء کے سو سال بعد تک ان کی حیات وخدمات پر مشتمل کوئی مبسوط سوانح سامنے نہ آسکی- ایک سو سال کے بعد جو کام ہوئے وہ ابتدائی نوعیت کے تھے،اس کے بعد دستیاب شدہ مواد اور تحریر کردہ فکری جہتوں پر خاطر خواہ اضافہ نہ ہوسکا- اس ضمن میں مفتی نجم الحسن خیر آبادی،حکیم سید محمود احمد برکاتی اور ڈاکٹر سلمہ سیہول کے کاموں کو مستثنیات میں شمار کیا جاسکتا ہے-

۲-معرکہ ستاون میں علامہ کی شرکت کے ثبوت میں اطمینان بخش مواد سامنے آچکا ہے،انہی معلوم گوشوں اور جہتوں کا اعادہ کرنا وقت اور قلم کا ضیاع ہے-

۳-آج سے تقریباً پچاس برس قبل جنگ آزادی میں علامہ کی شرکت کو شکوک کے دائرے میں لانے کی جو شعوری کوششیں دو ماہرین غالبیات نے کیں تھیں،بعد کے غالب شناس محققین کا قلم انہی کی تحقیقات پر غیر مشروط ایمان لاتا رہا-

۴-اکثر ناقدین نے Common Minimum ایجنڈے کے تحت علامہ کی زندگی کے چند گوشوں مثلاً انگریزی ملازمت،ہم نامی کا مسئلہ اور فتویٰ جہاد وغیرہ کو ہی بنیاد بنا کر جنگ آزادی میں علامہ کی عدم شرکت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے-ان تمام گوشوں پر اب تک علمی وفکری جہتوں سے بہت تفصیل کے ساتھ نہیں لکھا گیا یا ان پر اس حیثیت سے قلم نہیں اٹھایا گیا کہ ناقدین کے غیر شعوری شبہات کا ازالہ ہو جائے-

مذکورہ جن پہلوؤں کا مجھ پر انکشاف ہوا،ان میں یہ مؤخر الذکر پہلو ایسا تھا جس پر کام کرکے ''خیر آبادیات'' پر اضافے کی کوشش کی جاسکتی تھی- چنانچہ میں نے ناقدین کے ان تمام گوشوں کو سامنے رکھ کر کام کا آغاز کر دیا-اس سلسلے میں میں نے سب سے پہلے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دہلی کا رخ کیا اور ہفتوں وہاں گزارے،سوئے اتفاق اس وقت وہاں ۱۸۵۷ء سے متعلق تمام دستاویزات کو ڈیجیٹلائز (Digitalize) کرنے کا کام چل رہا تھا،اس لیے انھوں نے مجھے متعلقہ تمام کاغذات کو دیکھنے کی اجازت نہیں دی،جن چند دستاویزات کے مطالعے کا موقع ملا ان سے جنگ آزادی میں علامہ کی شرکت کے ثبوت میں دو ایک نئے حوالوں کی بازیافت ہوئی- پھر اپنے موضوع کی تلاش میں میں نے ہندوستان

کی مختلف لائبریریز کی خاک چھانی، یہاں تک کہ علامہ کے وطن خیرآباد کا سفر بھی کیا-اس تفتیش ومطالعے کے بعد جومواد میسرآیااس کی روشنی میں لکھنا شروع کیا جس کے نتیجے میں یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے-

اس کتاب میں ناقدین کے شبہات کے ازالے اور قارئین کونئی معلومات فراہم کرنے کے لیے علامہ خیرآبادی کی زندگی کے مختلف گوشوں پرالگ الگ تحریریں لکھی گئی ہیں،اس لیے کتاب کا عنوان ''علامہ فضل حق خیرآبادی: چندعنوانات'' رکھا گیا ہے- کتاب میں نئے گوشوں اور نئی جہتوں کے ساتھ بعض ایسے مواد بھی پیش کیے گئے ہیں جو پہلی بار عام قارئین کے سامنے آرہے ہیں،ان میں علامہ کے فتویٰ جہاد کے ثبوت میں ایک نیا حوالہ،قصیدہ نونیہ کا اردوترجمہ اور ۲۳۵ اشعار پر مشتمل قصیدہ رائیہ کی بازیافت اوراس کا اردو میں خلاصہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں،ان کے علاوہ دستیاب مواد سے جو کچھ لکھا گیا،کوشش کی گئی کہ وہ نئی جہتوں پر استوار ہو-تنقیدی زاویوں سے لکھی جانے والی تحریروں میں عموماً جذبات برافروختہ ہوجاتے ہیں،لیکن اس کتاب میں عمومی طور پراس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ ناقدین کے موقف سے اختلاف کرنے میں تحقیقی تقاضے،علمی متانت اورلب و لہجے کی شائستگی پامال نہ ہونے پائے- کتاب کے آغاز میں ان قارئین کے لیے تاریخی ادوار پر مشتمل ''توقیت فضل حق'' کے عنوان سے علامہ کی پوری زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جو ''فضل حق،عہد فضل حق اور خیرآبادیات'' سے اب تک متعارف نہیں ہوسکے ہیں- تاریخی ادوار پر مشتمل اس خاکے میں علامہ کے انہی واقعات وحالات کوشامل کیا گیا ہے جن کی حتمی تاریخ معاصر مآخذ میں مذکور ہے یا محققین نے اپنے دلائل کی روشنی میں متعین کرنے کی سعی کی ہے-اس طرح کتاب کی یہ فصل بھی نئی جہت اور نیاانداز لے کرسامنے آئی ہے-حوالہ دیتے وقت میں نے قوسین میں صرف کتاب کے نام اور صفحہ نمبر پر اکتفا کیا ہے،مصنف، سنہ طباعت اور مطبع وناشر کی تفصیلات کتابیات کے ذیل میں درج کردی گئی ہیں،کیوں کہ ہر حوالے میں تمام تر تفصیلات کا ذکر قاری کے تسلسل مطالعہ کو متاثر کرتا ہے-اسی طرح جہاں فارسی اور عربی کی طویل عبارتیں ہیں انھیں ضمیمہ کے طور پر کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے-

اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں جن لوگوں نے بھی جس حیثیت سے دست تعاون دراز کیا ہے، میں ان سب کا ممنون ہوں-خصوصیت کے ساتھ چندلوگوں کا ذکر ضروری ہے:

(۱) مولانا یٰسین اختر مصباحی، برصغیر ہند و پاک میں فضل حق شناسی کی تحریک برپا کرنے کا سہرا ان ہی کے سر ہے- یہ کتاب بھی ان ہی کی تحریک پر وجود میں آئی- آپ نے کتاب کی تالیف کے دوران ہمیشہ قابل عمل مشوروں سے رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی-

(۲) میرے دوست مولانا اسید الحق قادری بدایونی، جن کے علمی وفکری تعاون اور گراں قدر مشوروں کے بغیر یہ کتاب مکمل نہیں ہوسکتی تھی- کتاب کی تالیف کے دوران آپ نے جس طرح اپنے نادر کتب خانے کو میرے حوالے کیا ہے، چندرسمی جملے اس منت شناسی کا بدل نہیں بن سکتے- کتاب کی ہر ہر فصل آپ کی نظروں سے گزرنے کے بعد ہی مکمل ہوسکی-

(۳) پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل (پروفیسر وصدر: شعبہ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان) پاکستان کے علمی حلقوں میں ایک اہم نام ہے- آپ نے اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود کرم فرمایا اور اس کتاب پر وقیع مقدمہ لکھ کر علمی حلقوں میں اس کی اہمیت وحیثیت متعین کردی-

(۴) خواجہ رضی حیدر (ڈائرکٹر: قائداعظم اکیڈمی، کراچی پاکستان) جنھوں نے اس کتاب کا فلیپ لکھ کر اس کے وقار کو دوبالا کیا-

(۵) میرے دوست سید صبیح الدین صبیح رحمانی (مدیر: نعت رنگ، کراچی پاکستان) جن کی خصوصی نوازشات سے یہ کتاب پاکستان میں مذکورہ دونوں شخصیتوں تک پہنچی-

(٦) پروفیسر ڈاکٹر اسد قادری احمد (پروفیسر: واشنگٹن یونیورسٹی، امریکہ) آپ نے بھی اس کتاب پر فلیپ لکھ کر اس کی انفرادیت کا احساس دلایا-

(۷) مولانا دلشاد احمد قادری (استاد: مدرسہ قادریہ بدایوں) جن کی خصوصی توجہ اور محنت سے قصیدۂ نونیہ کا ترجمہ اور قصیدہ رائیہ کا خلاصہ مکمل ہوسکا-

(۸) مولانا ذیشان احمد مصباحی (مدیر: جام نور دہلی) جنھوں نے کتاب میں درج عربی وفارسی متون کے ترجمے کی تصحیح وتنقیح نیز پوری کتاب پر نظر ثانی فرمائی-

(۹) میرے دوست کاشف صدیقی، جن کی کوششوں سے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا تک رسائی ممکن ہوسکی۔

اس کتاب کی تالیف کے ذریعے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک مظلوم مجاہد کے ایثار کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوسکا ہوں، اس کا فیصلہ باشعور قارئین کے حوالے ہے۔

خوشتر نورانی

۲۵/اگست ۲۰۱۱ء

پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل (پی ایچ ڈی؛ ڈی لٹ)

سابق ڈین، فیکلٹی اوف لینگویجز اینڈ لٹریچر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد؛ پروفیسر وصدر، شعبہ اُردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد؛ پروفیسر وصدر، شعبہ اردو، کرچی یونیورسٹی؛ ڈائرکٹر، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی؛ مہمان پروفیسر اور ریسرچ و فیلو: ٹوکیو یونیورسٹی اوف فارن اسٹڈیز، جاپان؛ دائتو بنکا یونیورسٹی، جاپان؛ انسٹی ٹیوٹ اوف ورلڈ لینگویجز، اوسا کا یونیورسٹی، جاپان؛ گریجویٹ اسکول آف ایشیا افریقہ ایریا اسٹڈیز، کیوتو یونیورسٹی، جاپان؛ اورینٹل یونیورسٹی، نیپلز، اٹلی-

رہائش: بی-۲۱۵، بلاک ۱۵، گلستان جوہر، کراچی (پاکستان) برقی رابطہ: moinaqeel@yahoo.com

مقدمہ

علامہ فضل حق خیرآبادی انیسویں صدی کے مسلم ہندوستان میں اپنے تبحر علمی اور دانش وحکمت کے باعث علمائے عصر میں ایک ممتاز ونمایاں حیثیت کے حامل رہے- انھیں علومِ عقلی میں عبور اور ذوق ادب وشعر میں امتیاز حاصل رہا- یہ علمی اوصاف انھیں اپنے والد مولانا فضلِ امام خیرآبادی سے ورثے میں ملے تھے، جو ان ہی علوم میں اپنی دسترس اور خدمات کے سبب خیرآباد مکتبِ فکر کے بانی سمجھے گئے، جسے ان کے بعد ان کے لائق فرزند علامہ فضل حق خیرآبادی نے فروغ ووسعت دی اور ان کے فرزند مولانا عبدالحق خیرآبادی نے آگے بڑھایا- علامہ فضل حق نے اولاً اپنے والد اور پھر شاہ عبدالقادر دہلوی، فرزندِ شاہ ولی اللہ دہلوی اور حافظ محمد علی خیرآبادی سے اکتسابِ فیض کیا تھا، جو خود اپنے زمانے میں علمیت وفضیلت میں ایک امتیاز رکھتے تھے-علمی مشغولیات کے ساتھ ساتھ علامہ فضل حق نے ایک بھرپور معاشرتی وسماجی زندگی بھی گزاری- ہم عصر علما کے ساتھ ساتھ نامور ادیبوں و شاعروں سے علامہ کے دوستانہ اور قریبی تعلقات استوار رہے، جن کے باعث وہ معاشرتی سطح پر بھی ممتاز ونمایاں رہے- علما میں مولانا مملوک العلی، مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولانا فضل رسول عثمانی بدایونی، مفتی سید رحمت خاں، مولانا عبداللہ خاں، مولوی کریم اللہ اور مولوی نصیر الدین شافعی سے ان کا صحبت واستفادے کا قریبی رشتہ رہا اور شعرا میں

غالب، امام بخش صہبائی، شاہ نصیر، حکیم مومن خاں مومن، مصطفیٰ خاں شیفتہ جیسے اکابران کے مقربین میں شامل تھے-نظریاتی سطح پر جہاں انھوں نے شاہ ولی اللٰہی مکتبِ فکر سے استفادہ کیا تھا وہیں شاہ اسمٰعیل شہید سے ان کے مناظرے ومناقشے بھی ان سے منسوب ہیں-ان کی علمی فضیلت اور تبحر علمی کا فیضان ہی تھا کہ دور ونزدیک کے شائقین علم اور طلبہ ان سے استفادۂ علمی کے لیے کھنچے چلے آتے تھے-اس طرح ان کے زیر استفادہ وزیر اثر علما، جہاں جہاں ان کا قیام رہا، ان کے معترف وقائل رہے اور ان سے مستفیض ومستفید ہوتے رہے-

اپنی اس غیر متنازعہ ومسلمہ علمی حیثیت وفضیلت کے باوجود ہماری علمی تاریخ میں ان کی شخصیت اور ان کا سماجی وسیاسی رویہ اور عمل متنازعہ صورت میں سامنے آیا ہے- کہاں تو یہ صورت تھی کہ ایک طویل عرصے تک، وہ اپنی مسلمہ علمی حیثیت وخدمات کے باوجود، معاصر اور ایک عرصے بعد تک، مصنفین وتذکرہ نگاروں اور علمی جائزوں ومطالعات کا موضوع نہ بن سکے کہ جس کی وجہ سے اس احساس کو تقویت ملتی رہی کہ جیسے انھیں جان بوجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا ہو-اصولی طور پر تحقیق وتاریخ نویسی میں ہم عصر مآخذ کو بنیادی اہمیت واستناد کا حامل سمجھا جاتا ہے-بدقسمتی سے علامہ فضل حق کے بارے میں ہم عصر مآخذ اور اسناد نہ ہونے کے مترادف ہیں-اگرچہ ان کے زمانے میں معاصر علما وفضلا کے متعدد تذکرے اور اجتماعی سوانحی کتب منظر عام پر آئیں، لیکن ایک جامع اور مفصل سوانح عمری تو درکنار، ان میں سے کسی میں علامہ کا مفصل تذکرہ بھی نظر نہیں آتا-اس کی بظاہر دو تین وجوہات نظر آتی ہیں:

۱-علما کے جو تذکرے ان کے زمانے میں یا قریبی عرصے میں تحریر ہوئے، علامہ کے فکری ونظریاتی تناظر سے مناسبت نہ رکھنے والے مصنفین نے لکھے، جنھوں نے انھیں نظر انداز کیا-

۲-علامہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کی وجہ سے انگریزوں کے 'مجرم' سمجھے گئے تھے، چناں چہ مصنفین نے مصلحتاً انھیں موضوع نہ بنایا، یا اپنے تذکروں میں شامل نہ کیا-

۳-ان مصنفین میں ایسے افراد بھی تھے جو اس وقت ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کے حامی تھے، ان کے لیے علامہ فضل حق کا اس وقت کا یہ

معروف رویہ پسندیدہ نہ تھا، جس کے نتیجے میں بھی وہ نظرانداز کیے گئے۔

تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں کی احتیاط پسندی یا حکومت کی ناراضگی کے احساس نے علامہ فضل حق کو اس وقت تک آزادانہ طور پر موضوع بننے نہ دیا جب تک کہ ۱۹۳۵ء کے قانون کے تحت ہندوستانیوں کی حکومتیں قائم نہ ہوگئیں۔ اس وقت تک اگرچہ سید احمد خاں کی مؤقر تصنیف ''آثار الصنادید'' اور مولوی کریم الدین کے عربی شعرا کے تذکرے ''فرائد الدہر'' میں اور بلکہ محمد حسین خاں نے بھی اپنے تذکرے ''ریاض الفردوس'' میں علامہ فضلِ حق کا تذکرہ شامل کیا تھا اور ایسے ہی بعض سوانحی مآخذ میں بھی چندسطری مواد ان پر دستیاب ہے، لیکن جب عبدالشاہد خاں شیروانی نے علامہ کی عربی تصنیف ''الثورۃ الہندیہ'' کو ''باغی ہندوستان'' کے نام سے ۱۹۴۶ء میں مرتب کیا اور اردو میں اس کا ترجمہ کیا تو اس پر ایک جامع مقدمہ لکھ کر اس میں علامہ کے تفصیلی حالات بھی تحریر کیے۔ یہ دراصل آغاز تھا علامہ کو بالتفصیل یا علی الخصوص موضوع بنانے کے رجحان کا، جس نے ۱۹۵۷ء میں اس وقت مزید توجہ حاصل کی، جب اس سال جنگِ آزادی کی صدسالہ تقریبات کا ایک عام اہتمام ہوا اور پھر اس کے بھی نتیجے میں تحریکِ آزادی پر متنوع چھوٹی بڑی کتابوں اور تحقیقی و تصنیفی منصوبوں کے تحت اعلیٰ معیار کی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ لیکن اس ضمن میں علامہ پر ہونے والے مطالعات میں اس وقت ہلچل پیدا ہوئی جب اولاً مولانا امتیاز علی عرشی نے اور پھر مالک رام نے اپنے اپنے مقالات میں، جو قریبی عرصوں ہی میں شائع ہوئے، علی الترتیب نواب یوسف علی خاں والئ رامپور کے نام علامہ فضلِ حق کے ایک نجی خط، مخزونہ رضا لائبریری رامپور کی بنیاد پر اور نیشنل آرکائیوز دہلی میں محفوظ علامہ کے مقدمے کی مسل کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ علامہ نے جنگِ آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا اور وہ اس سے دور رہے تھے۔

ان مقالات کی اشاعت نے، جنھیں اپنے وقت کے انتہائی مؤقر اور محتاط محققین نے تحریر کیا تھا اور جو تحقیق کی دنیا میں ایک اعتبار و عزت کے حامل بھی ہیں، علامہ کے ضمن میں مطالعات کو اب اس بحث پر مرکوز کر دیا کہ علامہ نے واقعی جنگِ آزادی میں شرکت کی تھی یا

نہیں؟ علامہ پر کتابیں اگرچہ متعدد لکھی گئیں اور یہ سلسلہ روز افزوں اور وسیع تر بھی ہے، ان کی علمی خدمات اور حیثیت کے تعین و احاطے سے بڑھ کر زیادہ تر اب ان ہی دو سوالوں پر مرتکز نظر آتا ہے اور سارے مطالعات اور تحقیقات و جائزوں کا منتہائے مقصود یہیں پہنچ کر اختتام پذیر ہوتا ہے، بلکہ علامہ پر مطالعے کا اصل مقصود بھی اب، کسی اور حیثیت کے تعین سے بڑھ کر، زیادہ تر یہی نظر آتا ہے۔ اس نوع کا نسبتاً ایک مبسوط اور مفصل مطالعہ مخدومی حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کی تصنیف ''فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون'' ایک مخلصانہ و سنجیدہ تصنیف ہے اور ایسی تصانیف میں نمائندہ ہے جو اس بحث کو اتمام اور اثبات تک پہنچاتی ہیں کہ علامہ نے جنگِ آزادی میں شرکت کی تھی۔ ان کے برعکس مولانا امتیاز علی عرشی اور مالک رام کے مذکورہ مقالات اور ان کے علاوہ محمد سعید الرحمٰن علوی کی تصنیف ''علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہادِ آزادی'' اور افضل حق قرشی کی مرتبہ تصنیف ''مولانا فضلِ حق خیرآبادی: ایک تحقیقی مطالعہ'' ایسی تصانیف میں قابلِ توجہ ہیں جن میں علامہ کی شرکتِ جنگِ آزادی پر مثبت رائے سے گریز نظر آتا ہے۔

یہ سلسلہ تا حال رکا نہیں، لیکن ان سب سے قطع نظر حال میں سلمہ سیہول کی تصنیف ''علامہ محمد فضل حق خیرآبادی'' علامہ کے حالات و خدمات پر مفصل اور مبسوط کاوش ہے اور اس سے قبل علامہ پر جو کچھ اہم و غیر اہم مآخذ و مواد مصنفہ کو دستیاب ہوا، ان میں سے اکثر سے استفادہ کرتے ہوئے اسے تحریر کیا گیا ہے اور یہ بڑی حد تک جامع ہے۔ اس کے باوجود تحقیق میں کوئی نتیجہ، کوئی مطالعہ، حرفِ آخر نہیں ہوتا مطالعہ و تحقیق کی گنجائش ہر وقت ہر جگہ موجود رہتی ہے، چناں چہ اب ایک تازہ اور اگلا قدم جناب خوشتر نورانی صاحب نے اٹھایا ہے اور ایک ایسے مرحلے پر اس زیرِ نظر تصنیف کا منصوبہ بنایا ہے جب مخدومی برکاتی صاحب اور محترمہ سلمہ سیہول کی تصانیف میں ان سارے موضوعات کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش نمایاں ہے جو علامہ فضلِ حق کے تعلق سے زیرِ بحث رہے ہیں اور ایسے موضوعات بھی کم و بیش سمیٹے جا چکے ہیں جن کا مطالعہ کسی بھی اعتبار سے ضروری تھا۔

خوشتر نورانی صاحب کی زیرِ نظر تصنیف اور اس کا ارادہ، میرے خیال میں فاضل

مصنف کے لیے ایک بڑے چیلنج سے کم نہ تھا- ایک تو اس وجہ سے کہ مذکورہ مؤخر الذکر تصانیف اپنی جگہ اپنے اپنے موضوعات اور ان کے مطالعہ وتحقیق کی حد تک سیر حاصل تصانیف کہی جاسکتی ہیں- اب بہت کم گنجائش رہ گئی تھی کہ علامہ کے تعلق سے ان زیر بحث موضوعات پر مزید کوئی اضافہ کیا جاسکے- لیکن چوں کہ علم وتحقیق اور دید ودریافت اور حصول و اخذِ نتائج میں ہمیشہ ترمیم وتصحیح، اضافوں اور حک واصلاح کی گنجائش موجود رہتی ہے، اس لیے خوشتر صاحب کی یہ کاوش اسی گنجائش کے ایک واضح ثبوت کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے- فاضل مصنف کا اس کتاب کی تصنیف کا یہ فیصلہ بجائے خود اس امر کا مظہر ہے کہ انھوں نے اس کی تصنیف اور اس کے لیے متعلقہ سارے مواد اور مآخذ کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ موضوع یا اس سے متعلقہ موضوعات کا حق ابھی ادا نہیں ہوا ہے- یعنی یا تو سابقہ سارے مصنفین کی جانب سے اخذِ نتائج میں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے یا ان کی جانب سے مباحث کو ان کے صحیح زاویے سے نہیں دیکھا گیا- یا پھر کوئی اہم ماخذ یا کچھ ضروری مآخذ ابھی تک سابقہ مصنفین کی رسائی سے دور رہے- اس تصنیف کا خیال اور پھر اسے اس طور پر عملی صورت دینا کہ سابقہ تحقیقات اور مطالعات میں یہ اضافہ بھی سمجھا جائے اور نئی معلومات اور تازہ تجزیہ بھی اس سے حاصل ہو سکے ایک حوصلے وجرأت کا کام تھا- اس کے ساتھ ساتھ شاید یہ خیال بھی موجزن رہا کہ اس طرح اس سے ان غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو سکے گا جو حقائق کے منافی ہیں یا سمجھی گئی ہیں-

یہ تصنیف اگر چہ اپنے موضوعات کے لحاظ سے سابقہ دیگر تصانیف سے بہت مختلف نہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان موضوعات پر خوشتر صاحب نے نئے زاویے سے نظر ڈالی ہے اور سابقہ معروف مآخذ کی نئے انداز سے چھان پھٹک کی ہے اور اپنے تجزیے سے، جو بنظرِ غائر اور غیر جانبدارانہ بھی ہے، نتائج اخذ کرنے کی ایسی کوشش کی ہے جو اول تو قاری کو سوچنے پر آمادہ کرتا ہے اور پھر اسے قبولیت کی منزل تک لانے کی ایک کامیاب کوشش بھی ہے- اپنے اس عمل میں خوشتر صاحب انتہائی سنجیدہ ومخلص دکھائی دیتے ہیں کہ دیانت داری کے تقاضے کے تحت انھوں نے تمام دستیاب مآخذ کو حاصل کرنے اور ان سے کماحقہٗ استفادہ

کرنے کی کوشش بھی کی ہے اوران تمام ماخذ کی جستجو بھی کی ہے جو تازہ ہیں اور شاید دور افتادہ بھی۔فہرستِ ماخذ اس کا واضح ثبوت ہے کہ کس طرح اور کہاں کہاں سے انھوں نے ان ماخذ کا کھوج بھی لگایا اوران سے استفادہ بھی کیا جن میں سے متعدد واقعتاً غیر معروف بھی ہیں اور دور افتادہ بھی۔ مثال کے طور پر ان کی باخبری کا یہ حال ہے اور جو قابل ستائش بھی ہے کہ وہ رہتے بھارت میں ہیں لیکن انھیں ان کتابوں، رسائل اور مضامین کی اطلاع بھی ہے جو پاکستان کے کونے کھدروں میں شائع ہوئے اور جن سے خود یہاں کے افراد بھی کم ہی واقف ہوں گے۔ یہ تحقیق کا کمال ہے کہ کوئی اہم اور ناگزیر ماخذ چھوٹ نہ جائے اور ایک لحاظ سے ہر ماخذ اہم ہوسکتا ہے اوراس بات سے خوشتر صاحب خوب واقف ہیں۔ چناں چہ ماخذ کے تنوع اوران کی جامعیت کے اعتبار سے اس تصنیف کی کتابیات بہت باثروت ہے اور یہ ان کے کام کے اعلیٰ تحقیقی معیار کا بھی ایک مظہر ہے۔

اب تک علامہ فضلِ حق پر جو تصانیف منظر عام پر آئی تھیں ان میں معیاری اور اہم تصانیف بھی موجود ہیں اور موضوع یا شخصیت کی اہمیت کے لحاظ سے مزید تحقیقات و مطالعات بھی سامنے آتے رہیں گے،لیکن اس ضمن میں خوشتر صاحب نے اپنی کاوش کے توسط سے متعلقہ مباحث پر مطالعے و تحقیق اور تجزیے کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے جس میں اخلاص بھی ہے اور جستجو و محنت بھی۔ جو ایک جانب کئی خلا بھی پر کرتی ہے اور دوسری جانب کئی مباحث کو اس انجام تک پہنچاتی ہے کہ مزید شاید ان پر کوئی نظر ڈالنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔خوشتر صاحب نے اس میں خیرآباد کے علم وفن اور دیگر ضمیموں کے اہتمام سے اس تصنیف کو مزید مفید و معلوماتی حیثیت دے دی ہے جو ان کے علمی ذوق کا اضافی ثبوت ہے۔ان اوصاف اور خصوصیات کے باعث خوشتر صاحب کی اس تصنیف کو علامہ فضل حق خیرآبادی کی شخصیت وخدماتِ علمی وسیاسی کو سمجھنے کے لیے ناگزیر سمجھا جانا چاہیے۔

معین الدین عقیل
کراچی (پاکستان)

توقیت فضل حق

(ولادت سے وفات تک)

۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء	علامہ فضل حق خیر آبادی حنفی ماتریدی چشتی کی ولادت قصبہ خیر آباد ضلع سیتاپور (موجودہ) صوبہ اتر پردیش میں ہوئی۔☆
۱۸۰۳ء	لارڈ لیک کی کمان نے دہلی پر دھاوا بولا اور اس پر قابض ہوگئی۔ ایک معاہدے کے تحت کمپنی کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے شاہ عالم ثانی کی بادشاہت کو لال قلعے تک محصور کر دیا اور عملاً سارے ہندوستان پر انگریز حکومت کرنے لگے۔ سقوط دہلی کے بعد علامہ کے والد مولانا فضل امام خیر آبادی دہلی تشریف لائے اور تدریس کا آغاز کیا، جلد ہی ان کے معقولات کی تدریس کا ڈنکا بجنے لگا۔ محققین کا خیال ہے کہ اسی زمانے میں علامہ بھی دہلی آگئے اور اپنے والد سے معقولات کا درس لینے کے ساتھ علم حدیث کی تحصیل کے لیے شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے جہاں ان کے ہم درس مفتی صدرالدین آزردہ تھے۔

☆۳۲ رواسطوں سے علامہ فضل حق خیر آبادی کا سلسلۂ نسب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت عمر فاروق کی اولاد میں دو حقیقی بھائی بہاء الدین اور شمس الدین ایران سے ہندوستان آئے، شمس الدین نے رہتک کی مسند افتا سنبھالی اور بہاء الدین بدایوں میں فروکش ہوئے۔ شمس الدین کی اولاد سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خاندان ہے، جب کہ بہاء الدین کی اولاد سے علامہ فضل حق خیر آبادی کا خاندان ہے۔ علامہ خیر آبادی اور شاہ ولی اللہ کے خاندانوں میں قرابت داری تھی، اس لیے چودہ واسطوں کے بعد دونوں کا سلسلۂ نسب ایک ہو جاتا ہے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں علم و فضل اور دینی خدمات کے حوالے سے دونوں خاندان ممتاز رہے ہیں۔

ے/۱۸۰۶ء	سقوط دہلی کے بعد انگریزی نظم ونسق قائم ہوا اور انگریزوں نے عدالتوں کی تنظیم کی تو علامہ کے والد مولانا فضل امام خیرآبادی مفتی عدالت مقرر ہوئے اور اس کے بعد دہلی کے پہلے صدر الصدور (سب جج) ہوئے-
۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء	علامہ فضل حق خیرآبادی نے تیرہ سال کی عمر میں درس سے فراغت حاصل کی، چار ماہ میں قرآن کریم حفظ کیا اور سلسلۂ چشتیہ میں حضرت دھومن دہلوی سے بیعت ہوگئے اور اس کے ساتھ ہی تدریس کا آغاز کر دیا- علمی شوکت اور فکری دبدبے کی وجہ سے انھیں جلد ہی شہرت مل گئی- قیام دہلی میں جولوگ علامہ کے شاگرد ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے: حکیم امام الدین دہلوی (طبیب اکبر شاہ ثانی و بہادر شاہ ظفر)، مولانا شیخ محمد تھانوی، مولانا نورالحسن کاندھلوی، حکیم نور الحسن امروہوی، نواب ضیاء الدین خاں نیر درخشاں، مولانا قلندرعلی زبیری پانی پتی، منشی دادار بخش پنجابی، مولوی غلام قادر گوپاموی، ملافتح الدین لاہوری-
۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء	انیس سال کی عمر میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت اختیار کی اور سررشتہ دار عدالت دیوانی (کچہری چیف) مقرر ہوئے-
۲۹؍ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء	شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی قابل اعتراض عبارتوں پر دہلی کی جامع مسجد میں تاریخی مناظرہ ہوا، جس میں بقول مولانا آزاد ''ایک طرف مولانا اسماعیل اور مولانا عبدالحی تھے اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی-'' ان علمائے دہلی میں علامہ خیرآبادی کے ساتھ شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا مخصوص اللہ دہلوی اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں-

۱۸؍رمضان ۱۲۴۰ھ؍ ۱۸۲۵ء	علامہ نے مسئلہ امکان نظیر اور مسئلہ شفاعت پر شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب 'تقویۃ الایمان' کے خلاف فتویٰ کفر صادر فرمایا جو ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' کے نام سے منظر عام پر آیا، اس فتوے پر دہلی کے مشاہیر علما مولانا مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ دہلوی اور مولانا احمد سعید نقشبندی کے علاوہ مفتی صدر الدین آزردہ نے بھی تائیدی دستخط فرمائے-
۱۸۲۵ء تا ۱۸۲۹ء	غالب مقدمۂ جائیداد کے سلسلے میں کلکتہ میں مقیم تھے، اس عرصے میں علامہ کے نام انھوں نے متعدد خطوط لکھے-
۱۲۴۲ھ؍ ۱۸۲۷ء	مولانا فضل امام خیرآبادی دہلی میں صدالصدور کی ملازمت سے مستعفی ہوئے اور ان کی جگہ ان کے شاگرد مفتی صدرالدین آزردہ دہلی کے صدرالصدور مقرر ہوئے-
۱۲۴۳ھ؍ ۱۸۲۸ء	علامہ کے قابل فخر فرزند مولانا عبدالحق خیرآبادی کی ولادت ہوئی-☆
۱۲۴۳ھ؍ ۱۸۲۸ء	۲۰؍فروری ۱۸۲۸ء کو مرزا غالب مقدمہ جائیداد کے سلسلے میں کلکتہ پہنچے، جہاں ۲۰؍جون ۱۸۲۸ء کو ان سے کہا گیا کہ وہ ضابطے کے مطابق اپنا مقدمہ دہلی کے ریزیڈنٹ کے توسط سے پیش کریں، وہ اس کام کے لیے دہلی نہیں جا سکتے تھے، اس لیے اپنے ''محسن'' علامہ کو مدد کے لیے خط لکھا، علامہ نے اس مقدمے کی پیروی کے لیے پنڈت ہیرالال کو مقرر کر دیا-

☆علامہ نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی زوجہ بی بی وزیرن سے تین صاحبزادیاں، بی بی سعیدالنساء حرماں، بی بی نجم النساء، بی بی مخمور النساء اور ایک صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی ہوئے- علامہ کی دوسری زوجہ دہلی کی تھیں، ان کا نام امراؤ بیگم تھا، ان سے دو صاحبزادے مولوی شمس الحق اور مولوی علاءالحق ہوئے- علامہ کی دونوں شادیوں کی تاریخ وسنہ نہیں مل سکے- پہلی زوجہ سے مولانا عبدالحق کی اولادیں تو خیرآباد میں ہی ہیں، دوسری زوجہ سے مولوی شمس الحق کی دختری اولاد دہلی میں ہے جب کہ مولوی علاءالحق کی اولادیں بھوپال میں ہیں-

۵؍ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء	علامہ کے والد مولانا فضل امام خیرآبادی انتقال فرما گئے- مولانا فضل امام کی وفات پر پہلی بار غالب نے قطعۂ تاریخ کہا: اے دریغا قدوۂ ارباب فضل کرد سوئے جنت الماویٰ خرام چوں ارادت از پئے کسب شرف جست سال وفوت آں عالی مقام
۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء	ناقدری حکام اور طبعاً ناپسندیدگی کی وجہ سے کمپنی کی ملازمت (سررشتہ داری عدالت دیوانی دہلی) سے استعفادے دیا-
۱۲۴۶ھ/۱۸۳۲ء	والی جھجھر نواب فیض محمد خاں کی دعوت پر ملازمت کے لیے علامہ جھجھر چلے گئے، جہاں نواب نے آپ کے لیے پانچ سو روپے ماہانہ مشاہرہ برائے مصارف خدام مقرر کیا-
۱۸۳۵ءتا۱۸۴۰ء	رئیس جھجھر نواب فیض محمد خاں کا ۱۶؍اکتوبر ۱۸۳۵ء میں انتقال ہوا، اس کے بعد علامہ جھجھر کو چھوڑ کر ملازمت کے سلسلے میں الور چلے گئے، وہاں سے سہارن پور اور پھر ٹونک- قیام سہارن پور کے تلامذہ کے نام یہ ہیں: مولوی عبدالرزاق سہارنپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولوی محمد اکبر وغیرہ-
۱۸۴۰ءتا۱۸۴۶ء	نواب محمد سعید خاں ریاست رام پور میں تخت نشیں ہوئے تو ان کی دعوت پر رام پور چلے گئے، جہاں پہلے کتابوں کے ترجمے اور تالیف پر مقرر کیے گئے نیز نواب صاحب کے صاحبزادگان نواب محمد یوسف علی خاں اور نواب محمد کاظم علی خاں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سونپی گئی- پھر محکمۂ نظامت اور اس کے بعد مرافعہ عدالتین (دیوانی وفوجداری) کے حاکم مقرر کیے گئے- اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف خطوں سے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے اکتساب علم وفن کیا- قیام رام پور میں جو لوگ علامہ کے شاگرد ہوئے ان کی فہرست طویل ہے، چند خاص

	نام یہ ہیں: مولانا عبدالحق خیرآبادی، صاحبزادی بی بی سعید النساء حرماں، مولانا ہدایت اللہ جونپوری، نواب یوسف علی خاں، نواب کاظم علی خاں، مولانا عبد العلی خاں، مولوی ہدایت علی بریلوی، مولوی احمد حسن مرادآبادی، مولوی سلطان حسن خاں وغیرہ-
فروری ۱۸۴۷ء	سلطنت اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ تخت نشیں ہوئے تو علامہ رام پور سے لکھنؤ بلا لیے گئے اور ''کچہری حضور تحصیل'' کے مہتمم مقرر کیے گئے نیز انھیں صدر الصدور کا عہدہ بھی دیا گیا- علامہ لکھنؤ میں تقریباً نو سال مقیم رہے، اس عرصے میں جن لوگوں نے آپ سے اکتساب علم وفن کیا ان میں چند نام یہ ہیں: مولانا عبدالقادر عثمانی بدایونی، مولانا نور احمد عثمانی بدایونی، مولانا محمد محسن ترہتی، مولانا سید عبداللہ بلگرامی، مولانا عبدالحق کانپوری وغیرہ-
۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء	مفتی صدرالدین آزردہ نے روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے موضوع پر ''منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال'' نامی رسالہ تصنیف فرمایا، اس پر علامہ نے تقریظ لکھی-
۱۲۶۹ھ ۳-۱۸۵۲ء	شاہ اسماعیل دہلوی کے ایک حامی سید حیدر علی ٹونکی کے خلاف امکان کذب وامتناع نظیر کے مسئلے میں علامہ نے فتویٰ لکھا-
۱۲۷۰ھ ۴-۱۸۵۳ء	مولانا فضل رسول بدایونی نے عربی زبان میں علم کلام وعقائد کی معرکہ آرا کتاب **المعتقد المنتقد** تصنیف فرمائی، اس کتاب پر مفتی صدرالدین آزردہ کے ساتھ علامہ نے بھی تقریظ لکھی-
نومبر ۱۸۵۵ء	لکھنؤ کے قریب اجودھیا میں مغل بادشاہ بابر کے ذریعے بنائی گئی مسجد جسے بعد میں ہندوؤں نے ختم کر کے اس سے متصل ہنومان گڑھی بنالی تھی، صدیوں کے بعد کچھ مسلمانوں نے اس مسجد کے احیا کی کوشش شروع کردی، ہندوؤں نے مزاحمت کی تو مسلمانوں

کی ایک جماعت جہاد کے لیے نکل کھڑی ہوئی جس میں ڈھائی سو سے زائد مسلمان شہید ہو گئے- حاکم اودھ واجد علی شاہ نے اس قضیے کے حل کے لیے چار ثالثوں پر مشتمل ایک مجلس مصالحت تشکیل دی، جس کے ایک رکن علامہ بھی تھے-

۴رفروری ۱۸۵۶ء انگریزی سرکار نے واجد علی شاہ کو معزول کیا اور اودھ کی خود مختاری کو ختم کر کے اسے کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر لیا-

فروری ۱۸۵۶ء اودھ پر کمپنی کے قبضے کے بعد علامہ اپنی ملازمت چھوڑ کر لکھنو سے راجہ بنے سنگھ کی دعوت پر الور چلے گئے، جہاں آپ تقریباً ڈیڑھ سال ملازمت میں رہے-

۲۷رجنوری ۱۸۵۷ء علامہ نے مرزا غالب کو خط لکھا کہ سرکار (والی رام پور نواب یوسف علی خاں) کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جایئے اور اصلاح اشعار کا کام انجام دیجیے، اس سے قبل علامہ غالب کی مالی مشکلات دور کرنے کے لیے نواب صاحب کو راضی کر چکے تھے-

۵رفروری ۱۸۵۷ء علامہ کی سفارش اور کوشش سے والی رام پور نواب یوسف علی خاں کے استاذ کی حیثیت سے مرزا غالب کا تقرر ہوا-

۱۰رمئی ۱۸۵۷ء میرٹھ سے ستاون کی جنگ آزادی کا آغاز ہوا-

مئی ۱۸۵۷ء معرکۂ ستاون کا آغاز ہوا تو علامہ بادشاہ کی دعوت پر ملازمت چھوڑ کر جنگ میں عملی و فکری شرکت کے لیے الور سے دہلی آ گئے-

۱۱رمئی ۱۸۵۷ء مجاہدین نے دہلی پر قبضہ کر لیا-

۱۲رمئی ۱۸۵۷ء مجاہدین کی رسد رسانی کے انتظام کے لیے قلعے میں اکابر شہر کی ایک مجلس مقرر ہوئی، جس میں علامہ بھی شامل ہوئے- علامہ نے بہادر شاہ سے مجاہدین کی مالی اعانت کے لیے کہا تو بادشاہ نے خزانہ خالی اور مال گزاری وصول نہ ہونے کا عذر کیا- اس پر

	علامہ نے تحصیل داری اور رسد کی فراہمی کے لیے اپنے صاحبزادے عبدالحق اور دوسرے اعزہ کا نام پیش کیا، بادشاہ نے منظور کیا اور علامہ کے داماد کے حقیقی بھائی میر نواب کو دہلی کا گورنر اور بعد میں مولانا عبدالحق خیرآبادی کو گڑگاؤں کا کلکٹر مقرر کیا گیا-
مئی، جون ۱۸۵۷ء	علامہ نے بہادر شاہ کی شہنشاہی کو دستوری حکومت اور آئینی بادشاہت میں تبدیل کرنے کے لیے باقاعدہ ایک دستور العمل بنایا- جس کا نفاذ بھی عمل میں آیا-
جون، جولائی ۱۸۵۷ء	علامہ نے سلطنت کا جو دستور العمل بنایا تھا اس کے نفاذ کے لیے ایک مجلس منتظمہ تشکیل دی گئی، علامہ اس کے رکن اور نگراں بنے-
۱۶/اگست ۱۸۵۷ء	علامہ بہادر شاہ ظفر سے ملے اور جنگ کے انتظامی امور پر تبادلۂ خیال کیا-
۱۹/اگست ۱۸۵۷ء	علامہ شریک دربار ہوئے اور براہ راست انتظام سنبھالنے کے خواہش مند ہوئے-
۱۹/ستمبر ۱۸۵۷ء	دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا-
۱۹/تا ۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء	علامہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ بھوکے پیاسے گھر میں بند رہے-
۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء	دہلی کی تاراجی کے بعد علامہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنا بیش قیمت اسباب اور نادر کتب خانہ چھوڑ کر دہلی سے نکل گئے-
نومبر ۱۸۵۷ء	بڑی مشکلوں اور مصیبتوں کے ساتھ علی گڑھ اور رام پور ہوتے ہوئے تقریباً دو ماہ کے بعد علامہ خیرآباد پہنچے-
دسمبر ۱۸۵۷ء تا وسط مارچ ۱۸۵۸ء	علامہ نے خیرآباد میں قیام کیا-
۱۴/مارچ ۱۸۵۸ء	لکھنؤ پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا اور بیگم حضرت محل اور مجاہدین لکھنؤ خالی کرنے پر مجبور ہو گئے-

مارچ ۱۸۵۸ء	بیگم لکھنؤ سے نکل کر سیتاپور پہنچیں اور یہیں علامہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور یہ قافلہ سیتاپور سے نکل کر بونڈی ضلع بہرائچ پہنچا۔
اپریل تا نومبر ۱۸۵۸ء	علامہ بونڈی، کھیڑی، ہرگاؤں، تنبول، سہور پور اور دریہ میں مقیم رہے اور مجاہدین کی معاونت کرتے رہے۔
نومبر ۱۸۵۸ء	ہر محاذ پر انگریزوں نے فتح حاصل کی۔ ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان شائع کیا اور اس کی مہلت ۳۰ر دسمبر تک دی کہ اس مدت میں جو بھی باغی باغیانہ سرگرمیوں سے باز آئے گا اسے نہ گرفتار کیا جائے گا اور نہ سزا دی جائے گی۔
دسمبر ۱۸۵۸ء	اعلان معافی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے وسط دسمبر میں علامہ اپنے وطن خیرآباد لوٹ گئے۔
۲۶ر دسمبر ۱۸۵۸ء	خیرآباد پہنچ کر علامہ کرنل کلارک سے ملے، کرنل نے انھیں ڈپٹی کمشنر کی تحویل میں دیے جانے کا حکم دیا۔
۳۰ دسمبر ۱۸۵۸ء	ڈپٹی کمشنر سے مل کر علامہ اپنے گھر میں مقیم گویا نظر بند ہو گئے۔
۳۰ر جنوری ۱۸۵۹ء	اعلان معافی کے برخلاف علامہ کو گرفتار کر کے لکھنؤ بھیج دیا گیا۔
۲۱ر فروری ۱۸۵۹ء	کیپٹن ایف اے وی تھربرن (F.A.V. Thurburn) کی عدالت میں مقدمہ شروع ہوا۔
۲۸ر فروری ۱۸۵۹ء	کیپٹن تھربرن نے فرد جرم مرتب کر کے مقدمہ جوڈیشیل کمشنر اودھ کی عدالت میں منتقل کر دیا۔
۴ر مارچ ۱۸۵۹ء	جوڈیشیل کمشنر مسٹر جارج کیمبل (G. Cambell) اور میجر بارو (Barrow) قائم مقام کمشنر خیرآباد ڈویژن کی مشترکہ عدالت نے علامہ کو باغی قرار دیتے ہوئے ان کی جائیداد کی ضبطی اور حبس دوام بعبور دریائے شور کا فیصلہ سنایا۔
۴ر مارچ تا مئی ۱۸۵۹ء	فیصلے کے بعد علامہ لکھنؤ کی جیل میں قید رہے۔

مارچ، اپریل ۱۸۵۹ء	علامہ نے سزا کے فیصلے کے بعد گورنر جنرل کے پاس رہائی کی اپیل کی جو نامنظور ہوئی۔
مئی ۱۸۵۹ء	علامہ کو لکھنؤ سے کلکتہ کے علی پور جیل میں منتقل کر دیا گیا۔
مئی، جون ۱۸۵۹ء	کلکتہ میں مولوی فضل الرحمٰن قاضی القضاۃ کلکتہ اور دیگر عمائدین کلکتہ نے ڈیڑھ سو اصحاب کے دستخط کے ساتھ حکومت کو رہائی کی درخواست لکھی، لیکن حکومت نے اسے بھی نامنظور کر دیا۔
۸؍اکتوبر ۱۸۵۹ء	علامہ کو کلکتہ سے ''فائر کوئین'' نامی جہاز سے پورٹ بلیئر جزیرۂ انڈمان روانہ کر دیا گیا۔
۹؍جنوری ۱۸۶۰ء	جزیرۂ انڈمان پہنچ کر علامہ نے وزیر ہند کے نام اپنی رہائی کی درخواست لکھی۔ وزیر ہند نے یہ درخواست مقامی حکام کو بھجوا دی۔
۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء	علامہ نے جزیرۂ انڈمان میں قید کے دوران جنگ آزادی کے اسباب و واقعات اور قید میں اپنے مصائب و آلام کے ذکر پر مشتمل ایک رسالہ ''رسالۂ غدریہ'' (الثورۃ الہندیہ) اور دو طویل قصائد (ہمزیہ اور دالیہ) لکھے۔
۳۰؍جولائی ۱۸۶۱ء	وزیر ہند کے نام علامہ کی بھیجی ہوئی درخواست کو خیر آباد ڈویژن سے چیف کمشنر اودھ لکھنؤ کو بھجوا دی گئی۔
۱۲؍اگست ۱۸۶۱ء	چیف کمشنر اودھ لکھنؤ نے وزیر ہند کے نام علامہ کی بھیجی ہوئی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے جواب لکھا کہ اگر مولوی فضل حق کے سلسلے میں کچھ بھی رعایت کی گئی تو وہ اس کی سختی سے مخالفت کریں گے۔
۱۲صفر ۱۲۷۸ھ ۲۰اگست ۱۸۶۱ء	علامہ جزیرۂ انڈمان میں انتقال فرما گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

❑❑❑

تحقیق کے دو پیمانے

علامہ فضل حق خیرآبادی تاریخ کی ایک ایسی مظلوم شخصیت کا نام ہے جس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور کارناموں کو مؤرخین اور محققین کی کرم فرمائیوں نے شکوک وشبہات کے دائرے میں لا کھڑا کیا ہے- ان شکوک وشبہات کا تعلق حسب ذیل امور سے ہے: ا-معرکۂ ستاون میں علامہ خیرآبادی کی شرکت ۲-معرکۂ ستاون میں انگریزی سرکار کے خلاف ان کا فتویٰ جہاد ۳- جزیرۂ انڈمان میں علامہ کی قبر کی تعیین ۴-مقدمہ میں ان پر عائد کردہ الزامات کی حقیقت ۵- جرم بغاوت کی سزا کے بعد ان کی رہائی کا مسئلہ ۶-معرکہ ہنومان گڑھی میں مجاہدین کے خلاف فتویٰ جہاد کا معاملہ ۷- شاہ اسماعیل دہلوی سے علامہ کے نزاع کی نوعیت اور تعلقات ۸-اور علامہ کا شخصی کردار-

علامہ کی زندگی کے یہ وہ پہلو ہیں جن پر جزوی یا کلی طور پر بہت سے محققین اور اہل قلم نے مختلف اسالیب میں شبہات وارد کیے ہیں- علامہ کے ان ناقدین میں چند نمایاں نام یہ ہے: مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مالک رام، غلام رسول مہر، پروفیسر ایوب قادری، ڈاکٹر ثریا بتول ڈار اور شمیم طارق-

علامہ کے مذکورہ ناقدین کے شبہات کا ازالہ ہندو پاک کے متعدد نامور "فضل حق شناسوں" نے علمی و تحقیقی اسلوب میں کرنے کوشش کی ہے- تاریخی حقائق کی روشنی میں جن شبہات کا ازالہ اب تک نہیں ہو سکا ہے ان پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے- مذکورہ محققین میں سے اکثر میں قدر مشترک پہلو یہ ہے کہ جہاں ان حضرات نے علامہ فضل حق خیرآبادی کے سلسلے میں بساط تحقیق بچھائی ہے وہیں مولانا سید احمد رائے بریلوی (۱۲۰۱ھ/ ۱۲۴۶ھ) اور

ان کی تحریک کے حوالے سے بھی اپنی تحقیقات پیش کی ہیں-ان تحقیقات کے مطالعے کے بعد ان محققین کی فاضلانہ اور محققانہ بصیرت افروزی کا معترف ہونا پڑتا ہے،لیکن اس سلسلۂ تحقیق میں ایک چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ مذکورہ دونوں شخصیات (علامہ فضل حق خیرآبادی اور مولانا سید احمد رائے بریلوی) کے تعلق سے متعدد تحریریں پڑھ کر ان محققین کے ایک اور قدر مشترک پہلو کا انکشاف ہوتا ہے-وہ یہ کہ انھوں نے مذکورہ دونوں شخصیات پر کلام کرنے میں اپنی تحقیقات کے دو پیمانے بنا رکھے ہیں-ان حضرات نے ان دونوں کے لیے تحقیق کے دو الگ الگ پیمانے کیوں مقرر کیے ہیں؟اس کا جواب ہمیں اب تک نہیں مل سکا ہے-تاہم اس کیوں کا جواب نہ ملنے کے باوجود اتنا ضرور ہوا ہے کہ تحقیق کے اس دہرے رویے کی وجہ سے علامہ خیرآبادی پر وارد کیے گئے شبہات اہل علم کے نزدیک زمرۂ تحقیق سے باہر نکل کر''مسلکی تفریق''کے خانے میں آ گئے ہیں-

تحقیقات کے ان دونوں پیمانوں کا جائزہ لینے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ پہلی بار علامہ خیرآبادی کی تفصیلی سوانح ''باغی ہندوستان'' ۱۹۴۷ء کے اوائل میں مدینہ پریس بجنور سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی-اس سے قبل علامہ کی شہرت ایک متکلم،فلسفی، منطقی،ادیب اور مفکر کی حیثیت سے تھی-اس کتاب کی اشاعت کے بعد پہلی بار اہل علم کے درمیان علامہ کا تعارف ایک سرگرم مجاہد آزادی کی حیثیت سے ہوا-علامہ کی زندگی کا یہ پہلو ابھی تحقیق کے ابتدائی مرحلے میں ہی تھا کہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور مالک رام نے معاصر شواہد اور دستاویزی ثبوت سے صرف نظر کرتے ہوئے دو ایک کمزور بنیادوں پر علی الترتیب ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۰ء میں ماہنامہ تحریک دہلی میں علامہ پر مضامین لکھے-اول الذکر نے معرکۂ ستاون میں علامہ کے فتوئ جہاد کے تعلق سے انکار کیا تو مؤخر الذکر نے معرکۂ ستاون میں علامہ کی علمی و عملی شرکت کا ہی انکار کر دیا-اس بحث کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس کے بعد جس کسی نے بھی اپنی تحقیقات عالیہ کے اندر معرکۂ ستاون میں علامہ کی عدم شرکت کو ثابت کرنے کی کوشش کی اس نے مولانا عرشی اور مالک رام کا آموختہ دہرا دیا- تحقیق کا یہ معیار اور انداز حد درجہ حیران کن ہے-

دراصل کسی بھی شخصیت یا تحریک کے تعلق سے کوئی بھی موقف اختیار کرنے کے لیے معاصر شواہد اور اولین مآخذ سے اس کی تائید ضروری سمجھی جاتی ہے- معاصر شواہد اگر متعلقہ موقف کے مؤید نہیں ہوتے تو پھر اسے کمزور سمجھا جاتا ہے، محققین نے عام طور پر اپنی تحقیقات کے سلسلے میں یہی اصول ومنہاج مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ چلنے کی حتی الامکان کوشش بھی کرتے ہیں، لیکن معلوم نہیں کیوں تیرہویں صدی ہجری کی دو اہم شخصیات مولانا سید احمد رائے بریلوی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے تعلق سے یہ محققین اپنے مذکورہ اصول پر قائم نہیں رہ پاتے- اس سلسلے میں مذکورہ عہد کی تاریخ کو موضوع بنانے والوں نے دو معیار قائم کر رکھے ہیں:

۱- ایک معیار یہ ہے کہ سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کا انگریزی سرکار کے خلاف جہاد کا اولین اور معاصر مأخذ سے ثبوت نہ ہونے کے باوجود ثانوی مأخذ کی بنیاد پر انہیں اور ان کی تحریک کو انگریز مخالف ثابت کرنے پر اصرار کرنا-

۲- اور دوسرا یہ کہ علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے مسلک ومنہاج پر چلنے والوں کے انگریزی سرکار کے خلاف جد وجہد کے متعدد معاصر شواہد اور دستاویزی ثبوت ہونے کے باوجود انہیں انگریزوں کا حامی ووفادار قرار دینا-

پہلا پیمانہ: سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک کے سلسلے میں تین اہم معاصر اور بنیادی مأخذ ہیں-۱- ''مخزن احمدی'' مولوی سید محمد علی کی فارسی تصنیف ہے، یہ کتاب ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں لکھی گئی اور مطبع مفید عام آگرہ سے چھپ کر شائع ہوئی-۲- ''تواریخ عجیبہ'' موسوم بہ سوانح احمدی مؤلفہ منشی جعفر تھانیسری جو ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں لکھی گئی اور اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۵ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا- اس کتاب کا بنیادی مأخذ ''مخزن احمدی'' ہی ہے-۳- ''تواریخ عجیب'' (کالا پانی) مؤلفہ منشی جعفر تھانیسری جو ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں لکھی گئی- یہ تینوں معاصر مأخذ نہ صرف سید صاحب اور ان کی تحریک کے تعلق سے انگریز مخالفت کی تردید کرتے ہیں، بلکہ ان میں شامل متعدد واقعات انگریزی سرکار کی معاونت کا اشارہ بھی دیتے ہیں، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

۱-''ایام طفولیت سے آپ (سید احمد رائے بریلوی) کی طبیعت اور جبلت میں شوق وذوق اعلائے کلمۃ اللہ وانطفائے نائرہ کفر وبدعت کا بھرا ہوا تھا، اس واسطے ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتال کفار کا ارادہ کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی گو کافر تھی مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے رورپائی اور بوجہ موجودگی ان حالات کے ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کو مانع تھیں اس واسطے آپ کو منظور ہوا کہ اقوام سکھ، پنجاب پر جو نہایت ظالم اور احکامات شریعت کی حارج اور مانع تھے، جہاد کیا جائے، مگر جہاد کا کام ایسا نہیں ہے کہ جھٹ پٹ انجام کو پہنچ جائے اور اس سے فارغ ہو کر اپنے گھر کو لوٹ آئے۔ لہذا آپ نے چاہا کہ جہاد کرنے سے پہلے فرض حج کو ادا کر لیں، اور بعد ادائے اس فرض کے سکھوں سے جہاد شروع کریں۔''

(تواریخ عجیبہ ''سوانح احمدی'' ص:۴۵)

۲-''اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے، ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں، اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رورپا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے، اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔'' (مرجع سابق ص:۵۷)

۳-''ابتدائے عمل داریٔ سرکار سے وہابیوں سے قتل انگریزی تو در کنار کبھی خلاف تہذیب بھی سرزد نہیں ہوئی۔ عین بغاوت ۱۸۵۷ء کے عام فتنہ کے وقت بجائے بغاوت اور فساد کے، وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بچوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے گھروں

میں چھپا رکھا-'' (تواریخ عجیب (کالا پانی) ص:۸۳/۸۴)

ان کتابوں کے پینتالیس پچاس برسوں کے بعد ''سیرت سید احمد شہید'' مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی، ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' مؤلفہ مولانا عبید اللہ سندھی، ''مسلمانوں کا روشن مستقبل'' مؤلفہ مولوی سید طفیل احمد ''ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک'' مؤلفہ مولانا مسعود عالم ندوی اور ''سید احمد شہید'' مؤلفہ مولانا غلام رسول مہر جیسی کتابیں منظر عام پر آئیں-اپنی کتابوں کی ترتیب وتالیف کے دوران ان تمام لوگوں کے پیش نظر مذکورہ تینوں بنیادی مأخذ تھے، لیکن ان محققین نے اولین مأخذ کے برخلاف اپنی کتابوں میں سید صاحب اور ان کی تحریک کو انگریز مخالف ثابت کرنے پر قلم کا پورا زور صرف کیا-آج یہی ثانوی مأخذ اور کتابیں موجودہ نامور محققین کا بنیادی مأخذ ہیں، کیوں کہ انہیں سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک کے سلسلے میں اپنے مفروضہ موقف (انگریزی سرکار کے خلاف جہاد) کو یہیں سے غذا فراہم ہوتی ہے-

اب تک تحقیق کا اصول تو یہ رہا کہ اولین اور معاصر مأخذ سے ثانوی مأخذ کی اصلاح کی جاتی رہی ہے، لیکن مذکورہ بحث کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں ثانوی مأخذ سے اولین اور معاصر مآخذ کی تصحیح کی جانے لگی-''سوانح احمدی'' کے سلسلے میں پروفیسر ایوب قادری کا یہ بیان مذکورہ تحقیقی اصول سے کس درجہ منحرف ہے، ملاحظہ ہو:

> ''یہ کتاب (سوانح احمدی) سید احمد شہید اور ان کے اکابر خلفا کے حالات وسوانح پر مشتمل ہے، سید صاحب کے حالات میں سب سے پہلی کتاب ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہوئی-اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوئی کہ مؤلف نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جہاد کی تحریک از اول تا آخر سکھوں کے خلاف تھی، انگریزوں سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا اور سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے سرگرم کارکن کو انگریزوں سے کوئی دشمنی یا پرخاش نہ تھی، حقیقت یہ ہے کہ مولوی محمد جعفر جماعت کے خاص راز دار تھے جس

کے نتیجے میں انہوں نے خوف ناک تکلیفیں اٹھائیں......ان حالات اور مصائب وآلام کا یہ ردعمل ہوا کہ انہوں نے اس مرقع میں مصلحت کے قلم سے نقش ونگار بھرنے کی کوشش کی ہے ورنہ حقیقت اپنی جگہ عیاں اور ظاہر ہے-'' (مرجع سابق،ص:۵۲/۵۱)

سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک کے سلسلے میں ذکر کردہ تینوں کتابیں مخزن احمدی، سوانح احمدی اور تواریخ عجیب نہ صرف اولین مآخذ ہیں بلکہ اول الذکر سید صاحب کے بھانجے ☆ کی تحریر کردہ ہے، جب کہ مؤخر الذکر دونوں کتابیں سید صاحب کی تحریک کے ایک سرگرم رکن اور ''خاص راز دار'' کی ہے- ان سب مسلمات کے باوجود سید صاحب اور ان کی تحریک سے بے محابہ عقیدت ہمارے نامور محققین کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ان معاصر مآخذ کی اصلاحات کا فریضہ انجام دیں اور اپنے مفروضہ موقف کی اشاعت کے لیے ثانوی مآخذ پر اعتماد کریں، نیز ان کی تحریک جہاد کا ڈانڈا معرکۂ بالاکوٹ ہوتے ہوئے معرکۂ ستاون سے ملا دیں-

تاریخ نویسی اور تحقیق کا یہ انداز صرف سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک تک محدود نہیں ہے بلکہ اس زمرۂ تحقیق میں کچھ اور بھی شخصیتیں شامل ہیں-معرکۂ ستاون میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی کی علمی، عملی اور فکری شرکت کے ذکر سے معاصر مآخذ کی مکمل خاموشی کے اعتراف کے باوجود، مختلف جہتوں سے یہ اصرار کیا جاتا رہا ہے کہ مذکورہ دونوں شخصیتوں کی معرکہ ستاون میں بھرپور حصہ داری تھی- اس سلسلۂ تحقیق میں مولانا غلام رسول مہر کا یہ اقتباس حیرت انگیز ہے:

''ان بزرگوں (مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی) نے بھی ۱۸۵۷ء کی جہاد آزادی میں حصہ لیا تھا- افسوس کہ صحیح تفصیلات

☆ مولانا غلام رسول مہر نے ''مخزن احمدی'' اور اس کے مؤلف سید محمد علی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''سید احمد رائے بریلوی کے چار بھانجے تھے، بڑے سید محمد علی جنھوں نے ابتدا سے آغاز جہاد تک حالات لکھے اور اس کتاب کا نام ''مخزن احمدی'' رکھا، ایک مرتبہ چھپ بھی گئی تھی، مگر اب کمیاب ہے بلکہ نایاب ہے-'' (افادات مہر، ڈاکٹر شیر بہادر خان، ص:۱۳۹، مطبوعہ غلام علی اینڈ سنس، لاہور پاکستان)

آج تک معلوم نہ ہوسکیں۔'' (اٹھارہ سوستاون کے مجاہد،ص:۲۵۰)

واقعی معاصر ادبیات معرکۂ ستاون میں دونوں ''بزرگوں'' کی کوئی تفصیل مطالعے سے نہیں گزری، البتہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی اولین مستند سوانح ''تذکرۃ الرشید'' نظر سے گزری تو غلام رسول مہر صاحب کا مولانا گنگوہی کے حوالے سے مندرجہ بالا دعویٰ یکسر غلط معلوم ہوا۔ مولانا گنگوہی کا انتقال ۹؍اگست ۱۹۰۵ء میں ہوا، ان کے انتقال کے ایک سال کے بعد ہی مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے ۱۹۰۶ء میں مولانا کی سوانح بنام تذکرۃ الرشید لکھنے کا آغاز کردیا اور دوسال کے بعد ۱۹۰۸ء میں یہ کتاب مکمل ہوگئی، اس لیے اہل علم نے مولانا کی سوانحیات میں اس کتاب کو اولین اور مستند قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے دو اقتباسات بلاتبصرہ حاضر ہیں، یہ اقتباسات خود بتائیں گے کہ مولانا نے معرکہ ستاون میں حصہ لیا تھا یا انگریزی سرکار کے حامی و وفادار تھے:

۱۔ معرکۂ ستاون جب ختم ہوگیا تو بعض لوگوں نے کسی دشمنی کی وجہ سے مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی کے ''باغی'' ہونے کی مخبری کردی، اس قضیے کا حال مولانا عاشق الٰہی کے الفاظ میں یہ ہے:

> ''جب بغاوت وفساد کا قصہ فرو ہوا اور رحم دل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیرخواہ اپنے کو ظاہر کریں۔ انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا۔'' (تذکرۃ الرشید،ص:۷۶)

جب کہ صورت حال یہ تھی:

> ''یہ حضرات حقیقۃً بے گناہ تھے، مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی ومفسد اور مجرم وسرکاری خطاوار ٹھیرا رکھا تھا۔ اس لیے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت برسر تھی۔ اس لیے کوئی آنچ نہ آئی اور

جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ تھے۔
تازیست خیرخواہ ہی ثابت رہے۔‘‘(مرجع سابق،ص:۷۹)

۲۔معرکۂ ستاون کے بعد انگریزی سرکار کی داروگیری کے نتیجے میں ہر شخص خوف و ہراس میں تھا، انہی ایام میں مولانا گنگوہی کو بھی معلوم ہوا کہ ان کا نام بھی قابل اخذ مجرموں کی فہرست میں آچکا ہے، لیکن ان کا حال یہ تھا:

’’آپ کوہِ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے۔ اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔‘‘(مرجع سابق،ص:۸۰)

ان اقتباسات کو پڑھنے کے بعد غیر جانب دار محققین کو یہ فیصلہ لینے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ مولانا گنگوہی کے حوالے سے غلام رسول مہر صاحب کا مذکورہ دعویٰ ثانوی مأخذ پر استوار ہے یا ان کی خودساختہ تاریخ ہے، مولانا گنگوہی کی اولین سوانح جس کی تائیدنہیں کرتی۔

دوسرا پیمانہ: علامہ فضل حق خیرآبادی کے مذکورہ ناقدین اور محققین کی تحقیقات کا یہ ایک رخ تھا۔ ان کی تحقیقات کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب یہی محققین علامہ خیرآبادی پر معرکہ ستاون میں شرکت کے حوالے سے داد تحقیق دیتے ہیں تو تحقیقی اصول و دیانت کے خلاف ان کی نگاہیں ثانوی مأخذ پر ٹک جاتی ہیں یا پھر مولانا عرشی اور مالک رام کے کمزور استدلال پر، جس کے بعد درجنوں معاصر شواہد اور متعدد دستاویزی ثبوت بے وقعت ہوجاتے ہیں۔ کہاں تو تحقیق کا یہ انداز کہ جن بزرگوں کی معرکۂ ستاون میں شرکت یا جہاد کا کوئی ثبوت نہ ہونے بلکہ انگریزی سرکار سے وفاداری کے معاصر شواہد کے باوجود انہیں جنگ آزادی کا ہیرو ثابت کیا جائے اور کہاں تحقیق کا یہ تیور کہ علامہ کی معرکۂ ستاون میں شرکت کے ثبوت میں درجنوں معاصر شواہد کو نظرانداز کرتے ہوئے دو ایک عبارتوں کو سامنے رکھ کر بساط تحقیق لپیٹ دی جائے اور معرکہ ستاون میں علامہ کی عدم شرکت کا حتمی فیصلہ سنا دیا جائے۔تحقیق کا

دیانت دارانہ تقاضا تو یہ تھا کہ علامہ خیر آبادی کی اولین تفصیلی سوانح ''باغی ہندوستان'' کی اشاعت کے بعد قومی و ریاستی محافظ خانوں کی طرف مراجعت کر کے اس سلسلۂ تحقیق کو مزید آگے بڑھایا جائے، جہاں اب بھی معرکۂ ستاون کے تعلق سے ہزاروں دستاویزات تحقیق و تفتیش کے منتظر ہیں، لیکن علامہ کے ناقدین نے محض مولانا عرشی اور مالک رام کی تحقیق پر غیر مشروط ایمان لا کر ان کے موقف کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی- اس سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ جن مستند محققین نے مولانا عرشی اور مالک رام کے دلائل کی معاصر شواہد سے تغلیط کرنے کی کوشش کی، ان کی محققانہ کاوشوں کو بیک جنبش قلم ''روایتوں کا مجموعہ'' اور ''مناظرانہ طرز تحریر'' کہہ کر ان سے بچنے کی شعوری کوشش کی جانے لگی- (دیکھیے ''غالب اور ہماری تحریک آزادی'' از شمیم طارق) تحقیق کا یہ انوکھا انداز ان لوگوں کی شادمانی میں اضافے کا سبب تو بن سکتا ہے جو علامہ کو اس حیثیت میں نہیں دیکھنا چاہتے، تاریخی حقائق پر خط تنسیخ نہیں کھینچ سکتا- دراصل تاریخ، تاریخ ہوتی ہے جو ہمارے مفروضہ ذہن و فکر کی تابع نہیں ہوتی، اس کو من و عن قبول کرنا اور اسے اسی طرح پیش کر دینا دل گردے کی بات ہے، جس کی تاب ہر ذہن و قلم نہیں لا سکتا-

معاصر مآخذ سے معرکۂ ستاون میں علامہ کی شرکت کا مستحکم ثبوت: معرکۂ ستاون میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی شرکت کے حوالے سے کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ان اولین اور معاصر مآخذ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے:-۱- تاریخ عروج سلطنت انگلیشیہ مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ-۲- حکیم احسن اللہ خاں کی یادداشت مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق-۳-۱۸۵۷ء کے غداروں کے خطوط مرتبہ سید عاشور کاظمی-۴- اخبار دہلی از چنی لال-۵- روزنامچہ معین الدین حسن خاں معروف بہ ''خدنگ غدر''-۶- روزنامچہ منشی جیون لال-۷-۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ (عبداللطیف) مرتبہ خلیق احمد نظامی-۸- غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط-۹- مقالات سرسید حصہ شانزدہم-۱۰- بہادر شاہ کا مقدمہ مرتبہ خواجہ حسن نظامی-۱۱- غالب کا روزنامچۂ غدر ۱۸۵۷ء مرتبہ خواجہ حسن نظامی-۱۲- ہمارے ہندوستانی مسلمان از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر-۱۳- الثورۃ الہندیہ مؤلفہ علامہ فضل حق خیر آبادی- ان کے علاوہ قومی و

ریاستی محافظ خانوں کے مختلف دستاویزات وفرامین، مسل مقدمہ مولوی فضل حق اور دستور ایڈمنسٹریشن کورٹ۔

ان اولین اور معاصر مآخذ سے علامہ خیرآبادی کی معرکۂ ستاون میں جن سرگرمیوں کا پتا چلتا ہے، وہ یہ ہیں:

۱-دہلی اور اودھ کی بغاوت میں عمومی شرکت: مقدمے کی روداد سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ کو ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو گرفتار کیا گیا اور لکھنؤ میں مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمے کے ''نقل فیصلہ'' میں عدالت نے علامہ کے تعلق سے جو تفصیل لکھی ہے، وہ یہ ہے:

> ''وہ (مولوی فضل حق) ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران بغاوت کا سرغنہ رہا اور دہلی اور اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی۔'' (مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

۲-دہلی کی بغاوت میں عمومی شرکت:

> ''دہلی سے اس کے پرانے تعلقات کے باعث وہاں کے حکام سے بھی اس سے متعلق استصواب کیا گیا تو کمشنر دہلی نے اس کے جو حالات تحریر کیے، ان سے معلوم ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بھی اس کی سرگرمیاں بعینہٖ اسی قسم کی (باغیانہ) تھیں۔'' (مرجع سابق)
>
> ''بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ الور میں ملازم تھا۔ یہاں سے وہ دیدہ ودانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدم چلتا رہا۔'' (مرجع سابق)

۳-جنگ کے دوران بادشاہ کو مشورے دینا: معرکۂ ستاون کے دوران بہادر شاہ ظفر کو علامہ مخلصانہ مشورہ دیتے رہے اور بہادر شاہ اس اعتماد کی بنا پر جو انھیں علامہ کے اخلاص اوران کی اصابت رائے پر تھا ان مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے وزیر اعظم حکیم احسن اللہ خاں نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے:

> ''مولوی (فضل حق) صاحب جب بھی بادشاہ سے ملتے وہ بادشاہ کو

مشورہ دیتے کہ جنگ کے سلسلے میں رعایا کی ہمت افزائی کریں اور
ان کے باہر (محاذ پر) نکلیں اور دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر
معاوضہ دیں'' (میمووائرس آف حکیم احسن اللہ خاں، ص:۲۳)

۴-مجاہدین کی اعانت: مجاہدین کی اعانت روپے اور سامان رسد سے، اہل کار حکام کا تقرر، مال گزاری کی تحصیل کا انتظام اور ہمسایہ والیان ریاست کو جنگ میں اعانت وشرکت کی دعوت کے لیے لال قلعہ کے دارالانشا (سیکریٹریٹ) سے علامہ کے حکم سے بہت سے پروانے جاری ہوئے-حکیم احسن اللہ خاں کہتے ہیں:

''بادشاہ نے حکم دیا کہ مولوی (فضل حق) صاحب کی تجویز کے
مطابق والیان ریاست کو پروانے لکھے جائیں اور بعجلت روانہ
کردیے جائیں''-(مرجع سابق، ص:۲۳/۲۴)

۵-اہل کار حکام کا تقرر: بہادر شاہ کے مقدمہ کی دوران حکیم احسن اللہ خاں نے بیان دیا:

''(مولوی) فضل حق نے بھی کئی تحصیل داروں کو ضلع دار کی نیابت
میں مقرر کیا'' (بہادر شاہ کا مقدمہ، ص:۳۴۷)

۶-آمدنی پر توجہ اور مال گزاری کی تحصیل کا انتظام: بہادر شاہ ظفر کے پرائیویٹ سیکریٹری مکند لال نے اپنی ایک تحریر ۱۸/اگست ۱۸۵۷ء میں لکھا ہے:

''بہادر شاہ کے دربار عام سے اپنے کمرۂ خاص میں چلے جانے کے
بعد مولانا (فضل حق) نے حسب ذیل افراد کے نام پروانے جاری
کرنے کا حکم دیا: (۱) بنام حسن بخش عرض بیگی، ضلع علی گڑھ کی آمدنی
وصول کرنے کے لیے (۲) بنام فیض محمد، اسے ضلع بلند شہر اور علی گڑھ
کی آمدنی وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا (۳) بنام مولوی عبد
الحق (ابن علامہ فضل حق) ضلع گڑگانوہ کی مال گزاری وصول کرنے کا
انتظام کیا جائے-'' (غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط، ص:۱۲۹)

۷-جہاد کی ترغیب کے لیے وعظ و بیان: علامہ دیگر علمائے دہلی کے ساتھ جلسے کر کر کے ترغیب جہاد کے لیے وعظ کرتے رہے کہ حملے کی شکل میں دارالاسلام کو بچانے کی فکر وکوشش کرنا شرعاً واجب ہے- بہادر شاہ ظفر کے ایک درباری چنی لال کا بیان ہے:

''مولوی فضل حق اپنے مواعظ سے عوام کو مسلسل بھڑکا رہے ہیں-''

(اخبار دہلی از چنی لال، ص:۲۷۳، فائل:۱۲۷)

۸-باغی فوجیوں کو ترغیب جہاد: معرکۂ ستاون کے دوران ان تمام سرگرمیوں کے علاوہ علامہ کی نگاہیں میدان جنگ پر بھی تھیں جس کے لیے وہ مسلسل باغی فوجیوں کو جہاد اور جنگ کی ترغیب دے رہے تھے- انگریزوں کے ایک مخبر تراب علی نے ۲۸/اگست ۱۸۵۷ء کو رپورٹ دی:

''مولوی فضل حق جب سے دہلی آیا ہے شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اکسانے میں مصروف ہے''

اسی خط کے آخری حصے میں یہ بھی ذکر ہے:

''مولوی فضل حق کے کہنے پر شاہزادے اب حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ محاذ پر جاتے ہیں اور عموماً سبزی منڈی کے پل پر لڑتے ہیں''-

(۱۸۵۷ء کے غداروں کے خطوط، ص:۱۵۹)

۱۰-فتوئ جہاد: جنرل بخت کے مشورے سے علامہ نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی اور استفتا پیش کیا جس پر ممتاز علمانے دستخط کیے- (مختلف دستاویزات)

۱۱-''کنگ کونسل'' کے رکن: بہادر شاہ نے جنگ کے ایام میں مشاورت اور حالات پر قابو پانے کے لیے سہ رکنی ''کنگ کونسل'' بنائی، جس کے ایک رکن علامہ بھی تھے- سید مبارک شاہ (جو معرکۂ ستاون کے درمیان دہلی کا کوتوال تھا) نے بیان دیا کہ:

''شاہ (بہادر شاہ ظفر) نے جنرل بخت خاں، مولوی سرفراز علی اور مولوی فضل حق پر مشتمل ایک کنگ کونسل تشکیل دی تھی-''

(دی گریٹ ریولیوشن آف ۱۸۵۷ء، ص:۱۲۸/۱۸۳)

۱۲-سلطنت کا نیا دستور بنایا: دہلی پر انگریزوں کا کامل تسلط ۱۸۰۳ء میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں ہو چکا تھا اور مغل بادشاہت برائے نام رہ گئی تھی- ستاون کا انقلاب برپا ہونے کے بعد علامہ نے بہادر شاہ کی شہنشاہی کو دستوری حکومت اور آئینی بادشاہت میں تبدیل کرنے کے لیے باقاعدہ ایک دستور العمل بنایا جس کا نفاذ بھی عمل میں آیا- مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

> ''مولوی صاحب عالم متبحر مشہور تھے، وہ الور سے ترک ملازمت کر کے دہلی آئے تھے- انھوں نے بادشاہ کے لیے ایک دستور العمل سلطنت لکھا تھا، جس کی ایک دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عمل داری میں ذبح نہیں ہوگی-''

(تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ، ص:۶۸۷)

۱۳-مجلس منتظمہ کے ڈائرکٹر: علامہ نے سلطنت کا جو دستور العمل بنایا تھا اس کے نفاذ کے لیے ایک مجلس منتظمہ تشکیل دی گئی، جو دس ارکان پر مشتمل تھی، جن میں ۶ رفوج کے نمائندے اور ۴ رشہری تھے- انگریزوں کے مخبر تراب علی نے یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کو ''دہلی کی خفیہ خبروں'' کے عنوان سے جو خط انگریزی حکام کو بھیجا تھا اس میں کورٹ کی تشکیل کی خبر کے ساتھ کورٹ کے فوجی ارکان کی فہرست دی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ:

> ''اور مولوی فضل حق بھی شامل ہیں-''

(۱۸۵۷ء کے غداروں کے خطوط ص:۱۵۹)

معروف مؤرخ اور محقق مہدی حسین نے اپنی کتاب ''بہادر شاہ دوم'' صفحہ ۱۸۲ پر لکھا ہے کہ اس مجلس منتظمہ کا ڈائرکٹر (نگراں) علامہ کو بنایا گیا-

علم و فضل کی بنیاد پر علامہ خیرآبادی کی شہرت اطراف ہند میں تھی ہی، معرکۂ ستاون میں ان کے ان نمایاں کارناموں اور پھر ان بنیادوں پر ماخوذ ہونے کی وجہ سے اس شہرت کو چار چاند لگ گئے- علامہ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی جن دنوں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس تھے تو ڈاکٹر ولیم ولسن ہنٹر نے مولانا عبدالحق کا ذکر کرتے ہوئے علامہ

کی اس شہرت کا اعتراف کیا:

''موجودہ ہیڈ مولوی اس عالم دین کے صاحبزادے ہیں جن کو ۱۸۵۷ء کے غدر نے نمایاں کر دیا تھا اور جنھوں نے اپنے جرموں کا خمیازہ اس طرح بھگتا تھا کہ بحر ہند کے ایک جزیرے میں تمام عمر کے لیے جلا وطن کر دیے جائیں-اس غدار عالم دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کر لیا تھا، اب کلکتہ کالج میں موجود ہے-''

(ہمارے ہندوستانی مسلمان ص:۲۰۳/۲۰۲،)

علامہ خیر آبادی کی ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ان اولین، معاصر اور نا قابل تردید شواہد کے بعد اب ''غالب شناس'' محققین کے یہ ریمارکس ملاحظہ ہوں:

''جب یہ ہنگامہ (۱۸۵۷ء) شروع ہوا تو وہ (مولانا فضل حق) عملاً اس سے الگ تھلگ رہے، نہ علمی پہلو سے اس میں شریک ہوئے نہ عملی لحاظ سے-انھوں نے نہ کوئی فتویٰ لکھا، نہ تلوار ہی اٹھائی''-

(مولانا فضل حق خیر آبادی، مالک رام، مشمولہ ''ماہنامہ تحریک دہلی شمارہ جون ۱۹۶۰ء)

اس کے بعد جناب شمیم طارق نے اسی آموختے کو یوں دہرایا ہے:

''انھوں (مولانا فضل حق خیر آبادی) نے جہاد آزادی میں عملی شرکت کی بھی نہیں تھی، جہاد کے فتوے پر ان کا دستخط کرنا بھی قرین قیاس نہیں ہے''-(غالب اور ہماری تحریک آزادی، ص:۳۴)

علامہ کے حوالے سے ان محققین کے مذکورہ ریمارکس اور تحقیق کے دہرے پیمانے کو دیکھ کر نادم سیتاپوری کے اس اقتباس سے اتفاق کرنا مشکل نہیں ہوتا:

''انگریز پرست مسلمان تو مولانا سے اس لیے خفا تھا کہ وہ سن ستاون کی جنگ آزادی میں مجاہدانہ اور باغیانہ کردار کے حامل رہ چکے تھے اور کٹر مذہبی حلقے اس لیے ناراض تھے کہ مولانا خیر آبادی حضرت شاہ

اسماعیل شہید کے نظریات سے متفق نہیں تھے-ایک صدی بیت
گئی، لیکن ذہنی گرد وغبار کے بادل چھٹ نہ سکے-انگریز جب تک
برصغیر میں برسراقتدار رہا آئین اور قانون کی دیواروں سے جھانک
کر بہت سے چہرے پہچانے گئے، مگر نظر نہ آسکی تو مولانا فضل حق کی
ڈراونی صورت، جن کی ''غالب ساز'' شخصیت کو چھپانے کے لیے
بڑے بڑے غالب شناس ریسرچ اور تحقیق کی پرخار وادیوں سے
آگے نہ بڑھ سکے-'' (فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:٦)



علامہ فضل حق خیرآبادی اور معرکۂ ستاون کا فتویٔ جہاد

علامہ فضل حق خیرآبادی تیرھویں صدی ہجری کے ان چند نامور اور ممتاز علما میں سے ایک تھے جن کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی- اس امتیاز کی وجہ ان کی دو حیثیتیں تھیں، ایک کا تعلق علم و فضل سے تھا جب کہ دوسرے کا اعلائے کلمۂ حق سے- ان دونوں حیثیتوں میں وہ اپنے معاصرین پر نمایاں فوقیت رکھتے تھے- علامہ کے علم و فضل کا نشان امتیاز ''معقولات'' تھا، بقول مالک رام جس میں وہ ''آخری دور کے امام'' ☆ تسلیم کیے گئے- علامہ کے مستند تذکرہ نگاروں نے انھیں عالم اسلام کے فلاسفہ میں نصیر الدین طوسی، میر باقر داماد اور صدر شیرازی کے ہم صف اور ہم مرتبہ قرار دیا- اس سلسلے میں سر سید احمد خاں کا یہ اعتراف قابل مطالعہ ہے، جن کی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کا ایک زمانہ معترف ہے:

> ''جمیع علم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انھیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے، علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں- بار ہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانہ فن سمجھتے تھے جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا دعویٔ کمال کو فراموش کر کر نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے-'' (آثار الصنادید، جلد دوم، ص: ۸۸)

علامہ نے اپنے علمی و فکری فیضان سے متحدہ ہندوستان میں علم الٰہیات، علم کلام اور منطق و فلسفے کے ایک جدید مکتب علم ''مکتب خیرآباد'' کی بنیاد ڈالی- تیرھویں صدی کے بعد

☆ مولانا فضل حق خیرآبادی، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: جون ۱۹۶۰ء

معقولات کے ہر خوشہ چیں کا شجرۂ تلمذ اسی مکتب علم سے استوار ہوتا ہے۔

معرکۂ ستاون میں علامہ خیرآبادی کی شرکت کی جہتیں: جہاں تک علامہ کی دوسری حیثیت کا تعلق ہے تو معاصر ماٰخذ اور دستاویزی ثبوت کے ذریعے یہ رائے آسانی سے قائم کی جاسکتی ہے کہ علامہ فضل حق خیرآبادی نے معرکۂ ستاون میں پرجوش حصہ لیا تھا اور اسی بنیاد پر انھیں حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ اس سلسلے میں علامہ کے مستند سوانح نگاروں نے ان کی معرکۂ ستاون میں شرکت کی جو جہتیں متعین کی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) علامہ نے دہلی کے مرکز جہاد میں بھی حصہ لیا اور اودھ کے مرکز جہاد میں بھی۔ (مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

(۲) معرکۂ ستاون کے دوران بہادر شاہ ظفر کو علامہ مخلصانہ مشورہ دیتے رہے اور بہادر شاہ اس اعتماد کی بنا پر جو اسے علامہ کے اخلاص اور ان کی اصابت رائے پر تھا ان مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے۔ (مختلف دستاویزات)

(۳) جنرل بخت کے مشورے سے علامہ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی اور استفتا پیش کیا جس پر ممتاز علما نے دستخط کیے۔ (باغی ہندوستان)

(۴) مجاہدین کی اعانت روپے اور سامان رسد سے، اہل کار حکام کا تقرر، مال گزاری کی تحصیل کا انتظام اور ہمسایہ والیان ریاست کو جنگ میں اعانت وشرکت کی دعوت کے لیے لال قلعہ کے دار الانشاء (سیکریٹریٹ) سے علامہ کے حکم سے بہت سے پروانے جاری ہوئے۔ (میموائرس آف حکیم احسن اللہ خاں)

(۵) دہلی پر انگریزوں کا کامل تسلط ۱۸۰۳ء میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں ہو چکا تھا اور مغل بادشاہت برائے نام رہ گئی تھی۔ ستاون کا انقلاب برپا ہونے کے بعد علامہ نے بہادر شاہ کی شہنشاہی کو دستوری حکومت اور آئینی بادشاہت میں تبدیل کرنے کے لیے باقاعدہ ایک دستور العمل بنایا جس کا نفاذ بھی عمل میں آیا۔

(تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ)

(۶) غیر ملکی غاصبوں کے خلاف اہل وطن کی متفقہ جد وجہد کے لیے علامہ نے ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوشش کی- علامہ نے سلطنت کے لیے جو دستور العمل مرتب کیا تھا، اس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ یکم اگست ۱۸۵۷ء کو عیدالاضحیٰ کے موقعے پر مسلمان گائے کی قربانی نہیں کریں گے، چنانچہ بادشاہ کی جانب سے ذبیحہ گاؤکشی کی ممانعت کا حکم جاری ہوا- (مرجع سابق)

(۷) علامہ دیگر علمائے دہلی کے ساتھ جلسے کر کر کے ترغیب جہاد کے لیے وعظ کرتے رہے کہ حملے کی شکل میں دارالاسلام کو بچانے کی فکر و کوشش کرنا شرعاً واجب ہے- (اخبار دہلی از چنی لال)

(۸) ہندوستانی فوجیوں اور شہزادوں کو بھی علامہ ''بھڑ کانے'' میں مصروف رہے- (اخبار دہلی، رپورٹ تراب علی)

(۹) معرکے کے دوران علامہ نے شاہی فوج کی کمان بھی کی- (بہادر شاہ دوم)

(۱۰) بہادر شاہ نے جنگ کے ایام میں سہ رکنی ''کنگ کونسل'' بنائی، جس کے ایک رکن علامہ بھی تھے- (دی گریٹ ریولیوشن آف ۱۸۵۷ء)

(۱۱) علامہ نے سلطنت کا جو دستور العمل بنایا تھا اس کے نفاذ کے لیے ایک مجلس منتظمہ تشکیل دی گئی، جس کا ڈائرکٹر (نگراں) علامہ کو بنایا گیا- (بائی لاز ایڈمنسٹریشن کورٹ)

(۱۲) ۱۹ر ستمبر کو دہلی پر انگریزی حکومت کا قبضہ ہو جانے کے بعد علامہ اودھ میں بیگم حضرت محل کے ساتھ سرگرم ہو گئے- (مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

علامہ خیر آبادی کے مستند سوانح نگاروں نے معرکۂ ستاون میں علامہ کی شرکت کی مذکورہ جہتوں کو معاصر روزنامچوں، خطوط، دستاویز، فرامین اور شواہد کی بنیادوں پر تفصیل سے لکھا ہے- (دیکھیے: ''باغی ہندوستان'' اور ''فضل حق اور سن ستاون'')

علامہ خیر آبادی کی معرکۂ ستاون میں شرکت پر محققین کے انکار کی وجوہات: علامہ کے علم و عرفان اور اس کے اثرات پر آج تک کوئی محقق انگلی نہ اٹھا سکا، اس کی بنیادی وجہ ان کی مطبوعہ تالیفات، شروح اور حواشی تھیں جو ان کے علمی قد و قامت کا تعین کرتی تھیں اور پھر

ان کے قابل فخر اخلاف وتلامذہ کی ایک معتد بہ تعداد جو زبانی اور تحریری طور پر علامہ کے فضل وکمال کی داستان کو نسلوں میں منتقل کرتی رہی۔ ہم عصر تذکروں میں ان کے معاصرین کے اعترافات ان پر مستزاد۔ لیکن علامہ کی دوسری حیثیت جس کا تعلق اعلائے کلمۂ حق سے تھا، اس پر متعدد محققین اور مؤرخین نے سوالات کھڑے کیے اور معرکۂ ۱۸۵۷ء میں ان کی فکری اور عملی شرکت پر شکوک وشبہات وارد کیے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ علامہ کی وفات ۱۸۶۱ء کے تقریباً اسی سال گزر جانے کے بعد تک ان کی کوئی مبسوط سوانح مرتب نہیں کی جاسکی جس میں معاصر مآخذ اور دستاویزی شواہد کے ذریعے ناقابل تردید حقائق پیش کیے جاتے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی کوشش حکیم بہاء الدین گوپاموی (ف ۱۹۶۲ء) کے ذریعے سامنے آئی جنھوں نے علمائے سیتاپور کے حالات وکوائف پر ایک مختصر کتابچہ ''سیر العلماء'' مرتب کیا، جس میں علامہ خیرآبادی کے حالات صرف دو صفحات میں ذکر کیے گئے۔ اس کے بعد مفتی انتظام اللہ شہابی گوپاموی ثم اکبرآبادی (ف ۱۹۶۸ء) نے ایک طویل مضمون ''مولانا فضل حق وعبد الحق'' لکھا، جو ''مصنف'' علی گڑھ میں باہتمام سید الطاف علی بریلوی دو قسطوں میں شائع ہوا، لیکن اس مضمون میں ذکر کردہ بہت سی روایات کی ثقاہت پر متعدد محققین نے اعتراضات کیے۔ بقول پروفیسر ایوب قادری:

> ''ان (مفتی انتظام اللہ شہابی) کا یہی مضمون حک واضافہ کے ساتھ مختلف رسالوں میں شائع ہوتا رہا اور مولانا فضل حق سے متعلق نامعتبر روایات منتقل ہوتی رہیں۔ پھر جس کسی نے مولانا فضل حق پر قلم اٹھایا اس کے ماخذ مفتی انتظام اللہ تھے۔''
>
> (مولانا فضل حق خیرآبادی: دور ملازمت، ص: ۳۹)

اس کے بعد مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے علامہ خیرآبادی کا رسالہ اور قصائد غدریہ ''باغی ہندوستان'' کے نام سے ۱۹۴۷ء کے اوائل میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ علامہ کی تحریر کردہ مبسوط سوانحیات میں اس کتاب کو ''نقش اول'' کا درجہ حاصل ہے، لیکن اتفاق سے اس اس کتاب کی ترتیب میں بھی مولانا عبد الشاہد

خاں کے پیش نظر مفتی انتظام اللہ کا مذکورہ مضمون رہا نیز ان کے مفید مشورے بھی شامل رہے۔ اس صورت حال نے محققین کو انگشت نمائی کا موقع فراہم کر دیا۔ ''باغی ہندوستان'' کے تعلق سے نادم سیتاپوری کا یہ اقتباس میرے اس قول کی تائید کرتا ہے:

''مولانا شیروانی کی یہ پہلی تالیف تھی۔ اپنے موضوع سے انھیں والہانہ عشق بھی تھا، اس لیے ''زور بیان'' میں وہ بعض مقامات پر اپنے موضوع سے آگے نکل گئے اور کہیں پیچھے رہ گئے۔ سب سے زیادہ غضب یہ ہوا کہ انھیں مرحوم مفتی انتظام اللہ خاں شہابی کی غیر معتبر اور غیر مستند حکایات و روایات کا بھی سہارا لینا پڑا، انجام ظاہر تھا۔ ''خیرآبادیات'' کے موضوع پر ''نقش اول'' کا درجہ رکھنے کے باوجود یہ تالیف اہل تحقیق وتنقید کی ''خوردہ گیری'' سے نہ بچ سکی۔''

(فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۷)

اس ''خوردہ گیری'' کا نتیجہ یہ نکلا کہ علامہ خیرآبادی کی دوسری حیثیت جس کا تعلق (معرکۂ ستاون میں عملی شرکت کی وجہ سے) اعلائے کلمۂ حق سے تھا، محققین نے انکار کر دیا۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی آواز مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی ہے جنھوں نے ''مولانا فضل حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتویٔ جہاد'' لکھا جو ماہنامہ تحریک دہلی، اگست ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا، جس میں انھوں نے علامہ کے تعلق سے فتویٔ جہاد کا انکار کیا اور فرمایا کہ ''مولانا خیرآبادی کا جہاد کے فتوی سے کوئی تعلق نہ تھا''۔ اس کے بعد اس موضوع پر ''مولانا فضل حق خیرآبادی'' کے عنوان سے مالک رام صاحب نے داد تحقیق دی، جو ماہنامہ تحریک دہلی کے ہی شمارہ جون ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ جس میں وہ ایک قدم اور آگے بڑھ گئے اور انھوں نے معرکۂ ستاون میں علامہ کے علمی اور عملی دونوں پہلوؤں سے عدم شرکت کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ دونوں مضامین اس وقت میرے پیش نظر ہیں جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان دونوں مضامین کی اشاعت کے بعد تو ''غیر جانب دار'' محققین کو جیسے مسالہ فراہم ہو گیا اور اس کے بعد مختلف جہتوں سے علامہ کی اس حیثیت کو مشکوک بنانے کی ہوڑ لگ گئی۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بشمول مولانا عرشی اور مالک رام ہر محقق نے ''باغی ہندوستان'' کو ہی بنیاد بنا کر آواز اٹھائی ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ کی مبسوط سوانحیات میں اسی کتاب کو نقش اول کا درجہ حاصل تھا، اس کے بعد جو بھی کتابیں لکھی گئیں ان کا بنیادی ماخذ یہی کتاب بنی اور علامہ کے تعلق سے دستیاب شدہ معلومات میں اضافہ نہ کر سکیں- باغی ہندوستان کی اشاعت کے تقریباً ۲۸ سالوں کے بعد اور مولانا عرشی اور مالک رام کے مضامین کی اشاعت کے تقریباً ۱۸/سالوں کے بعد ہند و پاک میں خیرآبادی مکتب فکر کے نمائندے مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی (کراچی) نے جواباً ایک کتاب لکھی جو''فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون'' کے نام سے ۱۹۷۵ء میں کراچی پاکستان سے شائع ہوئی، اس کتاب میں علامہ خیرآبادی پر دیگر بہت سے الزامات کے جوابات کے ساتھ مذکورہ دونوں محققین کا بھی علمی جواب دیا گیا- اس کتاب کو باغی ہندوستان کے بعد سلسلۂ خیرآبادیات میں یقیناً اضافہ کہا جا سکتا ہے-''فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون'' کی اشاعت کے تقریباً دس سالوں کے بعد جب باغی ہندوستان کا چوتھا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں باہتمام المجمع الاسلامی مبارک پور شائع ہوا تو اس میں مولانا شیروانی نے ''ابحاث جدیدہ'' کے عنوان سے ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور اس میں مولانا عرشی، مالک رام اور دیگر محققین کے اعتراضات کو رفع کرنے کی کوشش کی-

یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ علامہ خیرآبادی کے وصال کے تقریباً ۸۰ سالوں کے بعد باغی ہندوستان کی شکل میں ان کی مبسوط سوانح منظر عام پر آئی بھی تو محققین کی دسترس سے باہر رہی، اس سلسلے میں مفتی سید نجم الحسن رضوی خیرآبادی کا یہ بیان بڑا حیرت انگیز ہے- مفتی صاحب کا یہ بیان ۱۹۶۸ء کا ہے جب وہ ''خیرآباد کی ایک جھلک'' کے عنوان سے اپنی کتاب مرتب کر رہے تھے:

> ''یہ رسالہ (الثورۃ الہندیہ) باغی ہندوستان مؤلفہ مولانا عبد الشاہد خاں صاحب شیروانی کے ساتھ منسلک ہے، باغی ہندوستان میں علامہ کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں، ساتھ ہی خیرآباد کے اس

علمی خاندان کے اور بھی بزرگوں کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے-
یہ کتاب اب نایاب ہے، راقم کو اس کتاب کے ایک نسخے کی
ضرورت ہے جو سعی بسیار کے باوجود نہ حاصل ہوسکا-''

(خیرآباد کی ایک جھلک، حاشیہ،ص:۵۸)

یہ بیان اس شخص کا ہے جو مولانا شیروانی کا رفیق وہم درس تھا اور باغی ہندوستان کی ترتیب وتدوین میں ان کا معاون بھی، پھر عام قارئین، محققین اور اہل قلم کی دسترس سے یہ کتاب کتنی دور ہوگی، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے- دراصل علامہ کی پہلی تفصیلی سوانح ''باغی ہندوستان'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۷ء میں مدینہ پریس، بجنور سے شائع ہوا، پھر اس کے ۳۸ سالوں کے بعد المجمع الاسلامی مبارک پور کے زیر اہتمام ۱۹۸۵ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن چھپا، درمیان میں دوسرا اور تیسرا ایڈیشن بالترتیب ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۸ء میں شائع بھی ہوا تو مکتبہ قادریہ لاہور پاکستان سے جو ہندوستانی قارئین کی پہنچ سے باہر تھا- اس کتاب کا آخری پانچواں ایڈیشن ۲۰۰۱ء میں المجمع الاسلامی سے شائع ہوا ہے، اس کے بعد خاموشی ہے-

اس تفصیل کے بعد علامہ خیرآبادی کی معرکۂ ستاون میں شرکت پر محققین کے انکار کی وجوہات کو اختصاراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) علامہ کی وفات کے تقریباً آٹھ دہائیوں تک ان کی مبسوط سوانح کا منظر عام پر نہ آنا-

(۲) ''باغی ہندوستان'' میں بعض نامعتبر روایات کا شامل ہونا-

(۳) آزادی ہند کے بعد علامہ کے تعلق سے مزید معلومات کی حصولیابی کے لیے محققین کا قومی اور ریاستی محافظ خانوں کی طرف مراجعت نہ کرنا-

(۴) معاصر شواہد سے صرف نظر کرتے ہوئے سطحی معلومات کی بنیاد پر عجلت میں منفی موقف اختیار کرنا-

ان کے علاوہ اور بھی وجوہات ہوسکتی ہیں، لیکن انکار کی اہم بنیادیں یہی ہیں-

مولانا عرشی کا مقدمہ: علامہ فضل حق خیرآبادی کی معرکۂ ستاون میں شرکت کی جتنی

بھی جہتیں محققین نے بیان کی ہیں، ان میں سب سے نمایاں ''فتویٰ جہاد'' ہے کہ علامہ نے معرکۂ ستاون میں جنرل بخت خاں کے مشورے سے فتویٰ جہاد دیا، جس پر علما نے دستخط کیے اور اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی - ☆ علامہ کی زندگی کا اس رخ سے جائزہ لینے والے دیگر بے شمار اہل قلم نے بھی ان کے فتویٰ جہاد کو ان کا سب سے اہم کارنامہ قرار دیا ہے - چونکہ اس فتوے کو معرکۂ ستاون میں بہت اہمیت حاصل ہے، اسی فتوے نے مسلمانوں کے اندر انگریزی حکومت کے خلاف مذہبی جذبات بیدار کیے، انہیں متحد و مستحکم کیا اور ملک گیر سطح پر ان میں ایک نئی روح پھونک دی، اس لیے اس کی تعیین اور حقائق کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے - اس سے نہ صرف علامہ کے معرکۂ ستاون میں فتویٰ دینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے بلکہ اس جنگ میں علامہ کی شرکت کی بہت سی گمشدہ کڑیوں کا سراغ بھی ملتا ہے -

علامہ کے فتویٰ جہاد کے سلسلے میں محققین کے مذکورہ دعوے کے خلاف سب سے پہلے (جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا) مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری اور اس کے بعد مالک رام نے آواز اٹھائی - مولانا عرشی کے انکار کے دلائل یہ تھے:

۱- تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ کا اقتباس بتاتا ہے کہ جنرل بخت خاں نے اپنی آمد دہلی (۲ر جولائی ۱۸۵۷ء) کے بعد علما سے جو فتویٰ حاصل کیا تھا وہ اخبار الظفر دہلی اور اس کے حوالے سے صادق الاخبار دہلی کے ۲۶ر جولائی کے شمارے میں شائع ہوا ☆ ☆، اس پر دیگر علما کے ساتھ مولانا (فضل حق) کے دستخط نہیں ہیں -

---

☆ باغی ہندوستان، عبدالشاہد خاں شیروانی، ص: ۲۱۵، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء

☆☆ صادق الاخبار دہلی میں جو فتویٰ شائع ہوا، اس کی اشاعت کے تعلق سے بشمول مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مالک رام تمام محققین یہی لکھتے چلے آرہے ہیں کہ اس فتوے کی اشاعت ۲۶ر جولائی ۱۸۵۷ء کو ہوئی ہے، یہ درست نہیں ہے، یہ فتویٰ صادق الاخبار دہلی کی ۲۷ر جولائی ۱۸۵۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے -

اب تک جہاں کہیں بھی محققین اور مؤرخین نے اس فتوے کا ذکر کیا ہے یہ کہتے ہوئے صادق الاخبار کے حوالے سے کیا ہے کہ یہ پہلے اخبار الظفر دہلی میں چھپا اور پھر وہاں سے نقل کر کے صادق الاخبار میں اشاعت پذیر ہوا، مگر قابل ذکر ہے کہ اخبار الظفر دہلی کے اس شمارے کی تاریخ کا تعین کوئی بھی نہیں کر سکا ہے - **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

۲-منشی جیون لال کے بیان کے مطابق مولانا ۱۶/اگست ۱۸۵۷ء کو دربار میں شریک ہوئے گویا یہ فتویٰ مولانا (فضل حق) کے ورود دہلی سے پہلے مرتب ہو کر شائع ہوا، اس لیے اس پر ان کے دستخط نہیں تھے-(مولانا فضل حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتوئ جہاد، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: اگست ۱۹۵۷ء)

مولانا عرشی کے مذکورہ دونوں دلائل کے جوجوابات حکیم سید محمود احمد برکاتی نے دیے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱-یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ صادق الاخبار میں جو فتویٰ شائع ہوا تھا، کیا یہ وہی ہے؟ ہمارے خیال میں ایسا نہیں ہے، کیوں کہ بخت خاں نے جو فتویٰ حاصل کیا تھا ذکاءاللہ کے بقول اس میں لکھا تھا کہ ''مسلمانوں پر جہاد اس لیے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہوگئی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے'' اور اس فتوے میں اس سے ملتا جلتا یا اس

(**پچھلے صفحے کا بقیہ**) اس کی بنیادی وجہ یہ رہی کہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا دہلی میں دہلی اردو اخبار (اخبار الظفر) کے ۸ مارچ سے ۱۳/ستمبر ۱۸۵۷ء تک کے جو شمارے دستیاب ہیں ان میں درمیان کے پانچ شمارے غائب ہیں اور انہی شماروں میں سے کسی ایک میں مذکورہ فتوے کی اشاعت ہوئی ہے-لیکن اس مسئلے پر ذرا غور وفکر سے تاریخ کی تعیین آسانی سے ہو جاتی ہے-وہ اس طرح کہ صادق الاخبار کے ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء کے شمارے میں مذکورہ فتویٰ ''نقل استفتا از اخبار الظفر دہلی'' کے عنوان سے شائع ہوا، ''از دہلی اردو اخبار'' کے عنوان سے نہیں ہوا ہے اور یہ معلوم حقیقت ہے کہ دہلی اردو اخبار کا ہی نام بدل کر بادشاہ ہندوستان بہادر شاہ ظفر کے نام کی مناسبت سے ''اخبار الظفر'' کر دیا گیا-اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک یہ اخبار ''دہلی اردو اخبار'' کے نام سے شائع ہوتا رہا، یہ فتویٰ شائع نہیں ہوا بلکہ نام کی تبدیلی کے بعد ہوا اور نام کی یہ تبدیلی ۱۲/جولائی ۱۸۵۷ء کی اشاعت میں سامنے آئی-اس کے بعد مذکورہ فتویٰ اخبار الظفر کے حوالے سے ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء میں صادق الاخبار میں شائع ہوا-

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ ۱۲/جولائی سے ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کے درمیان اخبار الظفر کے کسی شمارے میں شائع ہوا تھا-یہ اخبار چونکہ ہفتہ واری تھا، اس لیے ۱۲/جولائی کے بعد ۱۹/اور پھر ۲۶ جولائی کے شمارے منظر عام پر آئے-اتفاق سے ۱۲/اور ۱۹/جولائی کے شمارے ہمارے پیش نظر ہیں جن میں یہ فتویٰ شامل نہیں ہے، اب باقی رہتا ہے ۲۶ جولائی کا شمارہ جو دستیاب نہیں ہے، کیونکہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا دہلی میں دہلی اردو اخبار (اخبار الظفر) کے وہ پانچ شمارے جو غائب ہیں ان میں سے ایک ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کا شمارہ بھی ہے اور یقینی طور پر یہ فتویٰ اسی شمارے میں شائع ہوا ہے-یعنی پہلے ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کو اخبار الظفر میں یہ فتویٰ چھپا اور پھر فتوے کی اہمیت کے پیش نظر ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء کو اخبار الظفر کے حوالے سے صادق الاخبار میں شائع ہوا-

مفہوم کا کوئی جملہ نہیں ہے-

۲-ذکاءاللہ نے لکھا ہے کہ ''مولوی محبوب علی اور خواجہ ضیاء الدین نے فتوے پر مہریں نہیں کیں''، جب کہ اس فتوے پر دونوں کے دستخط موجود ہیں-

۳-تحریک آزادی کے دوران ایک نہیں کئی فتوے حاصل کیے گئے تھے، دیگر فتووں کا ذکر سرسید اور ذکاءاللہ نے بھی کیا ہے، اس لیے بخت خاں نے جو فتویٰ حاصل کیا تھا وہ یہ نہیں کوئی اور تھا-

۴-مولوی ذکاءاللہ کے مطابق ''جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا تھا جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا''، سوال یہ ہے کہ وہ کون سا فتویٰ تھا جس کا چرچا بہت کم ہی سہی مگر تھا-

۵-ذکاءاللہ کے بقول بخت خاں والے فتوے میں یہ الفاظ تھے کہ ''اگر کافروں کو فتح ہوئی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے''، اور مولانا فضل حق نے بہادر شاہ کو متنبہ کرتے ہوئے جو فرمایا تھا اس کے الفاظ یہ تھے ''اگر انگریز جیت گئے تو نہ صرف خاندان تیموریہ بلکہ سب مسلمان نیست و نابود کر دیے جائیں گے'' دونوں الفاظ میں لفظی اور معنوی تطابق یہ بتاتے ہیں کہ بخت خاں کا حاصل کردہ فتویٰ جس کو علامہ نے دیا تھا وہ اس کے علاوہ تھا جو صادق الاخبار میں شائع ہوا-

۶-جیون لال کے یہ لکھ دینے سے کہ وہ ۱۶/اگست کو بہادر شاہ سے ملے تھے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ اس تاریخ سے پہلے دہلی میں نہیں تھے؟ اور یہ کیا ضروری ہے کہ مولانا جب بھی دربار میں آئے ہوں جیون لال ضرور لکھے، مثلاً ۱۹/اگست کو بھی عبداللطیف کے بیان کے مطابق مولانا بادشاہ سے ملے تھے مگر جیون لال کا روزنامچہ خالی ہے-

۷-حکیم احسن اللہ خاں کے روزنامچے کے مطابق مولانا نے ایک مجلس میں بادشاہ سے مجاہدین کے لیے رسد کی فراہمی کے لیے کہا، احسن اللہ خاں نے اس مجلس کی تاریخ نہیں لکھی ہے، مگر مولوی ذکاءاللہ نے اس مجلس کی تاریخ ۱۲/مئی بتائی ہے- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا جنگ کے آغاز سے ہی دہلی میں تھے-

(فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۶۸ تا ۶۷)

سیاق وسباق اور ظن وتخمین کی بنیاد پر حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کے ان جوابات سے یہ ثابت تو ہو جاتا ہے کہ اس معرکے میں کئی فتوے دیے گئے اور یہ فتویٰ وہ فتویٰ نہیں تھا جسے بخت خاں کے کہنے پر دیا گیا تھا اور جس پر علامہ خیرآبادی کے دستخط بھی تھے، لیکن دستاویزی ثبوت اس بات کی واضح تائید کرنے سے قاصر ہیں جس سے یہ وضاحت ہو سکے کہ علامہ نے کوئی فتویٰ جہاد دیا بھی تھا کیوں کہ اب تک نہ علامہ کے دیے ہوئے اس فتوے کا متن سامنے آسکا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی اہم دستاویزی ثبوت فراہم ہو سکا ہے- شاید اسی بنیاد پر مولانا عرشی اور مالک رام نے عجلت میں علامہ فضل حق کے فتویٰ جہاد کا انکار کر دیا-

ایک اہم دستاویز کی بازیافت: -راقم اس سلسلے میں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں ۱۸۵۷ء سے متعلق دستاویزات کی چھان پھٹک کر رہا تھا کہ اس میں علامہ کے فتویٰ جہاد کے تعلق سے ایک دستاویز ملا جو ٹونک کے نواب وزیرالدولہ☆ کی تحریر ہے جسے یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کو ریاست ٹونک کی جانب سے جاری کیا گیا ہے اور اس میں انگریزوں کے خلاف جہاد کو ناجائز قرار دیا گیا ہے- یہ تحریر علامہ کے فتویٰ جہاد اور معرکۂ ستاون میں ان کی بھرپور شرکت کے ثبوت میں محققین کے سامنے پہلی بار پیش ہو رہی ہے- اس تحریر کی عبارت یوں ہے:

> ''نواب نے (یہاں عبارت پڑھی نہیں گئی) کہا کہ جہاد انگریزوں پر درست نہیں ہے- بعد اس کے سب فوج سے کہا کہ میں نمک خوار انگریزوں کا ہوں، میں نمک حرام نہیں ہوتا اور تم میرے نمک خوار ہو، تم کو اختیار ہے کہ چاہو نمک حرام ہو جاؤ، چنانچہ اس بات پر پانچ سو آدمیوں نے نوکری چھوڑ دی''-

اس تحریر کے درمیان میں دیگر کچھ باتوں کے بعد لکھا ہے:

☆(۱۰) ریاست ٹونک نواب امیر خاں کی شجاعت اور اس دور کے سیاسی حالات کے نتیجے میں وجود میں آئی، دسمبر ۱۸۱۷ء میں انگریزی حکومت اور امیر خاں کے درمیان معاہدہ ہوا- معاہدے کے دیگر شرائط کے ساتھ امیر خاں کے بیٹے وزیرالدولہ نواب محمد وزیر خاں (م ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء) کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ انگریزی سرکار سے ملنا طے ہوا-

مولوی فضل حق شریک جلسہ (میٹنگ) ہوتے ہیں اور مشتمل بر بخت
خان کے محمد شفیع رسالدار، مولوی سرفراز علی خاں اور مولوی امداد علی
ساکن بلب گڈھ رسالدار ہیں اور جو کچھ بخت خاں کرتا ہے، ابتداء
میں ان (مولوی فضل حق) کے مشورے سے ہوتا ہے اور مولوی کی
اطاعت ظل شاہ دربار خاص میں ضروری سمجھی جاتی ہے''۔
(میوٹنی پیپرز، کلکشن :۱۶، نمبر:۱۲، ا/ستمبر ۱۸۵۷ء، نیشنل آرکائیوز آف
انڈیا، نئی دہلی)

اس تحریر سے حسب ذیل امور کا پتہ چلتا ہے:

(۱) اگر صادق الاخبار کے ۲۷/ جولائی والے فتوے کو جنرل بخت خاں والا فتوی مان لیا جائے (جو ۲۶/ جولائی کو اخبار الظفر میں چھپا) ظاہر ہے فتوی اس سے پہلے ہی دیا گیا ہوگا، ایسی صورت میں اس فتوے کی اشاعت کے ڈیڑھ پونے دو ماہ بعد نواب کا احتجاج کرنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، اس کا مطلب یہ فتوی کوئی اور فتوی تھا جو صادق الاخبار والے فتوے کے بعد منظر عام پر آیا۔

(۲) دہلی سے ٹونک کی مسافت محض ۲۲۲/ میل (۳۵۸/ کیلو میٹر) ہے، اس لیے فتوے کی خبر دہلی سے ٹونک تک پہنچنے میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ لگ سکتا تھا، مگر فتوے کے تعلق سے نواب کی احتجاجی تحریر ا/ستمبر ۱۸۵۷ء کو سامنے آتی ہے، اس سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ نواب کا احتجاج اس فتوے کے تعلق سے نہیں ہے جو صادق الاخبار میں چھپا۔

(۳) الثورۃ الہندیہ میں علامہ خیرآبادی کی اس تحریر: ''یہ تو سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ بعض شہر و دیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت علما، زہّاد اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر جدال و قتال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی'' ☆ سے صادق الاخبار والے فتوے کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ وہ فتویٰ معرکۂ ستاون کی ابتدا میں سامنے آیا جس میں علامہ کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔

☆الثورۃ الہندیہ (باغی ہندوستان) مولانا فضل حق خیرآبادی، ص:۳۵، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء

(۴) ۱۶؍اگست ۱۸۵۷ء کو جیون لال کا بیان ''مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے'' سے مولانا عرشی اور مالک رام کے استدلال کو اگر بالفرض صحیح مانتے ہوئے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ علامہ ۱۶؍اگست کو دہلی پہنچے تب بھی فتویٰ جہاد سے ان کی لاتعلقی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یکم ستمبر کو فتوے کے خلاف نواب کا احتجاج اس بات کا اشاریہ ہے کہ یہ فتوی یکم ستمبر سے ہفتہ دس دنوں پہلے سامنے آیا، جب علامہ دہلی میں موجود تھے۔

(۵) فتوے کی اہمیت اس قدر تھی اور اس سے اتنی ''شورش'' بڑھ گئی تھی کہ جب نواب نے اپنی فوج کو جہاد سے روکنے کی کوشش کی تو پانچ سو آدمیوں نے نوکری چھوڑ دی۔

(۶) فتوی جہاد کے خلاف اس احتجاجی تحریر میں علامہ کا اس حیثیت سے ذکر آنا کہ بخت خاں جو کچھ کرتا ہے انہی کے مشورے سے کرتا ہے اور ان کی اطاعت بادشاہ کے دربار میں بھی ضروری سمجھی جاتی ہے، اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ مذکورہ فتوے کے اجرا میں بخت خاں سے علامہ کی مشاورت اور شرکت دونوں تھی۔

نواب آف ٹونک کی اس تحریر سے مستفاد مذکورہ تمام کڑیوں کو جوڑا جائے تو عبدالشاہد خاں شیروانی کے اس دعوے کی تائید وتوثیق ہوتی ہے:

> ''علامہ (فضل حق) سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے، مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا، بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی، استفتا پیش کیا۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ صدرالصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی، سید مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی، دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی''۔
>
> (باغی ہندوستان، ص: ۲۱۵)

نواب کی تحریر اور مولانا شیروانی کے دعوے میں بہت حد تک لفظی ومعنوی تطابق پایا جاتا ہے، اس لیے لامحالہ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ علامہ خیرآبادی نے معرکۂ ستاون میں جنرل

بخت خاں کے مشورے سے جہاد کا فتوی دیا، جو صادق الاخبار والے فتوے کے بعد منظر عام پر آیا اور جس سے ملک گیر سطح پر شورش بڑھ گئی-

مالک رام کا مقدمہ:-مولانا امتیاز علی عرشی کا مذکورہ مضمون (مشمولہ ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ اگست ۱۹۵۷ء) کے شائع ہونے کے بعد علامہ فضل حق خیرآبادی کے فتویٔ جہاد کے تعلق سے کئی محققین کا زاویۂ نظر بدل گیا-ان محققین میں معروف نقاد مالک رام صاحب بھی تھے- اتفاق سے انہی دنوں انہیں علامہ کے مقدمے کی مسل حکومت کے پرانے کاغذات میں کہیں دستیاب ہوگئی-مولانا عرشی کے مضمون کے مطالعے سے ان کا قبلۂ فکر تو تبدیل ہو ہی چکا تھا، مقدمے کے مسل کی دستیابی نے انہیں اس نتیجے پر پہنچا دیا کہ

> ''جب یہ ہنگامہ شروع ہوا تو وہ (مولانا فضل حق) عملاً اس سے الگ تھلگ رہے، نہ علمی پہلو سے اس میں شریک ہوئے، نہ عملی لحاظ سے، انہوں نے نہ کوئی فتویٰ لکھا، نہ تلوار اٹھائی-'' (مولانا فضل حق خیرآبادی، از مالک رام، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: جون ۱۹۶۰ء)

چونکہ مالک رام صاحب نے اس تعلق سے اپنا مضمون ''مولانا فضل حق خیرآبادی'' (مشمولہ ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ جون ۱۹۶۰ء) لکھنے سے قبل منفی رخ سے ذہن تیار کر لیا تھا، اس لیے اپنی دیرینہ روایات کے خلاف اپنے گرد و پیش پر قطعاً نگاہ نہیں ڈالی اور عجلت میں علامہ کی معرکۂ ستاون میں شرکت کے انکاری ہو گئے-لطف کی بات یہ ہے کہ جس مقدمے کو بنیاد بنا کر انہوں نے معرکۂ ستاون میں علامہ کی عدم شرکت کا فیصلہ سنایا ہے، اسی مقدمے سے ان کی شرکت کی بھرپور تائید ہوتی ہے- افسوس کہ اس غلط انداز تحقیق نے ۱۸۵۷ء کے ایک مجاہد کی قربانیوں کو ہزاروں کی نگاہ میں مشکوک بنا دیا- یہاں اسی کے ازالے کے لیے مالک رام کی تحقیق کا جائزہ لیا جا رہا ہے-

مقدمے کی روداد سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ کو ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو گرفتار کیا گیا اور لکھنؤ میں مقدمہ چلایا گیا-گرفتاری کے تین ہفتے کے بعد کیپٹن ایف اے وی تھربرن (F.A.V. Thurburn) کی عدالت میں ۲۱ فروری ۱۸۵۹ء کو مقدمہ شروع ہوا-استغاثہ اور صفائی

کے پانچ پانچ گواہوں کے بیانات کے بعد ۲۸ر فروری ۱۸۵۹ء کو کیپٹن تھربرن نے فرد جرم مرتب کر کے مقدمہ جوڈیشیل کمشنر اودھ کی عدالت میں منتقل کر دیا- جوڈیشیل کمشنر مسٹر جارج کیمبل (G. Cambell) اور میجر بارو(Barrow) قائم مقام کمشنر خیرآباد ڈویژن کی مشترکہ عدالت سے ۴ر مارچ ۱۸۵۹ء کو فیصلہ صادر کیا گیا-

مقدمے میں فیصلے کی تفصیل اس طرح ہے:

''مولوی فضل حق پر الزام یہ تھا:

الزام: بغاوت اور قتل پر انگیخت

تشریح: (۱) وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران باغی سرکار کی حیثیت میں بغاوت کا سرغنہ رہا اور دہلی اور اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی-

تشریح: (۲) اس نے بونڈی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں باغی سرغنے ممو خاں کی مجلس مشاورت میں نمایاں حصہ لیا-

تشریح: (۳): اس نے بونڈی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں ایک سرکاری ملازم عبدالحکیم کو قتل کرنے کی ترغیب دی-

ملزم نے جرم سے انکار کیا اور سماعت شروع ہوئی-

عدالت کے سامنے ملزم مندرجہ ذیل امور میں مجرم ثابت ہوا-

(۱) ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء میں اس نے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا-

(۲) ۱۸۵۸ء میں بونڈی کے مقام پر اس نے باغیوں کے، جو وہاں پڑاؤ ڈالے جمع تھے اور بالخصوص باغی سرغنے ممو خان کے مشوروں میں خاص سرگرمی دکھائی- ان ہی ایام میں اس نے ایسے فتوے دیے جن کا مقصد قتل کی ترغیب دینا تھا-

۴ر مارچ ۱۸۵۹ء کو اسے بطور شاہی قیدی حبس حیات حبس بعبور دریائے شور اور اس کی تمام جائیداد کی ضبطی کی سزا دی گئی-''

(مسل مقدمہ مولوی فضل حق، مشمولہ مولانا فضل حق خیرآبادی، از مالک رام، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: جون ۱۹۶۰ء)

اس مقدمے کی تفصیل پیش کرنے کے بعد مالک رام صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''مولانا فضل حق کے سیرت نگاروں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''مولانا فضل حق پر مقدمہ سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتویٔ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت کی بنا پر قائم ہوا-'' آپ نے اوپر مقدمہ کی پوری روداد پڑھ لی اور فرد جرم بھی دیکھ لی- اس سے معلوم ہوگا کہ اس دعویٰ کی تینوں شقیں ٹھیک نہیں، بنائے مقدمہ ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں تھی یا کم از کم وہ واقعات نہیں تھے، جن کی طرف اس دعوے میں اشارہ کیا جاتا ہے اور یقیناً انہوں نے کوئی ایسا فتویٰ نہیں دیا تھا، جس میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی گئی ہو-'' (مولانا فضل حق خیرآبادی، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: جون ۱۹۶۰ء)

علامہ کی سلطنت مغلیہ سے وفاداری یا فتویٰ جہاد یا عام بغاوت کے سلسلے میں معاصر روزناموں اور دستاویزی ثبوت سے قطع نظر، صرف ان کے مقدمے کی پوری کارروائی کو غور سے پڑھ لیا جائے تو معرکۂ ستاون میں ان کی شرکت کی ساری گرہیں کھلتی ہوئی نظر آئیں گی- سب سے پہلے تو علامہ پر جو الزامات عائد کیے گئے ان کی پہلی شق ہی کو لے لیں- وہ یہ ہے:

> ''وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران باغی سرکار کی حیثیت میں بغاوت کا سرغنہ رہا اور دہلی اور اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی-''

اس شق میں علامہ خیرآبادی دہلی کے اندر سلطنت مغلیہ کے ساتھ بغاوت میں شریک رہے اور علامہ پر یہ الزام ثابت بھی ہوا- دہلی میں باغی سرکار کی حیثیت سے شرکت کا واضح مطلب ہے کہ وہ مغلیہ سلطنت اور بادشاہ کے وفادار تھے، کیوں کہ یہ جنگ بادشاہ کی قیادت

میں لڑی جا رہی تھی۔

اس کے بعد مقدمے کے ''نقل فیصلہ'' میں عدالت نے علامہ کے تعلق سے جو تفصیل لکھی ہے، اس میں علامہ کی سلطنت مغلیہ سے وفاداری کا مزید ثبوت بھی ہے، فتوی جہاد اور عمومی بغاوت کا ثبوت بھی۔ اس ''نقل فیصلہ'' کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

> ۱۔ دہلی سے اس کے پرانے تعلقات کے باعث وہاں کے حکام سے بھی اس سے متعلق استصواب کیا گیا تو کمشنر دہلی نے اس کے جو حالات تحریر کیے، ان سے معلوم ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بھی اس کی سرگرمیاں بعینہٖ اسی قسم کی (باغیانہ) تھیں۔
>
> ۲۔ دہلی میں بھی اس کا یہی کام تھا اور اودھ میں بھی اس نے اپنی یہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔
>
> ۳۔ بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ الور میں ملازم تھا۔ یہاں سے وہ دیدہ و دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدم چلتا رہا۔
>
> اس کے بعد علامہ کے سیرت نگاروں کا یہ دعویٰ کیا غلط ہے کہ ان پر مقدمہ ''سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتوئ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت کی بنا پر قائم ہوا۔''

دراصل مولانا عرشی کے مضمون کو پڑھ کر مالک رام صاحب کا ذہن منفی تو بن ہی چکا تھا مزید انہوں نے جب یہ دیکھا کہ مقدمے میں جو الزامات عائد کیے گئے ہیں ان میں جس بغاوت کا ذکر ہے اس کا تعلق بوندی کے مقام سے ہے جہاں وہ مموخاں کے مشیر کی حیثیت سے باغیانہ کردار ادا کر رہے تھے، اس کے علاوہ مقدمے میں جس فتوے کا ذکر ہے اس کا تعلق سرکاری ملازم عبدالحکیم کے قتل کی ترغیب سے ہے۔ ان ظواہر نے ان کے منفی ذہن کو مزید صیقل کر دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کو اپنا فیصلہ (معرکۂ ستاون میں علامہ کی عدم شرکت کا) سنانے سے قبل علامہ پر الزامات کی پہلی شق پر ان کی نظر ضرور ٹھہرتی اور ''نقل فیصلہ'' کے

مذکورہ اقتباسات انہیں اپنا فیصلہ بدلنے پر ضرور مجبور کرتے۔

ایک اہم سوال: اب رہ گیا یہ سوال کہ جب علامہ کی سلطنت مغلیہ سے وفاداری، فتویٰ جہاد اور عام بغاوت کا جرم مقدمے کے مذکورہ اقتباسات میں درج ہے تو پھر ان بنیادوں پر مقدمہ کیوں نہیں چلا؟

اس کا اطمینان بخش جواب اسی مقدمے میں درج ہے:

''جہاں تک قیام دہلی کے زمانے میں اس (فضل حق) کے چال چلن کا تعلق ہے، وہاں کے گواہ عدالت کے سامنے نہیں، نہ ملزم کو ان گواہوں پر جرح کرنے اور عائد کردہ الزامات کی جواب دہی کا موقع دیا گیا ہے۔'' (مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

علامہ کی دہلی کی سرگرمیوں کے تعلق سے عدالت کو جب گواہ ہی میسر نہ تھے تو پھر ان سرگرمیوں کو عدالت میں زیر بحث کیسے لایا جا سکتا تھا؟ اور دہلی میں دیے گئے علامہ کے فتوے کا ذکر کیسے آ سکتا تھا؟ تاہم دہلی میں علامہ کی باغیانہ سرگرمیاں معروف اور نمایاں تھیں اس لیے اجمالی طور پر مقدمے میں اودھ میں ان کی باغیانہ سرگرمیوں کے ساتھ یہ الزام عائد کیا گیا کہ:

''وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء میں باغی سرکار کی حیثیت میں دہلی میں بغاوت اور قتل میں مدد دی۔''

اس میں ''بغاوت'' ایک وسیع المعنی لفظ ہے جس میں ساری چیزیں آ گئیں، اس الزام میں ''باغی سرکار کی حیثیت میں'' ذکر کر کے واضح طور پر ان کی مغلیہ سلطنت سے وفاداری تو بتا ہی دی گئی، کیوں اگر کوئی باغی سرکار (کمپنی) ہے تو مغلیہ سلطنت کا وفادار ہوگا، رہا فتویٰ جہاد تو وہ بھی بغاوت کے اندر شامل ہے، جس کی طرف اشارہ ''قتل میں مدد دی'' کے ذریعے کیا گیا ہے۔

الزامی جواب:- مولانا عبدالشاہد شیروانی نے اپنی کتاب ''باغی ہندوستان'' میں علامہ کے مقدمے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ عدالت کا فیصلہ آپ نے کمال مسرت اور خندہ پیشانی سے سنا-''
(باغی ہندوستان،ص:۲۱۵)

اس پر مالک رام لکھتے ہیں کہ:

''اگر انہوں نے یہ فیصلہ ''مسرت اور خندہ پیشانی'' سے سنا تھا تو اس کی یہی توجیہ ہوسکتی ہے کہ جو الزام ان پر لگائے گئے تھے، ان کے نزدیک وہ صحیح تھے.......... (جب کہ) وہ بار بار حکومت سے درخواست کرتے ہیں،خود بھی لکھتے ہیں اور دوسروں سے بھی لکھواتے ہیں کہ میں بے گناہ اور مظلوم ہوں-'' ....اگر انہوں نے فیصلہ ''مسرت اور خندہ پیشانی'' سے سنا ہوتا تو کیا ان کا یہی رویہ ہوتا-''
(مولانا فضل حق خیرآبادی، ماہنامہ تحریک دہلی،شمارہ: جون۱۹۶۰ء)

اصل میں معرکۂ ستاون کی ناکامی کے بعد انگریزوں کے مظالم کا جو دور شروع ہوا، اس نے بڑے بڑوں کے حوصلے پست کر دیے- ایسے پرآشوب حالات میں معرکہ ستاون کی کئی قدآور شخصیتوں نے انگریزی قہر سے محفوظ رہنے کے لیے خلاف واقعہ اپنی بے گناہی اور مظلومیت کا بیان دیا- ان میں سب سے بڑی مثال بادشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کی ہے، جنہوں نے اپنے مقدمے کے دوران ۹/مارچ ۱۸۵۸ء کو ۲۱ویں روز کی عدالتی کارروائی میں اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی صفائی کے لیے عدالت کو اپنا تحریری بیان دیا، جس میں انہوں نے ایک بار نہیں بار بار اس بات کو دہرایا کہ بغاوت میں ان کا کوئی کردار نہیں ہے، انہیں باغی سپاہیوں نے مجبور و بےبس اور مقید کر دیا تھا-

بہادر شاہ نے اپنی بےخبری اور مظلومیت کی داستان عدالت کو اس طرح بتائی:

۱- اصل حقیقت یہ ہے غدر کے روز کی مجھے پہلے سے خبر نہیں تھی-

۲- باغی سپاہی دیوان خاص میں گھس آئی........ مجھے چاروں طرف سے گھیر کر پہرہ متعین کر دیا، میں نے ان کا مطلب دریافت کیا اور چلے جانے کے لے کہا، جس کے جواب میں انہوں نے خاموش

کھڑے رہنے کو کہا.........خوف کھا کر کہیں میں نہ قتل کر دیا جاؤں
میں نے منہ سے اف تک نہ کی اور چپ چاپ اپنے کمرہ میں چلا
گیا-

۳-شام کے وقت یہ نمک حرام (باغی فوجی) کچھ انگریز مرد و عورت
کو گرفتار کر کے لوٹے.........اور ان کے قتل کا قصد کرنے لگے- میں
نے باز رہنے کی درخواست کی..........آخری وقت اگر چہ میں مفسد
بلوائیوں کو حتی المقدور باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا، مگر ان بے چاروں کو
قتل کرنے باہر لے گئے-

۴- میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو میرا گواہ ہے کہ میں نے مسٹر
فریزر یا اور کسی انگریز کے قتل کا حکم نہیں دیا-

۵-میری مہر کی ثبت شدہ اور دستخط کیے ہوئے احکام کی نسبت معاملہ
کی اصل حالت یہ ہے کہ جس روز سے سپاہ آئی انگریزی افسروں کو
قتل کیا اور مجھے مقید کر لیا، میں ان کے اختیار میں رہا-

۶- بدون میرے حکم کے جس نے جتنے احکام چاہے لکھ لیے اور مجھے
ان کے خلاصہ تک سے اطلاع نہیں کی جاتی تھی-

۷-یہ سپاہ ہی تھی جس نے جو چاہا کیا، میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا-

(بہادر شاہ کا مقدمہ، ص: ۲۹۵ تا ۲۹۸)

مقدمے کے دوران بادشاہ کے ان بیانات سے مالک رام اور ان جیسے نامور محققین
کو علامہ خیرآبادی کی طرح بادشاہ کے لیے بھی یہی فیصلہ دینا چاہیے کہ

''جب یہ ہنگامہ شروع ہوا تو بادشاہ عملاً اس سے الگ تھلگ رہے، نہ
علمی پہلو سے اس میں شریک ہوئے، نہ عملی لحاظ سے-''

لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے، کیوں کہ پھر انہیں معرکۂ ستاون کا ایسا مرکزی بت تراشنا
ہوگا، جس کے آگے سارا ہندوستان سجدہ ریز تھا-سچائی یہ ہے کہ بادشاہ کا یہ بیان حقائق پر مبنی

نہیں تھا، بلکہ پیران فلک کی ستم کوشیوں سے بچنے کی ایک ناکام کوشش تھی- جب بادشاہ کے اس بیان پر انہیں معرکۂ ستاون کی قیادت سے الگ نہیں کیا جاسکتا تو پھر مقدمے کے دوران علامہ خیرآبادی کے بیان کو معرکۂ ستاون میں ان کی عدم شرکت کے دلیل میں کیوں کر پیش کیا جاسکتا ہے؟

اس سلسلے میں حکیم سید محمود احمد برکاتی کے اس اقتباس کو خلاصۂ بحث کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے:

> ''جہاد تو مولانا کی حیات کا صرف ایک رخ تھا ورنہ ایک مفکر، متکلم، ادیب، منطقی اور فلسفی کی حیثیت سے کئی عظیم المرتبت کتابوں کے مصنف کی حیثیت سے وہ تاریخ ملت کے ایک لازوال و لافانی اور بے مثال و بے نظیر شخص تھے- جہاد ان کی کلاہِ افتخار کا واحد ہیرا نہیں تھا- اگر معاصر مآخذ سے یہ مواد فراہم نہ ہوتا جو ہوا تو آپ مجھے بھی جناب مالک رام کا ہم نوا پاتے- مولانا فضل حق نے عدالت کے سامنے اپنی بے گناہی کے سلسلے میں جو کچھ کیا اور اپنی رہائی کے لیے جو کچھ کہا، صاف کہتا ہوں کہ یہ خلافِ عزیمت فعل تھا اور حیات فضل حق میں یہ ورق کاش سیاہ ہو جاتا- مانا کہ کئی مجاہدین نے بھی یہی کیا، مگر کاش مولانا فضل حق اپنے شاگرد کے شاگرد مولانا معین الدین اجمیری کی طرح اپنے جرم کا اعتراف فرما لیتے-''
>
> (فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۱۷)



فضل حق خیرآبادی اور سید فضل حق رام پوری

علامہ فضل حق خیرآبادی اور مولوی سید فضل حق شاہجہانپوری ثم رام پوری ایک ہی عہد کے تھے- ہم نام ہونے کے علاوہ سید فضل حق رام پوری رام پور اور بریلی میں انگریزی سرکار کی مختلف ملازمتوں میں رہے اور جنگ آزادی میں عملی شرکت بھی کی- اس یکسانیت نے علامہ خیرآبادی کے ناقدین کو یہ کہنے کا سنہری موقع فراہم کر دیا کہ علامہ پر معرکۂ ستاون میں جن باغیانہ سرگرمیوں کے حوالے سے الزامات عائد کیے گئے وہ سرگرمیاں دراصل ان کی نہیں بلکہ مولوی سید فضل حق رام پوری کی تھیں، اس سلسلے میں علامہ بے قصور تھے- ہم نامی کے اس قصے کو علامہ کے اکثر ناقدین نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے اور اسے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں علامہ کی عدم شرکت کے ثبوت میں پیش کیا ہے- ناقدین کی طرف سے اس سنگین الزام کے اعادے کے باجود اب تک اس پہلو سے تفصیلی جائزہ نہیں لیا گیا ہے، یہاں علامہ کی حیات اور ان پر عائد کردہ ہم نامی کے اسی الزام کا تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کی جا رہی ہے-

محققین کے اس خیال کی تحقیق و تفتیش سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مولوی سید فضل حق رام پوری کون تھے- احمد علی خاں شوق نے ''تذکرۂ کاملان رام پور'' میں ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

> ''ولد سید عبداللہ عرف ننھے میاں از اولاد حضرت سید عبدالرزاق خلف اکبر حضرت شیخ جیلانی علیہ الرحمہ- رامپور میں جناب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں پیدا ہوئے، کتب فارسی و عربی مولوی

عبداللہ ومولوی عبدالرحمٰن اولاد مولانا مدن وسدن شاہجہانپوری سے
پڑھیں، سید شاہ سیادت علی صاحب نبیرہ سید عبدالرزاق صاحب
بانسوی قدس سرہ سے بیعت تھے، بڑے پرہیز گار اور برگزیدہ
تھے، تمام عمر کسی نے ان کے جسم کو برہنہ نہیں دیکھا-نواب جنت
آرام گاہ کے عہد میں نائب سرشتہ دار محکمہ صدر تھے، پھر بریلی کی
کمشنری کے سرشتہ دار ہوگئے، ایام غدر میں پیلی بھیت یا بھیڑی میں
تحصیل دار تھے، اسی زمانے میں بہ نیت جہاد مرزا فیروز شاہ کے
شریک ہوگئے، نواب فردوس مکاں نے ہر چند چاہا کہ رامپور چلے
آئیں، آپ نے یہ عرض کیا کہ اب تو تمنائے شہادت ہے، چنانچہ
جھانسی میں شہید ہوئے، کوئی اولاد ذکور نہ تھی-''

(تذکرۂ کاملان رامپور، ص: ۳۲۰/۳۲۱)

محققین کا مقدمہ: ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ اگست ۱۹۵۷ء میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے ایک مضمون بنام ''مولانا فضل حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتوئ جہاد'' لکھا، جس میں چند دلائل کے ذریعے پہلی بار یہ دعویٰ کیا کہ علامہ خیرآبادی نے جنگ آزادی میں انگریزی سرکار کے خلاف جہاد کا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا-اس دعوے کے ساتھ انھوں نے بالواسطہ معرکۂ ستاون میں علامہ کی عدم شرکت پر بھی سوالیہ نشان کھڑا کیا-اس کی دلیل انھوں نے یہ دی کہ انھیں رضا لائبریری رامپور میں نواب یوسف علی خاں والی رام پور کے نام علامہ خیرآبادی کی ایک عرضی ملی ہے، جس میں علامہ نے اپنی مظلومیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولوی سید فضل حق رام پوری کی باغیانہ سرگرمیاں میرے سر تھوپ دی گئی ہیں، دراصل میں بے قصور ہوں-اس قضیے میں مولانا عرشی نے علامہ کی مذکورہ عرضی کا فارسی متن پیش کرنے کے بعد جو نمبروار نتائج برآمد کیے ہیں، ان میں سے کچھ ضروری یہ ہیں:

''۱-مولانا خیرآبادی نے ابتلاء کے سلسلہ میں نواب رام پور کو تین خط
لکھے تھے، چونکہ آخری خط میں ان سے مدد کی خواہش کی گئی ہے، اس

لیے قیاس یہ ہے کہ پہلے دو خطوں میں بھی اسی قسم کی تمنا کا اظہار کیا گیا ہوگا۔

۲-مولانا (فضل حق خیرآبادی) پر حسب ذیل تین الزام عائد کیے گئے تھے: (الف) نواب خان بہادر خان، نبیرۂ حافظ رحمت خاں بہادر نے جب انگریزوں کے خلاف بریلی میں بغاوت کی تو مولانا نے ان کا ساتھ دیا اور ان کی طرف سے نظامت پیلی بھیت کا کام انجام دیا۔ (ب) جب انگریزوں نے بریلی فتح کر لی تو مولانا یہاں سے بھاگ کر اودھ پہنچے اور خان علی خان کی طرف سے ریاست محمدی کے چکلہ دار مقرر ہوئے۔ (ج) مولانا نے اس کے بعد ایک باغی لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔

۳-مولانا پر جو مذکورہ بالا الزام لگائے گئے تھے، یہ دراصل میر فضل حق شاہجہان پوری کے کارنامے تھے، مولانا ان سے بری الذمہ تھے۔

۵-اگر کسی طرح ان الزاموں کا غلط ہونا یعنی ان جرموں کا میر فضل حق شاہجہان پوری سے تعلق ثابت ہو جاتا تو مولانا بری ہو جاتے۔''

(مولانا فضل حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: اگست ۱۹۵۷ء)

ان نتائج کا ذکر کرنے کے بعد مولانا عرشی نے اپنا فیصلہ یوں سنایا ہے:

''ان امور کے پیش نظر یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ مولانا خیرآبادی پر تحریر فتویٰ کا الزام عائد نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان پر غدر دہلی سے متعلق کوئی الزام بھی نہ لگا تھا اور جو الزام عائد کیے گئے تھے وہ دراصل دوسرے مولوی فضل حق کے کام تھے۔'' (مرجع سابق)

اس سلسلے میں مولانا غلام رسول مہر کا موقف بھی یہی ہے، وہ کہتے ہیں:

''مولانا فضل حق خیر آبادی جن پر غلطی سے ایک ہم نام کے دھوکے میں مقدمہ قائم ہوا اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ملی۔''

(خطوط غالب، جلد دوم، ص:۶۱۲)

مولانا عرشی کے اس فیصلے کو شمیم طارق نے بھی اپنے اسلوب میں کچھ اس طرح دہرایا:

''نام اور عہدے میں مشابہت کے سبب انہیں (مولانا خیر آبادی) کو گرفتار کیا گیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والے ایک اور صاحب تھے جن کا نام مولوی سید فضل حق تھا۔ یہ فضل حق شاہجہانپوری ثم رام پوری کے نام سے مشہور ہیں ۔جس وقت عدالت میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے مقدمے کی سماعت چل رہی تھی اس وقت کے اخبارات میں مولوی سید فضل حق کی مجاہدانہ سرگرمیاں اور انگریزوں کے خلاف مزاحمت کی خبریں بھی جگہ پا رہی تھیں، یہی نہیں مولوی سید فضل حق کی مجاہدانہ سرگرمیاں مولانا فضل حق خیر آبادی کے سر منڈھ دی گئی تھیں جس کے سبب انہیں کالے پانی کی سزا سنائی گئی تھی۔'' (غالب اور ہماری تحریک آزادی، ص:۳۵)

معرکۂ ستاون میں علامہ کی عدم شرکت کے ثبوت میں پیش کردہ مولانا عرشی کے مذکورہ خط کا مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے اختصار کے ساتھ جواب دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''یہ عرضی (خط) رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے، میری دیکھی ہوئی ہے، نہ علامہ کا رسم الخط ہے، نہ طرز بیان اور نہ ہی اس پر دستخط ہیں۔ آخر دستخط کرنے میں کیا چیز مانع تھی؟ اصل چیز دستخط ہوتے ہیں ،مہر تو تائید میں ہوتی ہے، پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ۱۸؍دن میں علامہ نے تابڑتوڑ ۳؍عرضیاں روانہ کیں، جن میں سے دو بقول عرشی صاحب ضائع ہوگئیں، یہ تیسری اور آخری عرضی ہاتھ لگی۔ ریاستی محافظ خانہ کی داد دیجیے کہ اس نے ایک عرضی جناب عرشی

صاحب کی تعمیر عمارت کے لیے سنگ بنیاد بنا کر محفوظ رکھی۔''

(باغی ہندوستان،ص:۲۶۷)

عرضی کے سلسلے میں مولانا شیروانی کا یہ شک اس حیثیت سے قابل اعتنا ہے کہ وہ نہ صرف علامہ کے اولین سوانح نگار اور محقق ہیں بلکہ ان کے رسالۂ غدر یہ اور قصائد کے مترجم اور مکتب خیر آباد کے خوشہ چیں بھی ہیں،اس حیثیت سے وہ علامہ کے اسلوب تحریر،طرز بیان اور رسم الخط کے شناسا ہیں، پھر اس اہم عرضی پر علامہ کا دستخط نہ ہونا بھی محل نظر ہے۔لیکن اس عرضی کو دلیل بنا کر مولانا عرشی، مالک رام اور ان کے متبع محققین نے جو شعوری نتائج برآمد کیے ہیں، محض مولانا شیروانی کے اس جواب سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا،اس لیے اس سلسلے میں کچھ باتیں عرض ہیں:

ہماری معروضات:

پہلا معروضہ: ۱۰رمئی ۱۸۵۷ء سے آزادی وطن کے لیے ہندوستانیوں نے اپنی مزاحمت کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ ستمبر ۱۸۵۷ء تک زور وشور سے چلتا رہا،لیکن انہیں ہر محاذ پر شکست ہوئی۔انگریزی سرکار جب ہر محاذ پر غالب آ گئی تو نومبر ۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے ''عام معافی'' کا اعلان شائع کیا گیا جس میں ۳۰ر دسمبر ۱۸۵۸ء تک کی مہلت دی گئی کہ جو باغی سرکار بھی اس مدت تک ہتھیار ڈال دے گا اس پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا اور نہ سزا دی جائے گی۔جیسا کہ اولین مأخذ سے معلوم ہوا کہ علامہ بھی دہلی اور اودھ میں اپنی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے،لیکن اپنی پسپائی کے بعد استخلاص وطن سے مایوس اور مستقبل کے سلسلے میں متحیر تھے کہ ان کی نظر سے ''اعلان معافی'' گزرا اور وہ اس وعدے اور اعتماد پر اپنے گھر خیر آباد لوٹ آئے۔خیر آباد پہنچ کر علامہ ۲۶ر دسمبر کو کرنل کلارک سے ملے، کرنل نے انہیں ڈپٹی کمشنر کی تحویل میں دیے جانے کا حکم دیا۔ ۳۰ر دسمبر کو علامہ ڈپٹی کمشنر سے مل کر اپنے گھر میں نظر بند رہے اور پھر ۳۰رجنوری ۱۸۵۹ء کو انہیں گرفتار کر کے لکھنؤ روانہ کر دیا گیا جہاں ۲۲ر فروری کو مقدمہ پیش ہوا۔

علامہ ''اعلان معافی'' کے پیش نظر اپنے گھر لوٹے تھے اس اعتماد کے ساتھ کہ انہیں

گرفتار نہیں کیا جائے گا، نہ ان پر مقدمہ چلایا جائے گا اور نہ سزا سنائی جائے گی، مگر اس اعلان معافی کے برعکس سب کچھ ہوا- اس وعدہ خلافی پر اپنے کرب کا اظہار علامہ نے متعدد جگہوں پر کیا ہے- ۹ر جنوری ۱۸۶۰ء کو انڈمان سے انہوں نے وزیر ہند کے نام ولایت میں رہائی کی ایک درخواست بھیجی، اس میں فرماتے ہیں:

''میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا اور صرف اسپیشل کمشنر کے فیصلے کی اور حکومت ہند سے اپنی درخواست کی نقلیں ملفوف کرتا ہوں، انہی سے معلوم ہو جائے گا کہ مجھ پر مقدمہ چلانے، میرا جرم ثابت کرنے اور پھر مجھے سزا دینے میں حضور ملکۂ معظّمہ کا اعلان کی منشا کی خلاف ورزی کی گئی ہے-'' (نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی، فارن پولیٹیکل ستمبر ۱۸۶۰ء، نمبر ۵۵۶ بحوالہ: مولانا فضل حق خیرآبادی، از مالک رام، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: جون ۱۹۶۰ء)

آگے فرماتے ہیں:

''ملکۂ معظّمہ کے اعلان میں آخری تاریخ دسمبر ۱۸۵۸ء مقرر کی گئی تھی- اس میعاد کے گزرنے سے پہلے ہی میں سیتاپور کے اعلیٰ فوجی افسر کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور ان سے اس مفاد کی سند بھی حاصل کر لی- اس کے بعد میں انہی کی زیر ہدایت اپنے مکان پر خیرآباد چلا آیا اور یہاں پہنچ کے میں نے وہ سند خیرآباد کے ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں داخل کرا دی- جنوری ۱۸۵۹ء میں مجھے زیرِ حراست لکھنؤ لائے اور یہاں مجھ پر مقدمہ قائم ہوا اور مارچ میں میرے خلاف فیصلہ ہوا-'' (مرجع سابق)

''اعلان معافی'' کے برخلاف علامہ پر کارروائی کیے جانے پر انہوں نے اپنے ''قصیدہ دالیہ'' میں بھی اشعار نمبر ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹ اور ۴۰ کے تحت یوں اپنے غم و غصے کا اظہار کیا:

''۳۶- جب ملکہ نے دیکھا کہ کوئی جنگ کا خواست گار دشمن، باغی

اور سرکش باقی نہیں رہا-

۳۷-تو اپنے قول سے پھر گئی اور دشمنی پر اتر آئی، کوئی اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور عہد و میثاق کی رسیوں کو کاٹ دیا-

۳۸- پہلے وعدہ کر کے لوگوں کو آرزو مند بنا دیا- پھر عداوت وظلم سے کام لیا- دراصل اس کا وعدہ، وعید کے لیے مکر تھا-

۳۹-اس کافرہ کے جھوٹے وعدوں اور قسموں سے دھوکے میں پڑ کر میں بھی اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ آیا-

۴۰- ہمارے ساتھیوں میں دوسرے روپوش لوگ بھی واپس آ گئے، مگر نصاریٰ نے صرف مجھی کو قید میں ڈال دیا-''

(الثورۃ الہندیہ (باغی ہندوستان) ص:۱۱۱)

علامہ نے اسی غصے کا اظہار ''رسالہ غدریہ'' میں بھی کیا ہے☆

اس تفصیل کے بعد مذکورہ ناقدین سے چند سوالات قائم کیے جا سکتے ہیں:

(الف) علامہ خیرآبادی نے معرکۂ ستاون میں جب عملی وفکری شرکت ہی نہیں کی تھی بلکہ ساری باغیانہ سرگرمیاں مولوی سید فضل حق سے متعلق تھیں تو پھر ''اعلان معافی'' سے علامہ کا کیا تعلق تھا؟

(ب) سارے جرم جب مولوی سید فضل حق رام پوری کے تھے اور اعلان معافی ایسے باغیوں کے لیے تھا تو علامہ بار بار یہ کیوں کہتے ہیں کہ ''مجھے سزا دینے میں حضور ملکہ معظّمہ کے اعلان کی خلاف ورزی کی گئی ہے؟''

(ج) جب علامہ نے جنگ میں حصہ ہی نہیں لیا تھا تو پھر ان کا اپنے وطن پہنچ کر اعلان معافی کی معیاد گزرنے سے پہلے ہی سیتا پور کے اعلیٰ فوجی افسر کی خدمت میں حاضر ہونے، ان سے مفاد کی سند حاصل کرنے، ان کی زیر ہدایت اپنے مکان میں رہنے اور سند مفاد کو ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں داخل کرنے کا کیا جواز بنتا ہے؟

☆الثورۃ الہندیہ (باغی ہندوستان) مولانا فضل حق خیرآبادی، ص:۳۷۷، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء

دوسرا معروضہ: مولانا عرشی، غلام رسول مہر اور شمیم طارق تینوں حضرات نے یہی کہا ہے کہ علامہ پر مقدمے میں جو الزامات عائد کیے گئے وہ سید فضل حق رام پوری کے تھے اور اس سبب انہیں کالے پانی کی سزا بھی سنائی گئی- حیرت کی بات ہے کہ الف، ب اور ج کے تحت مولانا عرشی نے تو ان الزامات کی فہرست بھی دے دی ہے- مولانا عرشی اور غلام رسول مہر تو اب رہے نہیں، کم از کم شمیم طارق صاحب کو ہی علامہ کے مقدمے کی روداد (مسل) کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اپنی ادعائیت پر نظر ثانی کرنی چاہیے- اگر انہوں نے مقدمے کی مسل کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ لکھا ہے، جیسا کہ ان کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے (کیوں کہ انہوں نے مالک رام کے مضمون کا حوالہ دیا ہے اور اپنے مضمون میں مالک رام نے مقدمے کی پوری کارروائی درج کی ہے) تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ شمیم طارق نے شعوری طور پر علامہ کے تعلق سے غلط بیانی کی ہے جو تحقیقی اور اخلاقی دیانت سے ماورا ہے-

مقدمے میں علامہ پر جو الزامات عائد کیے گئے تھے ان کا تعلق نہ تو بریلی کی بغاوت سے تھا، نہ پیلی بھیت کی نظامت سے اور نہ ریاست محمدی کی چکلہ داری سے- مقدمہ مسل سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ پر جو الزامات عائد کیے گئے وہ یہ تھے:

> (الف) وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران باغی سرکار کی حیثیت میں بغاوت کا سرغنہ رہا اور دہلی اور اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی-
>
> (ب) اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں باغی سرغنے ممو خاں کی مجلس مشاورت میں نمایاں حصہ لیا-
>
> (ج) اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں ایک سرکاری ملازم عبدالحکیم کو قتل کرنے کی ترغیب دی- (مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

مقدمے کی مسل کے مطابق نقد و جرح کے بعد یہ تینوں الزامات درست ثابت ہوئے اور علامہ کو انہی الزامات کی بنیاد پر کالے پانی کی سزا بھی سنائی گئی- معاصر مآخذ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ پر لگائے گئے یہ تینوں الزامات بالکل صحیح تھے، بلکہ جنگ کے دوران دہلی

میں علامہ کی جو مجاہدانہ سرگرمیاں تھیں اس کی تفصیل مقدمے میں پیش نہیں کی جا سکی، کیوں کہ ''مسل مقدمہ مولوی فضل حق'' کے مطابق ''عدالت کو دہلی کے گواہ میسر نہیں تھے اور نہ ملزم (فضل حق) کو ان گواہوں پر جرح کرنے اور عائد کردہ الزامات کی جواب دہی کا موقع دیا گیا-'' لیکن سرکار کو دیگر ذرائع سے دہلی میں علامہ کی باغیانہ کارروائیوں کا علم تھا، اس لیے عدالت نے علامہ پر قائم کردہ الزامات میں ان کی باغیانہ سرگرمیوں کا دائرہ اودھ کے ساتھ ''دہلی'' کو بھی رکھا-

تیسرا معروضہ: مقدمے کے دوران علامہ پر جو الزامات عائد کیے گئے ان کا تعلق مولوی سید فضل حق شاہجہاں پوری ثم رام پوری سے کبھی نہیں رہا، کیوں کہ احمد علی خاں شوق کی ''تذکرۂ کاملان رام پور''، پروفیسر ایوب قادری کی ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات'' اور خود شمیم طارق کی ''غالب اور ہماری تحریک آزادی'' میں دی گئی تفصیل کے مطابق مولوی سید فضل حق رام پوری کی باغیانہ سرگرمیوں کے علاقے دہلی اور اودھ نہیں تھے، نہ ہی وہ ان علاقوں میں شہید ہوئے اور نہ ہی ان جگہوں پر وہ کبھی سرکاری ملازمت میں رہے- مولوی سید فضل حق رام پوری کا تعلق باغیانہ سرگرمیوں کے درمیان کبھی بھی بوندی کے مقام سے نہیں رہا اور نہ ہی انہوں نے باغی سرغنہ مموخاں کی مجلس مشاورت میں حصہ لیا- اسی طرح سرکاری ملازم عبدالحکیم کے قتل کرنے کی ترغیب میں بھی ان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا- جب کہ معاصر مآخذ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علامہ خیرآبادی کی جہادی سرگرمیاں دہلی اور اودھ میں تھیں، وہی بوندی کے مقام پر مموخاں کی مجلس مشاورت کے میر تھے اور انہوں نے ہی عبد الحکیم کے قتل کا فتویٰ دیا تھا-

چوتھا معروضہ: مسل مقدمہ میں ''نقل فیصلہ'' کے تحت علامہ کے تعلق سے جو تفصیل درج ہے، ان کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ پر جو الزامات عائد کیے گئے وہ ''فضل حق خیرآبادی'' ہی کی حیثیت سے عائد کیے گئے- ان الزامات کا تعلق مولوی سید فضل حق رام پوری سے نہیں تھا- چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(الف) دہلی سے اس کے پرانے تعلقات کے باعث وہاں کے

حکام سے بھی اس سے متعلق استصواب کیا گیا تو کمشنر دہلی نے اس کے جو حالات تحریر کیے، ان سے معلوم ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بھی اس کی سرگرمیاں بعینہٖ اسی قسم کی (باغیانہ) تھیں۔

(ب) دہلی میں بھی اس کا یہی کام تھا اور اودھ میں بھی اس نے اپنی یہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔

(ج) بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ الور میں ملازم تھا۔ یہاں سے وہ دیدہ و دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدم چلتا رہا۔ (مرجع سابق)

ان اقتباسات کے بعد اس وضاحت کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ مولوی سید فضل حق رام پوری کا کسی بھی نوعیت سے دہلی سے ''پرانے تعلقات'' نہیں رہے۔ دہلی سے یہ ''پرانے تعلقات'' علامہ کے تھے۔ وہ دہلی میں پلے بڑھے، تعلیم حاصل کی، رہائش اختیار کی، نکاح ثانی کیا، مختلف عہدوں پر رہے، ان کے احباب کا حلقہ یہیں کا رہا اور پھر ان کی مجاہدانہ سرگرمیاں بھی دہلی میں رہیں۔ اس کے علاوہ وہ علامہ خیر آبادی ہی تھے جو بغاوت شروع ہونے کے وقت الور میں راجا بنے سنگھ کے ملازم تھے، جہاں سے وہ دیدہ و دانستہ دہلی آئے۔ مولوی سید فضل حق کا تعلق نہ الور کی ملازمت سے رہا اور نہ ہی وہ دہلی آئے۔

یہ تو تھے تاریخی اور دستاویزی ثبوت جس سے مطلع بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ:

- علامہ فضل حق خیر آبادی کی گرفتاری ''فضل حق خیر آبادی'' کی ہی حیثیت سے ہوئی۔
- علامہ خیر آبادی پر مقدمے کے دوران جو الزامات لگائے گئے وہ درست تھے، ان کا تعلق مولوی سید فضل حق رام پوری سے نہیں تھا بلکہ علامہ سے ہی تھا۔
- علامہ پر جو الزامات عائد کیے گئے انہی کی بنیاد پر انہیں سزا بھی سنائی گئی۔

ان کے علاوہ چند قرائن اور دلائل اور بھی ہیں جن سے ہم نامی کے اس شعوری مغالطے کی مزید اصلاح ہوتی ہے۔

پانچواں معروضہ: ان دستاویزی شواہد کے بعد اب اہم سوال یہ رہ جاتا ہے کہ پھر علامہ خیرآبادی نے اپنے مقدمے کے دوران یہ بیان کیوں دیا کہ ''فضل حق ایک اور شخص کا نام ہے، مجھے اس کی جگہ گرفتار کرلیا گیا ہے-'' اس کا سیدھا جواب ایک ہی کہ انہوں نے خلاف واقعہ یہ بیان دے کر اپنی رہائی کی ناکام کوشش کی تھی- یہ جواب کسی ظن اور تخمین کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ معرکۂ ستاون کے جتنے بھی مجاہدین گرفتار کیے گئے ان میں سے کسی نے بھی انگریزی ظلم و بربریت کے خوف سے یہ اقرار نہیں کیا کہ میں ۱۸۵۷ء کی جنگ میں سرکار انگریزی کے خلاف باغیانہ کردار ادا کر رہا تھا، بلکہ ان میں سے اکثر نے مقدمے کے دوران اپنی رہائی کے لیے عدالت کو اپنی مظلومیت اور بے قصوری کی داستان سنائی-

اس دعوے کے ثبوت میں علامہ خیرآبادی کے علاوہ مزید دو مرکزی شخصیات کو پیش کیا جاسکتا ہے- ایک بادشاہ ہند بہادر شاہ ظفر اور دوسرے حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید کے پوتے نواب خاں بہادر خاں شہید- ان دونوں حضرات نے مقدمے کے دوران جنگ میں اپنی کسی طرح کی بھی شرکت سے برأت کا اظہار کیا اور مختلف حیلوں کے ذریعے سزا سے بچنے کی کوشش کی- ظاہر ہے کہ ان دونوں کا یہ عمل حقیقت کے برخلاف تھا- بہادر شاہ ظفر کی اس تفصیل کو جاننے کے لیے ان کے مقدمے کی روداد (مسل) دیکھی جاسکتی ہے- اس میں درج ہے کہ بہادر شاہ ظفر نے اپنے مقدمے کے دوران ۹ / مارچ ۱۸۵۸ء کو ۲۱ ویں روز کی عدالتی کارروائی میں اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی صفائی کے لیے عدالت کو اپنا تحریری بیان دیا، جس میں انہوں نے ایک بار نہیں بار بار اس بات کو دہرایا کہ ''یہ سپاہ ہی تھی جس نے جو چاہا کیا، میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا-'' (بہادر شاہ کا مقدمہ، ص: ۲۹۸)

اسی طرح جب نواب خاں بہادر خاں شہید پر مقدمہ قائم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی برأت کا اظہار کیا- نادم سیتاپوری نے لاہور (پاکستان) کے قدیم اخبار ''کوہ نور'' کی فائل سے نواب خاں بہادر کے مقدمے کا ایک حصہ نقل کیا ہے- مقدمے کے دوران نواب صاحب نے اپنے بیان میں کہا:

''جب تک فوج باغی بریلی میں رہی، کسی نے اطاعت نہیں کی، اور میرے پاس فوج نہ تھی کہ ان کو شرارت سے باز رکھتا، میں نے کسی صاحب بہادر کے مارے جانے کا حکم نہیں دیا- بلکہ میں نے ملک کو بدمعاشوں کی یورشوں سے بچانے کے واسطے کوششیں کیں- میں بیکس تھا اور انتظام شریروں کا نہ کر سکا- انہوں نے میرے حکم کو نہیں مانا بلکہ وے سب مرضی خود (پر) کار بند رہے- مجھ کو معلوم ہے کہ ایک اشتہار بھی درباب قتل صاحبان انگریزی کے جاری ہوا تھا- وے کہتے تھے کہ فرنگی اب نہیں آویں گے، جب میں نے آمد آمد انگریزوں کی سنی تو میں فوراً بریلی سے نکل گیا- اور فوج انگریزی سے صف آرا نہیں ہوا-'' (سہ ماہی رسالہ ''العلم'': اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۱ء ص:۲۱ بحوالہ باغی ہندوستان، ص:۴۲۲)

حالاں کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ نواب بہادر نے جنگ آزادی میں مردانہ وار حصہ لیا، ان کے مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل تاریخ کی مختلف کتابوں میں درج ہے کہ کس طرح انہوں نے فوجوں کو منظّم کیا اور انگریزی سپاہیوں کے مقابلے میں داد شجاعت دی- اگر ان دونوں حضرات کے لیے یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے سزا سے بچنے کے لیے اس طرح کا خلاف واقعہ بیان دیا تھا تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ علامہ خیرآبادی کے اس بیان کی بھی یہی توجیہہ کی جانی چاہیے اور ان کی مجاہدانہ قربانیوں کو مولوی سید فضل حق رام پوری کے کھاتے میں نہیں ڈالنا چاہیے- اگر بالفرض نواب رام پور کے نام علامہ کی اس عرضی کو درست مان بھی لیا جائے تو اس عرضی کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے، کیوں کہ وہ عرضی بھی اپنی رہائی اور سزا سے بچنے کی ایک کوشش تھی، کیوں کہ درجنوں معاصر شواہد اس ایک عرضی اور اس حوالے سے علامہ کے بیان کی تغلیط کرتے ہیں-

علامہ کے مذکورہ بیان پر یہ تو الزامی جواب تھا، اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ مقدمے کے دوران علامہ کے اس بیان کو خود عدالت نے ''خلاف واقعہ'' قرار دیا-

مقدمہ کے ''نقل فیصلہ'' میں اسپیشل کمشنر نے کہا:

''اس (فضل حق خیر آبادی) نے مقدمے کے دوران میں ایک موقع پر یہ صفائی پیش کی تھی کہ اودھ میں دو مشہور فضل حق ہیں۔ لیکن یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ وہ دوسرا شخص سابق میں ضلع بریلی کا تحصیل دار تھا اور پچھلے ایام میں چکلہ دار اور باغیوں کا سرغنہ رہا ہے، لیکن ملزم (فضل حق خیر آبادی) تو کبھی صاحب سیف رہا ہی نہیں ہے بلکہ اس کی ہمیشہ صاحب رائے و مشورہ کی حیثیت سے شہرت رہی ہے۔''

(مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

چھٹا معروضہ: ہم نامی کا مغالطہ عموماً اس وقت ہوتا ہے جب دونوں ہم نام افراد کی علمی اور عملی خدمات کی شہرت نہ ہو یا دوسرے لفظوں میں دونوں گم نام یا غیر معروف ہوں، ایسی صورت میں لوگ عموماً ایک دوسرے کے علم یا عمل کے سلسلے میں دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم نام افراد میں سے کوئی ایک علمی اور عملی حیثیت سے معروف و مشہور ہو تو اس وقت ہم نامی کا مغالطہ بعید از امکان ہوتا ہے۔ تیرہویں صدی ہجری میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولوی سید فضل حق شاہجہانپوری ثم رام پوری کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

علامہ فضل حق خیر آبادی بحیثیت ایک متکلم، فلسفی، منطقی، ادیب، مفکر، مدرس، اور شاعر معروف و مشہور تھے۔ جن کے تعلقات ہندوستان کے بادشاہ، امرا، نوابین، شہزادگان اور والیان ریاست سے تھے۔ ہندوستان کے مختلف والیان ریاست نے جن سے علمی، فکری اور انتظامی امور میں استفادہ کرنا باعث فخر سمجھا اور انہیں اپنی ریاستوں (ٹونک، رام پور اور الور) میں اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا۔ دہلی، لکھنؤ اور رام پور جیسے ہندوستان کے مراکز میں وہ مختلف اعلیٰ مناصب پر رہے۔ ان کے احباب میں غالبؔ، مومنؔ اور آزردہؔ جیسی علمی و فنی شخصیتیں تھیں، آبائی اور نسبی طور پر ان کا خانوادہ معروف تھا اور ان کے تلامذہ میں ہندوستان کے جلیل القدر افراد تھے۔ انہی سب وجوہات کی بنا پر اس دور میں یا اس کے بعد جتنے بھی معروف تذکرے لکھے گئے ان میں علامہ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا گیا۔ خواہ وہ

''آثار الصنادید''مؤلفہ سر سید احمد خاں،''تذکرہ علماے ہند''مؤلفہ مولوی سید رحمان علی، ''علماے ہند کا شاندار ماضی''،مؤلفہ مولانا سید محمد میاں''ہمارے ہندوستانی مسلمان''از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ہو یا پھر''نزھۃ الخواطر''مؤلفہ مولانا سید عبدالحیٔ لکھنوی- اس کے علاوہ ان کے جتنے بھی معروف معاصر گزرے ہیں ان میں سے اکثر نے اپنی کتابوں اور تذکروں میں ان کا ذکر کسی نہ کسی جہت سے ضرور کیا ہے- اُمرا و سلاطین،عوام اور اہلِ علم کے علاوہ علامہ خیرآبادی کی شہرت انگریزی حُکام کے درمیان بھی تھی جس کا اعتراف خود علامہ نے اپنے ''رسالہ غدریہ''میں کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ''انگریزوں کو اس بات کا علم تھا کہ میں ایمان و اسلام میں راسخ العقیدہ ہوں اور علامۂ وقت ہونے کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہوں-''(الثورۃ الہندیہ(باغی ہندوستان)ص:۱۱۱)

علامہ کے اس دعوے کی تصدیق ان کے مقدمے کے دوران''نقل فیصلہ''میں اسپیشل کمشنر کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

> ''وہ (مولانا فضل حق خیرآبادی)انگریزی ملازمت ترک کرکے اودھ،رام پور،الور وغیرہ متعدد دیسی ریاستوں میں معقول عہدوں پر ممتاز رہا،اس کی ہمیشہ بہت شہرت رہی ہے،جن گواہوں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ بھی مولوی فضل حق کا نام اکثر سنتے آئے تھے-''(مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

دوسری طرف مولوی سید فضل حق رام پوری تھے جو علامہ کی مذکورہ تمام خصوصیات میں سے کسی خصوصیت کے حامل نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ معاصر تذکرے نہ صرف ان کے کارناموں بلکہ ان کے ذکر سے بھی خالی ہیں-''تذکرۂ کاملان رام پور''میں ان کا ذکر بھی آیا ہے تو صرف گیارہ سطروں میں،جس میں ان کی ولادت و وفات کے سنین بھی ندارد ہیں- اسی کتاب سے پروفیسر ایوب قادری نے اپنی کتاب''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات وشخصیات''میں ان کے چند سطری کوائف کو نقل کیا ہے، حیرت ہے کہ ایوب قادری جیسا

محقق، وسیع المطالعہ اور مختلف تذکروں کا مرتب بھی اس میں کچھ زیادہ اضافہ نہ کرسکا- ایسے میں علامہ خیرآبادی کی شہرۂ آفاق اور عبقری شخصیت کے کارنامے کو مولوی سید فضل حق رام پوری جیسے غیر معروف شخص کی سرگرمیوں سے مشتبہ کرنا مضحکہ خیز طرز تحقیق ہے-

ساتواں معروضہ: ہم نامی کی وجہ سے علامہ خیرآبادی کی جنگ آزادی میں شرکت پر جو شبہات وارد کیے گئے تھے مقدمے کی مسل اور دیگر دلائل کے ذریعے ان کی عدم صحت کو ثابت کردیا گیا، تاہم علامہ نے ہم نامی کی وجہ سے اگر اپنی پریشانی کا ذکر کیا ہے تو تحقیقی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا- تاریخی حیثیت سے یہ سچ ہے کہ مولوی سید فضل حق رام پوری تیرہویں صدی ہجری کی ایک شخصیت گزری ہے، جنہوں نے معرکۂ ستاون میں بریلی، پیلی بھیت اور جھانسی کے اندر اپنے کارنامے دکھائے، اور یہ صحیح ہے کہ ہم نامی کی وجہ سے علامہ خیرآبادی کو کچھ مشکلات کا بھی سامنا رہا، لیکن ان مشکلات کا تعلق مقدمے کے دوران ان پر عائد کردہ الزامات سے نہیں تھا جیسا کہ مقدمے کی روداد سے پتا چلتا ہے، بلکہ محض اخبارات کی رپورٹنگ سے تھا- اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب علامہ کے مقدمے کو عدالت میں پیش کرنی کی تیاری چل رہی تھی تو اخبارات میں ان کے تعلق سے خبریں بھی شائع ہو رہی تھیں، ان خبروں میں مولوی سید فضل حق رام پوری کے کچھ کارنامے بھی علامہ سے منسوب کیے جارہے تھے، جس سے ان کے مقدمے کی شنوائی میں مزید مشکلات بڑھ رہی تھیں- پروفیسر ایوب قادری نے اس ہم نامی کے تعلق سے یہی بات اپنی کتاب ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات وشخصیات'' میں لکھی ہے☆:

''یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ جنگ آزادی کے

☆اسی کتاب سے تقریباً یہی باتیں شمیم طارق نے بھی لکھی ہیں (جیسا کہ اس بحث کے شروع میں ان کے اقتباس سے ظاہر ہے) لیکن علامہ کے سلسلے میں اپنے مفروضہ موقف کو تنومند کرنے کے لیے اخیر میں ایوب قادری کے موقف ''اس طرح علامہ خیرآبادی کا مقدمہ اور خراب ہو رہا تھا'' کی جگہ مولانا عرشی اور مہر صاحب کی تقلید میں یہ اضافہ کردیا ''مولوی سید فضل حق کی مجاہدانہ سرگرمیاں مولانا فضل حق خیرآبادی کے سر منڈھ دی گئی تھیں جس کے سبب انہیں کالے پانی کی سزا سنائی گئی تھی-'' مقلدانہ تحقیق اور اسلوب بیان کے ساتھ کسی کی تحریر میں بھی ایسی بوالعجبیوں کا در آنا خلاف توقع نہیں ہے-

بعد جب علامہ فضل حق خیرآبادی کا مقدمہ عدالت میں چل رہا تھا اور اس زمانے کے اخبارات علامہ فضل حق سے متعلق مختلف خبریں شائع کررہے تھے تو ان خبروں میں روہیل کھنڈ سے متعلق مولوی فضل حق شاہجہاں پوری کی انقلابی وجنگی سرگرمیاں ہم نام ہونے کی وجہ سے علامہ فضل حق خیرآبادی کے سر منڈھ دی گئیں، ظاہر ہے اس طرح علامہ خیرآبادی کا مقدمہ اور خراب ہو رہا تھا چنانچہ اس سلسلے میں علامہ خیرآبادی نے نواب یوسف علی خاں رئیس رام پور کو ایک خط لکھا۔''

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات وشخصیات، ص: ۵۶۸)

پروفیسر ایوب قادری کی یہ بات اس لیے بھی زیادہ باوزن معلوم ہوتی ہے کہ مولانا عرشی کا پیش کردہ علامہ کا عریضہ بنام والی رام پور ۱۸؍فروری ۱۸۵۹ء کا ہے، جب مقدمے کی تیاری چل رہی تھی، اس عریضے کے دو روز کے بعد ہی ان کا مقدمہ ۲۱؍فروری کو عدالت میں پیش ہوا۔ پھر مولانا عرشی نے عریضے کے سلسلے میں یہ بھی کہا تھا کہ:

''مولانا خیرآبادی نے ابتلاء کے سلسلہ میں نواب رام پور کو تین خط لکھے تھے، چونکہ آخری خط میں ان سے مدد کی خواہش کی گئی ہے اس لیے قیاس یہ ہے کہ پہلے دو خطوں میں بھی اس قسم کی تمنا کا اظہار کیا گیا ہوگا۔'' (مولانا فضل حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: اگست ۱۹۵۷ء)

مولانا عرشی کی اس بات سے ایوب قادری کے (عریضے کے سلسلے میں) مذکورہ بیان کو مزید توانائی ملتی ہے، کیوں کہ علامہ کا یہ عریضہ اگر ان کی گرفتاری کے بعد ۱۸؍فروری کا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ پہلے لکھے گئے بقیہ دونوں عریضے بھی گرفتاری کے بعد ہی ارسال کیے گئے ہوں گے جب اخبارات والے ہم نامی کے شبہے میں مولوی سید فضل حق کے کارناموں کو علامہ کی طرف منسوب کررہے تھے۔ علامہ نے دیکھا ہوگا کہ جب مولوی سید فضل حق کے کارناموں کی وجہ سے ان کا مقدمہ خراب ہو رہا ہے تو پھر اپنے بچاو کے لیے وہی کام کیا جو

اخبارات کررہے تھے-فرق یہ تھا کہ اخبارات مولوی سید فضل حق کے کارنامے کو علامہ کی طرف منسوب کررہے تھے،علامہ اپنے بچاؤ کے لیے اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کو مولوی سید فضل حق کی طرف منسوب کرکے چھپانے کی کوشش کرنے لگے اور پھر مقدمے کے دوران وہ بیان دے ڈالا جس کو علامہ کے ناقدین پیش کرکے ان کی عدم شرکت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں -اس رخ سے اگر مذکورہ عریضے اور علامہ کے بیان کو دیکھا جائے (معاصر شواہد بھی اسی پر اصرار کرتے ہیں) تو ان دونوں سے بھی علامہ کی جنگ آزادی میں عدم شرکت کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ہم نامی کا جن بوتل میں بند ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے-



علامہ فضل حق خیرآبادی اور انگریزی ملازمت

علامہ فضل حق خیرآبادی کے ناقدین نے جن چند دلائل کے ذریعے ان کی معرکۂ ستاون میں عدم شرکت کو ثابت کرنے کی کوشش کی اور انھیں مختلف اسالیب میں دہراتے رہے، ان میں سے ایک ''انگریزی ملازمت'' بھی ہے- علامہ کے ناقدین کا مجموعی طور پر یہ خیال ہے کہ انھوں نے پوری زندگی انگریزوں کی ملازمت کی، ان سے خوشامدانہ اور دوستانہ رویہ رکھا اور انگریزی ملازمت کے ذریعے ان کے اقتدار کو مستحکم کیا، اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں حصہ لیا ہوگا- تاہم اپنے ناکردہ گناہوں کی وجہ سے اپنے ممدوح (انگریزوں) کے ذریعے سزا پانے کے بعد ان کی سوچ کا زاویہ بدلا اور پھر انھوں نے انگریزوں کی مذمت میں قلم اٹھا لیا- رسالۂ غدریہ اور قصائد فتنۃ الہند اسی بدلے ہوئے زاویۂ فکر کے نتائج ہیں- اس خیال پر مشتمل چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

> ''جس وقت اللہ کے یہ فرماں بردار بندے (سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی) دین وملت کی خاطر میدان جہاد میں اپنی جانیں نچھاور کر رہے تھے اس زمانے میں اس تحریک کے سب سے زیادہ مخالف مولانا فضل حق خیرآبادی (ف:۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) ایجنٹ دہلی کے محکمہ میں سررشتہ دار اور مولوی فضل رسول بدایونی (ف:۱۲۸۶ھ/۱۸۷۲ء) کلکٹری بدایوں (سہسوان) میں سررشتہ دار تھے- حکومت برطانیہ کی دور اندیشی اور پالیسی ملاحظہ ہو کہ اس نے

مسلمانوں کے ذہین اور صاحب علم وفضل طبقہ کو سرکاری خدمات کے لیے حاصل کرلیا''۔ (تواریخ عجیب (کالا پانی) حاشیہ، ص:۲۳)

انگریزی ملازمت میں شامل کچھ مزید علما کا نام شمار کرانے کے بعد فرماتے ہیں:

''ہند پاکستان کے وہ اعاظم و افاضل ہیں جنھوں نے منصب افتا، قضا اور صدر الصدوری کے ذریعے سرکار کمپنی کے انتظام و اقتدار حکومت کو بحال اور مضبوط تر کیا۔'' (مرجع سابق، ص:۲۴)

اسی فکر کی ترجمانی کچھ اضافے کے ساتھ شمیم طارق نے بھی یوں کی ہے:

''شاہ اسماعیل نے شروع ہی سے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، مولانا فضل حق نے انگریزوں کی خدمت و ملازمت کے باوجود قید و بند کی مصیبت اٹھائی تو ان کے مخالف ہو گئے۔''

(غالب اور ہماری تحریک آزادی، ص:۴۱)

آگے فرماتے ہیں:

''مولانا کی سرگرمیاں اور حکومتی ذمہ داریاں بھی یہ تسلیم کرنے میں مانع ہیں کہ انھوں نے ایسا کوئی فتویٰ دیا ہوگا، کیوں کہ ۱۸۳۱ء میں معرکۂ بالاکوٹ کے بعد بھی وہ نہ صرف حکومت کی ملازمت میں تھے بلکہ جھجھر، الور، ٹونک، سہارن پور اور رام پور میں حکومتی عہدہ سنبھالتے ہوئے ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں حضور تحصیل کے مہتمم و صدر الصدور ہو گئے تھے۔'' (مرجع سابق، ص:۵۹)

سرکاری ملازمت کے نتیجے میں علامہ کی انگریزوں سے محبت کے اس الزام کا ہمیں مختلف جہتوں سے جائزہ لینا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ

۱- کیا صرف علامہ دامن فضل ہی ملازمت کی اس تہمت سے داغ دار ہے؟ ہندوستان کے مختلف مشرب و مسلک سے تعلق رکھنے والے نامور علما اس وقت کیا کر رہے تھے؟

۲- سزا پانے سے پہلے انگریزی ملازمت کو قبول کرنا علامہ کی کوئی مجبوری تھی یا پھر اس

سے مطلوب انگریزوں کے اقتدار حکومت کو بحال اور مضبوط تر کرنا تھا؟

۳- جن علما نے سرکاری ملازمت کی تھی کیا وہ سب کے سب معرکۂ ستاون میں شریک نہیں تھے؟

۴- جو علما سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے اعتقادی اور سیاسی تحریک سے متفق نہیں تھے کیا ان لوگوں نے معرکۂ ستاون میں حصہ نہیں لیا تھا؟

۵- قید و بند سے پہلے انگریزی ملازمت اور انگریزوں کے تعلق سے علامہ کا نقطۂ نظر کیا تھا؟

۶- نیز کیا علامہ کے برخلاف ان کے فکری و اعتقادی حریف شاہ اسماعیل اور سید احمد رائے بریلوی انگریزوں کے مخالف تھے؟

ان سوالوں کے جوابات تلاش کرنے سے پہلے اختصار کے ساتھ یہ جاننا ضروری ہے کہ جب ہندوستان کے نامور علما نے انگریزی ملازمت قبول کرنا شروع کیا تو اس وقت ملک کے سیاسی اور معاشرتی حالات کیا تھے-

ہندوستان کا سیاسی و معاشرتی پس منظر: ملکۂ الزبتھ کی اجازت سے برطانوی تاجروں نے ۱۶۰۱ء میں ہندوستان میں اپنا کاروبار شروع کیا اور اپنے کاروبار کو منظم کرنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی، یہ دور شہنشاہ محمد اکبر کی بادشاہت کا تھا- اپنے کاروبار کو مضبوط کرنے کے لیے کمپنی نے دھیرے دھیرے ہندوستان کے مختلف حصوں مثلاً سورت، ہگلی، احمد آباد، برہان پور، آگرہ، اجمیر، کھمبات اور جنوبی ہند کے علاقوں میں تجارتی کوٹھیاں بنالیں اور ہندوستان کی زراعت، تجارت اور صنعت کے ساتھ حکمت عملی اور نہایت ہوشیاری سے کرسی اقتدار کی طرف بڑھنا شروع کیا- اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے انھوں نے بادشاہ، وزرا، نوابوں اور زمینداروں کے بیچ اپنے وفادار بھی تیار کر لیے جو ان کے حکم کے پابند تھے- کمپنی کی اس سازش اور ارادے کو اکبر کے بعد نہ نورالدین جہانگیر سمجھ سکے اور نہ ہی اورنگ زیب عالمگیر- حالاں کہ اورنگ زیب ہی کے دور سے کمپنی سے وابستہ افراد نے سیاسی اور عسکری سازشیں شروع کر دی تھیں- کمپنی کے ان خفیہ عزائم کو سمجھتے ہوئے حاکم بنگالہ نواب سراج

الدولہ، سلطان ٹیپو کے والد حیدر علی اور خود سلطان ٹیپو نے کئی عملی اقدامات کیے مگر وہ کمپنی کو روکنے میں ناکام رہے- بات جب آگے بڑھی تو محاذ آرائی کی نوبت آئی اور ۱۷۵۷ء میں پہلی باقاعدہ جنگ پلاسی (بنگال) میں نواب سراج الدولہ اور انگریزوں کے درمیان ہوئی، جس میں انگریزوں کو کامیابی ملی- اس کامیابی سے ان کے حوصلے جوان ہو گئے، اس کے بعد میر قاسم و نواب شجاع الدولہ سے بکسر (بہار) کے میدان میں ۱۷۶۴ء میں، حافظ رحمت خاں روہیلہ سے روہیل کھنڈ میں ۱۷۷۴ء میں، نواب غلام محمد خاں سے ۱۷۹۴ء میں دوجوڑہ (بریلی) میں اور پھر سلطان ٹیپو سے آخری جنگ سرنگہ پٹنم (جنوبی ہند) میں ۱۷۹۹ء میں- ان جنگوں کے بعد ہندوستان کے بیشتر علاقے انگریزوں کے زیر اقتدار آ گئے-

سقوط دہلی اور علما کے نقطۂ نظر میں تبدیلی: سرنگہ پٹنم کی فتح کے بعد انگریزوں نے شمالی ہند میں دہلی کی طرف بڑھنا شروع کیا، ۱۸۰۱ء میں روہیل کھنڈ کا علاقہ ایک معاہدے کے تحت نواب سعادت علی خاں نواب وزیر اودھ سے انگریزوں کو مل گیا- ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کی کمان نے دہلی پر دھاوا بولا اور اس پر قابض ہو گئی- لارڈ لیک نے مرہٹوں کی قوت کو ختم کر دیا اور دوآبہ کے اضلاع بھی ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے حاصل کر لیے- دھیرے دھیرے ان کی گرفت دہلی کے اطراف کے جاگیرداروں پر سخت ہوتی گئی- اس کے بعد راجپوتانہ کی ریاستوں کو بھی معاہدوں کے ذریعے قبضے میں کر لیا گیا- دہلی اور اس کے اطراف کی ریاستوں کو قبضے میں کرنے کے بعد ایک معاہدے کے تحت کمپنی کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے شاہ عالم کی بادشاہت برائے نام رہ گئی اور عملاً سارے ہندوستان پر انگریز حکومت کرنے لگے-

سقوط دہلی کے بعد ملک کی سیاسی و معاشرتی اور مذہبی حالات کو دیکھ کر قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ف: ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۳۵ھ/۱۸۲۴ء) نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا- پروفیسر ایوب قادری کے بقول:

> ''جس کے دوررس نتائج مرتب ہوئے اور ایک طرح سے یہ فتویٰ انگریزی حکومت سے عدم تعاون کا براہ راست اعلان تھا- مسلمانوں

نے انگریزی ملازمت کا مقاطعہ کیا اور ان سے معاشرتی روابط کو بھی
پسند نہیں کیا-'' (مولانا فضل حق خیرآبادی: دور ملازمت، ص:۱۴)

الطاف حسین حالی نے ''حیات جاوید'' میں ذکر کیا ہے کہ:

''دلی اور اس کے نواح کے مسلمان عموماً انگریزی نوکری اور انگریزی
تعلیم سے متنفر تھے، خصوصاً جو خاندان قلعۂ دہلی سے کچھ تعلق رکھتے
تھے ان کو انگریزی نوکری کا کبھی خواب بھی نظر نہ آتا ہوگا-''

(حیات جاوید، حصہ دوم، ص:۲۰)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی جلد اول (فارسی) میں صفحہ ۱۱۹ پر اس طریقہ کار کی وضاحت کی ہے کہ کس طرح اس زمانے میں دہلی کے اندر خانقاہ مجددیہ کے مشائخ ایسے افراد سے نذرانے قبول نہیں کیا کرتے تھے جو انگریزی ملازمت سے وابستہ تھے-

اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت بشمول چند علما کچھ لوگوں نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی، تاہم علما کا ایک بڑا طبقہ سرکاری ملازمت سے دور تھا- انگریزی سرکار نے دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد ۱۸۰۶ء یا ۱۸۰۷ء میں دہلی کے اندر نظم ونسق قائم کیا تو بادشاہ کی آئینی عظمت کے ساتھ ہندوستانیوں کی مذہبی اور تہذیبی حیثیتوں کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی، صرف عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا- مولانا سید محمد میاں مؤلف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' کے بقول:

''مغل بادشاہ کی بادشاہت اور آل تیمور کی عظمت بھی محفوظ کردی گئی ہے- صرف کاروبار حکومت جو ہندو یا مسلمان امرا اور وزرا کے حوالے ہوا کرتا تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا گیا ہے- تہذیب اور کلچر کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ ان کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے بلکہ ہندوؤں کے سماجی معاملات پنڈتوں کے اور مسلمانوں کے معاشرتی معاملات قاضیوں کے سپرد کر کے ان کو کلچرل اٹانمی (تہذیبی خودمختاری) بھی دے دی گئی''-

(علمائے ہند کا شاندار ماضی، حصہ دوم، ص: ۴۴۷)

اس صورت حال نے رفتہ رفتہ انگریزی ملازمت کے تعلق سے علما کے نقطۂ نظر میں تبدیلی پیدا کی اور وہ یکے بعد دیگرے انگریزی ملازمت قبول کرتے چلے گئے- کیوں کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر وہ مسلمانوں کے مذہبی اور معاشرتی معاملات کے تصفیے اور زبان وعلوم کی اشاعت کے لیے خود آگے نہیں بڑھیں گے تو لامحالہ انگریز ہی ان مناصب پر بیٹھے ہوں گے- پھر یہ کہ علما اگر ان مناصب کو قبول نہیں کرتے تو انگریزی اقتدار تو کمزور نہیں ہوتا، البتہ معاشرتی اور مذہبی طور پر افراتفری ضرور پھیل جاتی- میرے اس خیال کی تائید انگریزی ملازمت کی موافقت میں شاہ عبدالعزیز کی پیش کردہ اس دلیل سے ہوتی ہے کہ ''کافر کے ہاتھ سے کوئی منصب قبول کرنا بھی جائز ہے، جب یہ معلوم ہو کہ اقامت حق اور سیاست حق اس کے بغیر ممکن نہیں-'' اس لیے یہ کہنا کہ علما نے انگریزی ملازمت اختیار کر کے سرکاری اقتدار کو بحال اور مضبوط تر کیا، بے تکی بات ہے-

اس صورت حال کا نتیجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسی شخصیت جنھوں نے سقوط دہلی کے ابتدائی سالوں میں دارالحرب کا فتوی دے کر حکومت سے عدم تعاون کا براہ راست اعلان کیا تھا (جس سے علما کا ایک بڑا طبقہ بھی متفق تھا) وہ بھی مشروط طور پر انگریزی ملازمت کی اجازت دینے لگے اور سب سے پہلے اپنے داماد مولوی عبدالحی بڈھانوی کو اس کے لیے پیش کیا-

مولانا ابوالکلام آزاد شاہ عبدالعزیز کے اس رویے کی تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دہلی میں جب انگریزی حکومت قائم ہوئی تو علمائے ثقات کا عام مسلک یہ رہا کہ انگریزی ملازمت سے اجتناب کیا جائے، شاہ صاحب کا بھی ابتدا میں یہی مسلک تھا، جب کمپنی نے کلکتہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ قائم کیا اور اس کے لیے لکھنؤ لکھا تو لکھنؤ سے ایک استفتا شاہ صاحب کے نام گیا تھا- شاہ صاحب اس کے جواب میں

لکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر اس سے احتراز واجب ہے......لیکن جب انگریزی حکومت پر کچھ عرصہ گزر چکا تو انگریزوں کی کوششیں جو وہ شمالی ہند میں مسلمانوں کی تالیف قلب کے لیے برابر کیے جا رہے تھے، بہت کچھ کامیاب ہونے لگیں۔حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا کہ خود شاہ صاحب تیار ہو گئے کہ اپنے داماد مولوی عبد الحی کو میرٹھ کے مفتی عدالت ہونے کی اجازت دے دیں اور مدرسہ عزیزیہ کی طرف سے ان کا نام پیش کریں۔''(نقش آزاد،ص:۳۱۳،۳۱۴ بحوالہ: ۱۸۵۷ء: پس منظر و پیش منظر،ص:۶۴)

شاہ صاحب کے دار الحرب کے فتوے پر جس طرح علما کی کثیر تعداد نے اتفاق کیا، اسی طرح جب انگریزی ملازمت کو قبول کرنے کے سلسلے میں انھوں نے شرعی دلائل کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کو عملی اور فکری سطح پر پیش کیا تو بھی علما نے عام طور پر اس سے اتفاق کیا اور انگریزی ملازمت قبول کرنے لگے۔ تاہم اس دور میں کچھ متصلب علما و مشائخ بھی رہے ہوں گے جنھوں نے شاہ صاحب کے اس قدم کو بنظر استحسان نہیں دیکھا ہوگا، کیوں کہ اس بات کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جب ملازمت کے تعلق سے شاہ صاحب کے نظریے میں تبدیلی آئی اور انھوں نے اپنے داماد مولوی عبدالحی کو اس کے لیے پیش کیا تو شاہ غلام علی مجددی نقش بندی دہلوی (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) نے ان لفظوں میں احتجاج کیا:

حضرت سلامت سلمکم اللہ تعالیٰ علی رؤس الفقراء باختیار الفقراء بعد تسلیمات کثیرہ معروض می دارد کہ دریں وقت شخصے ظاہر نمود کہ در مدرسۂ ما فقیران مذکور نوکری کفار فرنگ وقبول خدمت افتا می شود خدا آگاہ است کہ فقیر را شرف علم وعلم را شرف بنی آدم گردانید ازیں خبر ایں فقیر بسیار تاسف نمود خاک نشینی فقرا بہ از صدر نشینی اغنیا، ہرگز مولوی عبدالحی صاحب قصد ایں امر نا مبارک نکنند و بر نان پارہ قناعت ساختہ للہ فی اللہ درس طالبان علم فرمایند و اوقات بذکر و مراقبہ

محمود دارند و دریں جا ہرگز ہرگز بعلاقہ نشوند- ترک و تجرید درسازیم و ہر نفس را نفس آخریں انگاریم، برائے خدا باشیم بطور بزرگان خود و سلف صالح خود زیدہ امیدوار عفو گستاخی است و بشنیدن خبر نیک آنجا دل خوش می شود بانچہ لائق شاہ درویشی نیست مشوش معذور خواہند داشت زیادہ چہ-

ترجمہ: حضرت سلامت- اللہ تعالیٰ آپ کو فقیروں کے سر پر فقیروں کے اختیار کے ساتھ سلامت رکھے- تسلیمات کثیرہ کے بعد عرض ہے کہ اس وقت ایک شخص نے بتایا ہے کہ ہم فقیروں کے مدرسہ میں کفار فرنگ کی نوکری اور مفتی کا عہدہ قبول کرنے کا ذکر ہوتا ہے- خدا جانتا ہے کہ جس نے فقر کو علم کا شرف اور علم کو بنی آدم کے لیے شرف بنایا، اس خبر سے اس فقیر کو بہت افسوس ہوا فقرا کی خاک نشینی اغنیا کی صدر نشینی سے بہتر ہے- عبد الحی صاحب اس نامبارک کام (مفتی کا منصب قبول کرنے) کا ہرگز ارادہ نہ کریں- نان پارہ پر قناعت کریں- للہ فی اللہ طالبان علم کو درس دیں- ذکر و مراقبہ میں مشغول رہیں اور اس جگہ ہرگز ہرگز تعلق (ملازمت) نہ کریں- ہم لوگ ترک و تجرید اختیار کریں اور ہر سانس کو آخری سانس سمجھیں- خدا کے لیے اپنے بزرگوں اور سلف صالحین کے طریقہ پر رہیں- میں گستاخی کی معافی کا امیدوار ہوں وہاں (مدرسہ عزیزی) کی اچھی خبر سننے سے دل خوش ہوتا ہے اور جو بات درویشی کی شان کے لائق نہیں ہے اس کے سننے سے تشویش ہوتی ہے- معذور رکھیں زیادہ کیا لکھوں-

(فتاویٰ عزیزی (فارسی) جلد: اول، ص:۹۱)

شاہ عبدالعزیز کے دلائل: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے شاہ غلام علی مجددی کے اس احتجاج کا تفصیلی جواب دیا اور اپنے موقف (انگریزی ملازمت قبول کرنے) کی تائید میں

شرعی دلائل پیش کیے۔شاہ صاحب کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے:(شاہ عبدالعزیز کے اس تفصیلی جواب کا فارسی متن اور اس کا ترجمہ ضمیمہ نمبرا میں ملاحظہ ہو)

۱۔قرآنی آیت **قال الملک ائتونی** میں اس بات کی دلیل ہے کہ منصب کو طلب کرنا اور اس امر کا اظہار کرنا کہ میں اس کے لیے اہل ہوں، جائز ہے۔

۲۔کافر کے ہاتھ سے کوئی منصب قبول کرنا بھی جائز ہے، جب یہ معلوم ہو کہ اقامت حق اور سیاست حق اس کے بغیر ممکن نہیں۔

۳۔اس طرح کی ملازمت میں کفار کی صحبت، کفری رسوم کی موافقت کے ذریعے اسلامی حدود میں مداہنت یا ان کی خوشامد، جھوٹ اور دیگر مفاسد میں مبالغہ آرائی جو کہ اہل ثروت کے مصاحبین کرتے ہیں، نہ ہو تو شریعت میں اس کی اجازت ہے۔

۴۔کفار کے ساتھ اس قسم کا معاملہ (وہ امور جو شریعت محمدی کے مطابق ہو کسی وسوسے کے بغیر سنانا) جو کہ احکام شرعیہ کی اشاعت میں معاون ہے، موافق شرع جائز ہے۔

۵۔مناصب قبول کرنا، از روئے طریقت بھی درست ہے، کیوں کہ مکمل ترک و تجرد ولایت کی شرط نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے اولیائے کرام ایسے گزرے ہیں جو اعلیٰ مناصب پر فائز تھے۔

انگریزی ملازمت میں علما کی شمولیت: تقدیم و تاخیر کی بحث سے قطع نظر انیسویں صدی کی ابتدا میں شمالی ہند کے علاقوں پر انگریزوں کے قبضہ و تسلط، بالخصوص سقوط دہلی کے بعد علما نے سرعت سے انگریزی ملازمت کو اختیار کرنا شروع کیا، اس حوالے سے شاہ عبدالعزیز جیسی مرکزی شخصیت کی تبدیلی فکر کے بعد تو ساری رکاوٹیں بھی ختم ہو گئیں اور اس رجحان میں مزید تیزی آ گئی۔بقول مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی:

> ''دہلی میں جب انگریزی حکومت قائم ہوئی تو علما و ثقات کا عام مسلک یہ رہا کہ انگریزی ملازمت سے اجتناب کیا جائے، لیکن پھر آہستہ آہستہ نرم پڑتے گئے، چنانچہ دہلی کے کئی خاندانی آدمیوں نے ملازمت اختیار کر لی تھی۔حضرت شاہ عبدالعزیز کا مولوی عبدالحی

اپنے خویش کو ملازمت میرٹھ کی اجازت دے دینا اس دروازے کی آخری بندش کا ٹوٹنا تھا-''(باغی ہندوستان،ص:۱۴۸)

انگریزی ملازمت کو قبول کرنے میں نہ تو علامہ فضل حق خیرآبادی یا ان کے خاندان کا تفردتھا نہ چند علما کا اختصاص، بلکہ بلا تفریق مسلک ومشرب ہر طبقے کے کثیر علما نے اس کو قبول کیا-مختصر تلاش وتحقیق کے بعد ایسے علما کی ایک فہرست یہاں دی جارہی ہے- مزید تحقیق وتتبع سے اس فہرست میں اضافہ ہوسکتا ہے-☆

مولانا مملوک علی نانوتوی	(ف:۱۸۵۱ء)	صدر مدرس (عربی): دہلی کالج، مدرس: اجمیر کالج، ڈپٹی انسپکٹر مدارس: بریلی، بنارس، سہارنپور
مولانا احسن نانوتوی	(ف:۱۸۹۵ء)	پروفیسر (عربی وفارسی) بنارس وبریلی کالج
مولانا مظہر نانوتوی	(ف:۱۸۸٦ء)	مدرس: اجمیر کالج وآگرہ
مولانا منیر نانوتوی		مدرس: بریلی کالج
مولانا ذوالفقار علی دیوبندی		مدرس: بریلی کالج، ڈپٹی انسپکٹر مدارس
مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی		ڈپٹی انسپکٹر مدارس
مولوی عبدالاحد		تھرڈ ماسٹر گورنمنٹ اسکول بدایوں، ہیڈ ماسٹر ''رسالہ نمبر ۱۵ بنگال'' انبالہ
مولوی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی	(ف:۱۹۱۲ء)	ڈپٹی انسپکٹر مدارس، کانپور والہ آباد، ڈپٹی کلکٹر (موجودہ صوبہ اترپردیش)
قاضی نجم الدین کاکوروی	(ف:۱۸٦۸ء)	اول قاضی القضاۃ: کلکتہ
مولانا فضل امام خیرآبادی	(ف:۱۸۲۹ء)	صدر الصدور: دہلی
مفتی صدر الدین آزردہ	(ف:۱۸٦۸ء)	صدر الصدور: دہلی
مولانا امام بخش صہبائی	(ف:۱۸۵۷ء)	صدر مدرس (فارسی): دہلی کالج

☆انگریزی ملازمت قبول کرنے والے علما کی یہ فہرست زمانی ترتیب پر مشتمل نہیں ہے-

قاضی امام الدین کاکوروی	(ف:۱۸۲۳/۴ء)	قاضی: بنارس، صوبہ بہار
مفتی عنایت احمد کاکوروی	(ف:۱۸۶۲/۳ء)	منصف صدر امین: کول، بریلی
قاضی علیم الدین	(ف:۱۸۴۱/۲ء)	مفتی عدالت، قاضی دائر وسائر، صدر اعلیٰ
قاضی حکیم الدین	(ف:۱۸۷۹ء)	سر رشتہ دار بمحکمۂ عدالت، صدر امین، صدر الصدور
مولوی غلام قادر گوپاموی		ناظر سر رشتہ دار: عدالت دیوانی، تحصیل دار گڑگاؤں
قاضی سعید الدین	(ف:۱۸۴۶ء)	قاضی دائر وسائر
مولوی قادر بخش خیرآبادی		صدر الصدور: عدالت فوج داری پٹیالہ
مولوی محمد صالح		سرکاری اخبار نویس راجپوتانہ
مولانا فضل رسول بدایونی	(ف:۱۸۷۲ء)	سررشتہ دار: کلکٹری صدر دفتر سہسوان
مفتی انعام اللہ گوپاموی	(ف:۱۸۵۷/۸ء)	سرکاری وکیل الہ آباد
مفتی لطف اللہ علی گڑھی	(ف:۱۹۱۶ء)	سررشتہ دار امین: بریلی
مفتی خلیل الدین خان	(ف:۱۸۶۴/۵ء)	سفیر اودھ بدربار گورنر جنرل
مولوی مسیح الدین خان	(ف:۱۸۸۲ء)	میر منشی گورنر جنرل بہادر، سفیر شاہ اودھ
مولوی ریاض الدین	(ف:۱۸۷۸ء)	مفتی ومنصف: آگرہ
مولوی رضی الدین خان	(ف:۱۸۵۷/۸ء)	مفتی وصدر امین: آگرہ، دہلی، صدر الصدور الہ آباد
مولانا فضل الرحمٰن		مختلف مناصب: ریاست پٹیالہ
مولوی فضل حکیم		سیشن جج: پٹیالہ
مولوی فضل علیم		سیشن جج: پٹیالہ
مفتی شہاب الدین	(ف:۱۸۴۰ء)	مفتی وصدر الصدور: مغربی ہند
قاضی وحید الدین خان	(ف:۱۸۵۶/۷ء)	قاضی: عظیم آباد پٹنہ

مولانا محمد حسن خاں	(ف:۱۸۷۳ء)	صدرالصدور: بریلی
مولوی فضل عظیم خیرآبادی		تحصیل دار و ڈپٹی کلکٹر: سہارن پور
مولوی مجید الدین خان	(ف:۱۸۵۳/۴ء)	صدر اعلیٰ (سول جج) اجمیر
مولوی عبدالقادر رامپوری	(ف:۱۸۴۹ء)	صدرالصدور: مرادآباد
مفتی اسداللہ الٰہ آبادی	(ف:۱۸۸۲/۳ء)	مفتی عدالت: فتح پور، قاضی القضاۃ: آگرہ، صدرالصدور: جون پور
قاضی عطارسول چریاکوٹی		قاضی: الٰہ آباد
قاضی ارتضیٰ علی گوپاموی	(ف:۱۸۳۵/۶ء)	قاضی: مدراس
مولانا سید عبدالفتاح		مفتی عدالت: ضلع خاندیش، پروفیسر (عربی وفارسی) الفنسٹن کالج
مولوی علی بخش خان	(ف:۱۸۸۴ء)	صدرالصدور
مولوی عبدالحی بڈھانوی	(ف:۱۸۲۸ء)	مفتی عدالت: میرٹھ
مولوی امیر احمد سہسوانی	(ف:۱۸۸۸/۹ء)	ملازم: آگرہ
مولوی احمد حسن خاں	(ف:۱۸۸۱ء)	صدرالصدور: بریلی
مولوی نورالحسن کاندھلوی	(ف:۱۸۶۸/۹ء)	تحصیل دار: دیوبند

چند توجہ طلب نکات: انگریزی ملازمت کے سلسلے میں اس تفصیل کو جاننے کے بعد جو باتیں ہمیں سمجھ میں آتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱-علما کا عموماً انگریزی ملازمت اختیار کرنا ان کی معاشی مجبوری بھی تھی اور سیاسی بھی، کیوں کہ سقوط دہلی کے بعد جس طرح ملک کی سیاسی اور معاشرتی صورت حال تھی اس میں انگریزی پنجۂ اقتدار سے آزادی کا حصول ایک خواب تھا، کیوں کہ ماضی کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی تھیں، ایسے ماحول میں مسلمانوں کی مذہبی اور معاشرتی رہنمائی کے لیے ضروری تھا کہ وہ انگریزی ملازمت قبول کریں- ایسا کرنا حکومت کے ساتھ تعاون سے زیادہ مسلمانوں سے تعاون تھا- اگر علما نے اجتماعی طور پر سارے مناصب ٹھکرا دیے ہوتے تو پھر

مسلمانوں کی سیاسی، معاشرتی، مذہبی اور معاشی طور پر کیا صورت حال ہوتی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۲-انگریزی ملازمت کو قبول کرنے میں عملی اور فکری طور پر علما کی اکثریت شامل تھی- فرق یہ تھا کہ کچھ علما نے اس کام میں عملی سطح پر پہل کی اور کچھ نے بعد میں اپنے موقف کو تبدیل کر کے انگریزی ملازمت اختیار کر لی یا کم از کم اس کی قبولیت کا شرعی فتویٰ جاری کر دیا-

۳-انگریزی ملازمت کو عملی اور فکری طور پر قبول کرنے کو اگر انگریزی اقتدار کی بحالی اور استحکام میں تعاون تصور کیا جاتا ہے تو اس تعاون میں صرف علامہ فضل حق خیرآبادی شامل نہیں تھے بلکہ باستثنائے چند ہندوستان کے سارے علما اس میں شریک تھے-

۴-انگریزی ملازمت قبول کرنے والے صرف علامہ فضل حق کے ہم فکر و ہم مسلک علما نہیں تھے، شاہ اسماعیل اور سید احمد رائے بریلوی کے ہم خیال علما کی بھی ایک بڑی تعداد تھی، مثلاً مولوی عبدالحی بڑھانوی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولوی امیر احمد سہسوانی وغیرہ-

۵-جس طرح موجودہ عہد میں ہندوستانی حکومت کے زیر اقتدار کسی سرکاری منصب کو قبول کرنے پر حکومت کی ہم نوائی، اس سے وفاداری اور محبت کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا اسی طرح انگریزی سرکار میں محض کسی منصب کو قبول کرنے سے انگریزوں کی طرفداری کا الزام رکھنا غلط انداز فکر ہے-

انگریزی ملازمت اور انگریز نوازی میں فرق: انگریزی ملازمت اور انگریزوں سے محبت وحمایت دو الگ الگ چیزیں ہیں- انگریزوں سے حمایت وتعاون کرنے کے لیے ان کی ملازمت کو قبول کرنا ضروری نہیں- تاریخ کا مطالعہ اس فرق کو اجاگر کرتا ہے- یہ تاریخی سچائی ہے کہ بہت سے علما انگریزی ملازمت اختیار کرنے کے باجود زندگی بھر ان سے نفرت کرتے رہے بلکہ معرکۂ ستاون میں ان کے خلاف پورے جوش وولولے کے ساتھ حصہ بھی لیا اور ایسے بے شمار علما تھے جنھوں نے انگریزی ملازمت نہ کرنے کے باجود پوری زندگی ان سے محبت و وفاداری کا مظاہرہ کیا بلکہ ان کی حکومت کو مستحکم کرنے میں بھرپور تعاون بھی دیا- ایسے علما کی ایک لمبی فہرست ہے- تاہم ان میں خاص طور پر میاں نذیر حسین دہلوی، مولانا

سمیع اللہ دہلوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولوی محبوب علی اور مولوی کرامت علی جونپوری کا نام لیا جاسکتا ہے۔

● میاں نذیر حسین دہلوی کے تعلق سے مولوی جعفر تھانیسری نے ''تواریخ عجیب'' میں ذکر کیا ہے کہ:

''مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی جو ایک نامی خیر خواہ دولت انگلشیہ کے ہیں واسطے خدمت گوئندہ گری وہابیوں کے دہلی سے راولپنڈی طلب ہوئے۔'' (تواریخ عجیب (کالا پانی)، ص:۸۱)

مولوی جعفر تھانیسری کا یہ اقبالیہ بیان بھی قابل مطالعہ ہے:

''عین بغاوت ۱۸۵۷ء کے عام فتنہ کے وقت بجائے بغاوت اور فساد کے، وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بچوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے گھروں میں چھپا رکھا۔'' (مرجع سابق، ص:۸۴)

''تواریخ عجیب'' کے مرتب اور محشی پروفیسر ایوب قادری نے اس اقتباس کے تحت میاں جی کی سوانح ''الحیات بعد الممات'' سے یہ حاشیہ لگایا کہ:

''شیخ الکل میاں نذیر حسین اور ان کے صاحبزادے شریف حسین وغیرہ نے مسز لیسنس (Mrs. Leesons) کو ۱۸۵۷ء میں ساڑھے تین ماہ اپنے گھر میں چھپا رکھا اور پھر بحفاظت تمام برٹش کیمپ میں پہنچایا اور نقد انعام حاصل کیا۔''

(مرجع سابق، حاشیہ، ص:۸۴)

● مولانا سمیع اللہ دہلوی مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے، انھوں نے انگریزوں کی ملازمت تو نہیں کی، لیکن انگریزوں کے ہمیشہ معتمد علیہ رہے۔ مملوک علی نانوتوی کے دوسرے شاگرد مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے موصوف کی سوانح عمری لکھی ہے جو ۱۹۰۹ء میں مطبع انوار الاسلام حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب سے ایک اقتباس پروفیسر ایوب قادری نے اپنی کتاب ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' میں نقل کیا ہے:

''۱۶ر ستمبر۱۸۸۴ء کو مولوی سمیع اللہ مصر میں انگریزوں کے استعمار کو مضبوط کرنے کی غرض سے پولیٹکل مشن پر مصر گئے اور وہاں انھوں نے جمال الدین افغانی کی تحریک (جو برطانوی استعمار کے خلاف تھی) کو نقصان پہنچایا- ان خدمات کے صلے میں ان کو سی ایم جی کا خطاب ملا-'' (مولانا محمد احسن نانوتوی، ص:۱۸۴)

● مولانا محمد حسین بٹالوی نے بھی کبھی انگریزی ملازمت نہیں کی تاہم انگریزوں کے بڑے وفادار رہے- ان کے تعلق سے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

''۱۸۵۷ء میں مولوی محمد حسین سرگروہ موحدین لاہور، بجواب وسوال ومسئلہ اور اس فتوے کے کہ آیا بمقابلہ گورنمنٹ ہند، مسلمانان ہند کو جہاد کرنا اور اپنی مذہبی تقلید میں ہتھیار اٹھانا چاہیے یا نہیں؟ یہ جواب دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ جہاد جنگ مذہبی بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا بمقابلہ اس حاکم کے کہ جس نے آزادی مذہبی دے رکھی ہے اور از روئے شریعت اسلام عموماً خلاف وممنوع ہے اور وہ لوگ جو بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا کسی اس بادشاہ کے کہ جس نے آزادی مذہب دی ہے، ہتھیار اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں، کل ایسے لوگ باغی ہیں اور مستحق سزا کے مثل باغیوں کے شمار ہوتے ہیں-''

(ترجمان وہابیہ، ص:۱۲۰، بحوالہ: برطانوی مظالم کی کہانی عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری کی زبانی، ص:۳۳۷)

اس فتوے کے تعلق سے پروفیسر ایوب قادری نے لکھا ہے:

''جماعت اہل حدیث کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ/ ۱۳۳۸ھ) نے سرکار انگریزی سے موافقت اور وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کہ جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' تصنیف کیا اس کتاب کے ترجمے اردو انگریزی اور

عربی میں ہوئے انگریزی اور اردو ترجمے سر چارلس اٹیکسن اور سر
جیمس لائل، گورنران پنجاب کے نام معنون کیے گئے ہیں-''

(تواریخ عجیب (کالا پانی) حاشیہ،ص:۸۵)

مذکورہ فتوے کے حوالے سے مولانا مسعود عالم ندوی نے ذکر کیا ہے:

''معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار
انگریزی سے انھیں جاگیر بھی ملی-''

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک،ص:۲۰)

● مولوی محبوب علی مولانا سید احمد رائے بریلوی کے مرید و خلیفہ تھے اور ان کے تحریک جہاد کے سرگرم رکن بھی، تاہم آخری زمانے میں اپنے مرشد کی تحریک جہاد کو غلط بلکہ فساد سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے- سر سید احمد خاں نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''شاید اس مضمون کے پڑھنے والے اس عجیب بات کے سننے سے
بھی خوش ہوں کہ مولوی محبوب علی صاحب وہی شخص تھے جن کو
۱۸۵۷ء میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامۂ غدر میں
طلب کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانے میں
انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت ایک فتویٰ پر اپنے دستخط کریں-مگر
مولوی محبوب علی نے صاف انکار کیا اور بخت خاں سے کہا کہ ہم
مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں، ہم اپنے مذہب کی رو سے
اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور طرہ بریں یہ ہوا کہ جو ایذا
بخت خاں اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں اور بچوں کو دی
تھی اس کی بابت بخت خاں کو سخت لعنت ملامت کی-'' (ہنٹر پر
ہنٹر،ص:۳۲،بحوالہ: برطانوی مظالم کی کہانی عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری
کی زبانی،ص:۱۸۷)

● مولوی کرامت علی جونپوری بھی سید احمد رائے بریلوی کے مرید و معتقد تھے،

موصوف نے بھی کبھی انگریزی ملازمت نہیں کی لیکن انگریزوں کے خلاف فتویٔ جہاد کی سختی سے مخالفت کرتے رہے-''تذکرۂ علمائے ہند'' مؤلفہ مولوی سید رحمان علی کے مرتب پروفیسر ایوب قادری نے لکھا ہے کہ:

> ''مولوی کرامت علی بن شیخ امام بخش جونپور میں پیدا ہوئے، شیخ احمد علی چریا کوٹی، مولانا احمد اللہ انامی اور مولانا قدرت اللہ ردولوی سے تحصیل علم کی، علم قرأت وتجوید سید ابراہیم مدنی سے حاصل کیا، سید احمد شہید کے مرید ہوئے، بنگال میں اسلام کی اشاعت کی، مولوی شریعت اللہ کی تحریک کا شدت سے رد کیا- انگریزی حکومت کی موافقت میں جہاد کے خلاف فتویٰ دیا-''
>
> (تذکرۂ علمائے ہند، ص:۳۹۶)

یہاں مشتے نمونہ از خروارے چند علما کا ذکر کیا گیا، جن میں اکثر نے انگریزی ملازمت تو نہیں کی لیکن ہمیشہ عملی اور فکری حیثیت سے انگریزی اقتدار کو مستحکم کرنے میں اپنی حصہ داری پیش کی- لطف کی بات یہ ہے کہ تحقیق وتفتیش سے ایسے ہی علما کی انگریز نوازی سامنے آتی رہی ہے جو سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد سے عملی طور پر وابستہ رہے یا کم از کم نظریاتی حیثیت سے اس جماعت سے متفق تھے- خود سید صاحب اور شاہ اسماعیل دہلوی کی سیرت پر لکھی جانے والی اولین اور معاصر کتابیں نہ صرف سید صاحب اور ان کی تحریک کے تعلق سے انگریز مخالفت کی تردید کرتی ہیں، بلکہ ان میں شامل متعدد واقعات انگریزی سرکار کی معاونت کا اشارہ بھی دیتے ہیں- پھر یہ کہ سید صاحب اور شاہ اسماعیل کی قیادت میں ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۱ء تک سرحد پر جتنی بھی چھوٹی بڑی جنگیں ہوئیں وہ سب کی سب قبائلی پٹھانوں اور سکھوں سے ہوئیں- تاریخ کی کسی بھی مستند کتاب میں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مذکورہ پانچ سالوں میں سید صاحب کے قافلے سے انگریزوں کی کوئی معمولی جھڑپ بھی ہوئی ہو-

دوسری طرف علامہ فضل حق خیرآبادی کی شخصیت تھی، جنھوں نے انگریزی ملازمت

اختیار کی اور بقول پروفیسر ایوب قادری ''سید رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل کی تحریک کی مخالفت کے آغاز کا سہرا بھی ان کے سر رہا-'' اس کے باوجود علامہ اور ان کے مسلک و منہاج پر چلنے والوں نے ہمیشہ انگریزوں سے نفرت کا اظہار کیا بلکہ معرکۂ ستاون میں بھرپور حصہ بھی لیا- ''مقالات سرسید'' کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علمائے کرام شامل تھے جو عقیدتاً حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنھوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے-''
>
> (مقالات سرسید، حصہ شانزدہم، حاشیہ ص:۲۵۲)

علامہ خیرآبادی کے تعلق سے مولانا مسعود عالم ندوی نے مولانا محمد حسین بٹالوی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (۱۲۵۶ھ/۱۳۳۸ھ) نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور حد یہ کہ وقت کے بعض مشہور حنفی علما (مولانا فضل حق خیرآبادی اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی) کو (رسالہ اشاعت السنۃ میں) سرکار سے بغاوت کے طعنے دیے-''
>
> (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص:۲۱)

ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی ملازمت قبول کرنا اور ہے اور انگریزنوازی اور، جس کے لیے منصب کو قبول کرنا ضروری نہیں ہوتا- تاریخی شواہد کو نظرانداز کرتے ہوئے جب تک اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، علامہ خیرآبادی اور ان جیسے علما کی حب الوطنی پر سوالیہ نشان کھڑا کرنے کے لیے ایسی کمزور بیساکھیوں کی ضرورت پڑتی رہے گی-

علامہ خیرآبادی اور ملازمت: علامہ فضل حق خیرآبادی نے تیرہ سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں درس سے فراغت حاصل کیا اور اس کے ساتھ ہی تدریس کا آغاز کر دیا-

علمی شوکت اور فکری دبدبے کی وجہ سے انھیں جلد ہی شہرت مل گئی- اس شہرت نے انگریزی ملازمت کی راہ ہموار کی اور انیس سال کی عمر میں ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں سب سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ملازمت کا آغاز کیا اور سررشتہ دار عدالت دیوانی (کچہری چیف) مقرر ہوئے- سولہ سال تک یہ ملازمت کی اور پھر اس عہدے سے ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء میں آپ مستعفی ہو گئے- اس کے بعد تاریخی طور پر اس بات کا کوئی معاصر ثبوت نہیں ملتا کہ علامہ کبھی بھی براہ راست انگریزی ملازمت میں رہے ہوں- حالانکہ اکثر محققین کی تحریروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ علامہ نے دہلی کے بعد بھی مختلف جگہوں پر انگریزی ملازمت کی ہے- تحقیق رسوخ کی کمی کی وجہ سے بعض محققین نے تو کھل کر بھی اس تاثر کا اظہار کر دیا ہے:

> ''۱۸۳۱ء میں معرکۂ بالاکوٹ کے بعد بھی وہ نہ صرف حکومت کی ملازمت میں تھے بلکہ جھجھر، الور، ٹونک، سہارن پور اور رام پور میں حکومتی عہدے سنبھالتے ہوئے ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں حضور تحصیل کے مہتمم و صدرالصدور ہو گئے-''
>
> (شمیم طارق، غالب اور ہماری تحریک آزادی، ص:۵۹)

جب کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے کہ ہر جگہ علامہ حکومتی ملازمت میں رہے- سررشتہ دار عدالت دیوانی کے عہدے سے مستعفی ہونے کے بعد مختلف ریاستوں کے نوابوں نے قدر دانی علم و فضل کی بنیاد پر انھیں اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے یہاں رکھا جہاں علامہ نے درس و تدریس کے ساتھ بعض اوقات ریاست کے انتظامی امور میں بھی اپنی علمی اور فکری خدمات پیش کی-

جھجھر: ۱۸۳۱ء میں دہلی کی انگریزی ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد ۱۸۳۲ء میں والی جھجھر نواب فیض محمد خاں کی دعوت پر علامہ جھجھر چلے گئے، جہاں نواب نے آپ کے لیے پانچ سو روپیے ماہانہ مشاہرہ برائے مصارف خدام مقرر کیا-

تاریخ جھجھر میں ہے:

> '' مولوی فضل حق، یہ شخص رہنے والا خیرآباد کا تھا اور آدمی بڑا نامی

گرامی اور علم و فضل میں ایک علامہ روزگار تھا کہ ہندوستان میں مثل
اس کے دوسرا اہم عصر کم ہوگا - جب اس نے عہدہ سر رشتہ داری دہلی کو
چھوڑا تو قدر دانی فیض محمد خاں سے وہ جھجھر میں آیا اور ایک مدت
مصاحبت نواب میں رہا - آخر کار بسبب و راستہ مزاجی اپنی کے
نوکری چھوڑ کر چلا گیا -'' (تاریخ جھجھر، ص:۲۱۲)

جھجھر میں علامہ کے قیام کی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ایوب قادری
نے لکھا ہے:

''جھجھر کے قیام میں مولانا خیرآبادی کو مصاحبت دربار سے واسطہ
رہا، لیکن خیال یہ ہے کہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی رہا ہوگا اور طلبہ نے
اکتساب فیض کیا ہوگا -''

(مولانا فضل حق خیرآبادی: دور ملازمت، ص:۳۰)

سہارن پور: علامہ کے تمام تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ جھجھر کے بعد علامہ الور،
سہارن پور اور ٹونک میں رہے - لیکن وہاں کب اور کتنی مدت تک رہے؟ وہاں ملازمت کی یا
نہیں؟ اگر ملازمت کی تو کس کی ملازمت کی اور کس عہدے پر رہے؟ ان تمام اہم سوالوں
کے جوابات دینے سے معاصر مآخذ قاصر ہیں - اس تعلق سے امیر مینائی نے صرف اتنا اشارہ
دیا ہے کہ:

''مولانا فضل حق خیرآبادی الور، سہارن پور اور ٹونک سب جگہ معزز و
مؤقر رہے -'' (انتخاب یادگار، ص:۲۹۲)

اس کے علاوہ علامہ کے مقدمے کے دوران دو گواہان صفائی قادر بخش اور نبی بخش نے
ظن و تخمین اور خیال و شنید پر مبنی سہارن پور کی ملازمت کے تعلق سے کہا ہے - قادر بخش نے
مقدمے کے دوران بیان دیا کہ:

''مجھے ان کے سابق حالات سے زیادہ واقفیت نہیں - میرا خیال ہے
کہ وہ سہارن پور میں سر رشتہ دار تھے - لیکن کب، اس کا مجھے علم

نہیں۔'' (مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

سہارن پور کے تعلق سے اس کے علاوہ اور کوئی تفصیل اب تک سامنے نہیں آسکی ہے۔ اس بات کا اظہار علامہ کے اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

ڈاکٹر سلمہ سیہول لکھتی ہیں:

''علامہ فضل حق کے بڑے بھائی فضل عظیم سہارن پور میں افسر تھے۔ علامہ ملازمت دہلی کے دوران سہارن پور بھائی کے پاس جایا کرتے تھے۔ قیام سہارن پور کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔''

(علامہ محمد فضل حق خیرآبادی، ص:۵۱)

علامہ کے حوالے سے سہارن پور کے تعلق سے جتنی تفصیل مل سکی ہے اس سے کم از کم یہ حتمی فیصلہ نہیں سنایا جاسکتا کہ علامہ سہارن پور میں انگریزی ملازمت میں تھے، ایسا کرنا علمی اور تحقیقی دیانت کے خلاف ہوگا۔

الور، ٹونک: سہارن پور ہی کی طرح علامہ کے تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ نے ریاست الور اور ٹونک میں ملازمت کی لیکن معاصر مآخذ اس کی تفصیل سے بھی خالی ہیں۔ اس سلسلے میں دو معاصر شواہد ہیں جن سے صرف علامہ کے الور اور ٹونک میں قیام کا پتہ چلتا ہے، وہاں انھوں نے ملازمت کی یا نہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ایک تو امیر مینائی کا بیان کہ ''مولانا فضل حق خیرآبادی الور، سہارن پور اور ٹونک سب جگہ معزز و مؤقر رہے۔'' اور دوسرا علامہ کے ساتھی مفتی صدر الدین آزردہ کا وہ شعر جس میں انھوں نے علامہ کے قیام الور کا ذکر کیا ہے:

''رشک تہران وصفاہان شدہ دلی از من
الور از ذات ہمایون تو یوناں باشد

ترجمہ: میری وجہ سے دلی رشک تہران اور صفاہان بن گئی ہے۔ آپ کی بابرکت ذات سے الور یونان ہوگا۔'' (علمائے خیرآباد و بدایوں کے روابط، مشمولہ ماہنامہ مظہر حق ''تاج الفحول نمبر''، ص:۴۳۱)

انھی معاصر شواہد کے پیش نظر نادم سیتاپوری نے لکھا ہے کہ:

''مہاراجہ الور نے اپنے یہاں بلا لیا۔'' (غالب نام آورم، ص: ۱۰۷، بحوالہ علامہ محمد فضل حق خیرآبادی، ص: ۵۰)

اور ٹونک میں قیام کے حوالے سے مفتی انتظام اللہ شہابی نے ذکر کیا ہے کہ:

''مولانا فضل حق نواب وزیرالدولہ کے عہد میں ان کی طلبی پر ٹونک گئے۔'' (حیات علامہ فضل حق خیرآبادی اوران کے سیاسی کارنامے، ص: ۲۶)

محققین نے مذکورہ تینوں جگہوں کے قیام کی مجموعی مدت ۱۸۳۵ء تا ۱۸۴۰ء تقریباً پانچ سال بتائی ہے، ان کے اس خیال کی بنیاد یہ ہے کہ رئیس جھجھر نواب فیض محمد خاں کا انتقال ۱۶/اکتوبر ۱۸۳۵ء میں ہوا، اس کے بعد علامہ نے جھجھر کو خیرآباد کہا ہوگا- دوسری طرف قدیم مآخذ سے پتا چلتا ہے کہ ریاست رام پور میں نواب محمد سعید خاں کے تخت نشین ہونے (۲۰/اگست ۱۸۴۰ء) کے معاً بعد دیگر علما اور ادبا کے ساتھ علامہ بھی کتابوں کے ترجمہ وتالیف پر مامور ہوئے-

۱۸۳۵ء تا ۱۸۴۰ء کے درمیان الور میں راجہ بنے سنگھ اور ٹونک میں وزیرالدولہ نواب وزیرخاں وہاں کے حاکم اور رئیس تھے، انھیں کی طلبی پر علامہ وہاں گئے بھی تھے، ایسی صورت میں اگر علامہ نے وہاں قیام کے دوران ملازمت بھی کی ہوگی تو ان نوابین الور اور ٹونک کی ہی کی ہوگی- الور اور ٹونک میں انگریزی ملازمت کا کوئی جواز نہیں بنتا- اس خیال کی بھرپور تائید علامہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے اپنے مقدمے کے دوران عدالت کو دیا- علامہ فرماتے ہیں:

''میں الور کے راجہ کی ملازمت میں تھا، میں ان کے ساتھ پانچ سال رہا اور بغاوت کے شروع ہونے پر بھی ان کے ساتھ تھا-''

(مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

علامہ ۱۸۵۶ء سے آغاز ۱۸۵۷ء تک بھی الور میں مہاراجہ الور کے یہاں ملازم تھے، مذکورہ بیان کا آخری حصہ اسی کی طرف اشارہ ہے-

رام پور: ۲۰/اگست ۱۸۴۰ء میں نواب محمد سعید خاں ریاست رام پور میں تخت نشیں ہوئے اور زمام ریاست سنبھالنے کے بعد ہی چند تجربہ کار علما کو قدر دانی علم کی بنیاد پر رام پور بلالیا اور انہیں کتابوں کے ترجمے و تالیف پر مامور کیا- انہی علما میں علامہ خیرآبادی بھی تھے- امیر مینائی نے رام پور میں علامہ کے قیام کی مدت ۸/سال بتائی ہے، یعنی-۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۷ء تک، پھر ۱۹۴۷ء میں ہی علامہ رام پور سے لکھنؤ چلے گئے ان ۸/سالوں میں والی رام پور نواب محمد سعید خاں نے ان کے ذمے جو کام سونپے وہ یہ تھے:

۱- کتابوں کے ترجمے اور تالیف کا کام- یہاں پر ہی آپ نے اپنی معروف کتاب ہدیہ سعدیہ عربی زبان میں لکھی اور نواب صاحب کے نام معنون کیا- یہ کتاب ہندوستان اور مصر دونوں جگہوں سے شائع ہوئی-

۲-محکمۂ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین (دیوانی وفوجداری) کے حاکم مقرر کیے گئے-

۳-اپنے صاحبزادگان نواب محمد یوسف علی خاں اور نواب محمد کاظم علی خان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری- جب یہ دونوں ریاستی کاموں میں مصروف ہوئے تو پھر ان کے صاحبزادے نواب محمد کلب علی خاں بن نواب محمد یوسف علی خان اور فدا علی خان بن نواب محمد کاظم علی خان کی تعلیم وتربیت علامہ کے سپرد کردی گئی-

ان کے علاوہ ہندوستان کے مختلف خطوں سے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد نے اکتساب علم وفن کیا-

حکیم نجم الحسن خاں رام پوری لکھتے ہیں:

> ''مولوی فضل حق صاحب فاروقی خیرآبادی ابن مولانا فضل امام صاحب کو آپ نے بلا کر نوکر رکھا-محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتیں پر مامور کیا- مولوی صاحب نے ہدیہ سعدیہ فی حکمۃ الطبیعہ زبان عربی میں نواب صاحب کے نام نامی پر معنون کیا-''
>
> (اخبار الصنادید، جلد دوم، ص:۲۱)

منشی امیر احمد مینائی رقم طراز ہیں:

''اس دار الریاست رام پور میں پہلے محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین پر مامور تھے- جناب مستطاب نواب محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں انا اللہ برھانہم کو بھی آپ سے تلمذ رہا ہے اور بندگانِ حضور پرنور دام ملکہم اقبالھم (نواب کلب علی خاں) نے بھی کچھ پڑھا ہے- آٹھ سال بہت اعزاز واکرام کے ساتھ رہے تھے، یہاں سے تشریف لے گئے-'' (انتخاب یادگار، ص:۲۹۲)

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ رام پور میں علامہ کی جو بھی سرگرمیاں تھیں وہ خالص علمی وتدریسی تھیں یا پھر ریاستی امور سے متعلق تھیں- ان سرگرمیوں کا تعلق نہ تو سرکار کمپنی کی ملازمت سے تھا اور نہ ہی ان کے اقتدا کے استحکام اور تعاون سے-

لکھنؤ: ۱۳رفروری ۱۸۴۷ء کو سلطنت اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ تخت نشیں ہوئے تو علامہ رام پور سے لکھنؤ بلا لیے گئے- واجد علی شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد ۹رجولائی ۱۸۴۷ء کو سفارت کے عہدے سے مصلح السلطان معزول ہوئے- ان کی معزولی کی وجہ پروفیسر ایوب قادری نے قیصر التواریخ کے حوالے سے یہ لکھی ہے:

''وہ خوف سلطانی کی وجہ سے ریزیڈنٹ کے اکثر پیغام بادشاہ تک نہیں پہنچاتے تھے اور ریزیڈنٹ اس بات سے پریشان تھا- لہذا مصلح السلطان سفارت کے منصب سے معزول ہوئے اور طے پایا کہ کسی دوسرے شخص کو سفیر مقرر کیا جائے-''

(مولانا فضل حق خیرآبادی: دور ملازمت، ص:۵۷)

اس طرح علامہ کے علم وفضل اور امتیاز واختصاص کی بنیاد پر سفارت کے لیے تین افراد کے ساتھ علامہ کا نام بھی تجویز ہوا، مگر حافظ الملک رحمت خاں کے پوتے محمد خاں کو سفارت کا منصب عطا ہوا- حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

''پہلے آپ کو مملکت اودھ کا سفیر بنا کر کلکتہ بھیجا جا رہا تھا، مگر پھر مرکز ہی میں ''صدر الصدور'' اور ''کچہری حضور تحصیل'' کے مہتمم کا منصب

دیا گیا-''(سفر اور تلاش،ص:۵۰)

واجد علی شاہ کی تخت نشینی کے بعد نومبر ۱۸۴۷ء میں ہی سلطنت کی درستی اور اصلاح کا کام شروع ہوا- جس کے نتیجے میں ''کچہری حضور تحصیل'' مقرر کی گئی اور علامہ کو اس کا مہتمم بنایا گیا نیز صدر الصدور کا عہدہ بھی دیا گیا- علامہ تقریباً ۹؍سالوں (۱۸۵۶ء کی ابتدا) تک ان عہدوں پر فائز رہے- ۴؍فروری ۱۸۵۶ء کو جب سرکار انگریزی نے واجد علی شاہ کو معزول کیا اور اودھ کی خود مختاری کو ختم کر کے اسے کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر لیا تو علامہ بھی لکھنو چھوڑ کر الور چلے گئے- جہاں راجہ بنے سنگھ نے بقول نجم الغنی خاں ''مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی نامور منطقی کو اپنے یہاں نوکر رکھا-''

اس طرح علامہ کی لکھنو کی ملازمت بھی سلطنت اودھ کی خود مختاری میں شروع ہوئی اور اسی پر ختم ہو گئی، اس ملازمت کا تعلق بھی کمپنی سرکار سے نہیں تھا- علامہ کی ملازمت کا آخری پڑاؤ الور تھا- جہاں وہ مہاراجہ الور کے ملازم رہے اور جب ۱۸۵۷ء میں جنگ کا آغاز ہوا تو دہلی آ گئے- اپنی تقریباً ۴۱؍سالہ دور ملازمت میں علامہ نے ابتداً سولہ سال دہلی میں انگریزی ملازمت کی بقیہ پچیس سالوں تک وہ مختلف والیان ریاست کے یہاں ملازم رہے اور علم و ادب کی سرپرستی فرمائی نیز مسند تدریس لگائی- اس لیے تحقیق کے نام پر علامہ کے حوالے سے یہ تاثر دینا کہ علامہ نے پوری زندگی انگریزی ملازمت کی یا ان کے دست نگر رہے، غلط زاویۂ فکر و نظر ہے-

علامہ خیر آبادی کی انگریزوں سے نفرت: علامہ خیر آبادی شروع سے ہی انگریزوں اور کمپنی حکام سے بیزار اور ان کے مخالف رہے جس کا اندازہ متعدد معاصر شواہد اور واقعات سے ہوتا ہے- وقت گزرنے کے ساتھ انہوں نے انگریزوں کے مظالم اور مکر و فریب کا جیسے جیسے مشاہدہ کیا ان کی بیزاری اور مخالفت نفرت میں تبدیلی ہوتی چلی گئی اور مخالفت اور نفرت کی وجہ سے علامہ نے معرکۂ ستاون میں پورے جوش وولولے کے ساتھ لیا- قصائد فتنۃ الہند اور الثورۃ الہندیہ کے علاوہ ہم ان شواہد اور واقعات کو یہاں پیش کرنے جا رہے ہیں جو علامہ کی انگریز بیزاری اور نفرت کو اجاگر کرتی ہے-

● علامہ نے بوجہ مجبوری اپنی زندگی کا آغاز نگریزی ملازمت سے کیا، یہ ملازمت انہیں طبعًا پسند نہیں تھی، اس لیے اس سے نہ صرف مستعفی ہوئے بلکہ دوبارہ انگریزی ملازمت اختیار بھی نہیں کی- علامہ کی انگریزی ملازمت اور انگریزوں کے تعلق سے صحیح رائے کا اندازہ ان کے ایک خط سے ہوتا ہے جسے انہوں نے اپنی ملازمت کے تین سالوں کے بعد ۱۸۱۸ء میں اپنے والد مولانا فضل امام خیرآبادی کے نام لکھا ہے- اس خط کا یہ اقتباس قابل مطالعہ ہے:

هذاوالمملوک بفضل ربه فی رفاع حالٍ وفراغ بال، لایشتکی وصبا ولایلتقی نصباً، غیر ما فی الخدمة من المحنة والمهنة، فانه یظل واقفاً بین یدی الحاکم وینسخ احکامه التی حقها أن ینسخ فی رد النظام، والذی نفسی بیده لولا خشیة العار و مظنة الشنار لارتحلت من هذی الدیار الی غیرها من الامصار، ولاتخذت التوکل معاشاً-

(علامہ کی قلمی بیاض(فوٹو اسٹیٹ)،مشمولہ العلامۃ فضل حق الخیرآبادی مع تحقیق کتابہ الثورۃ الھندیہ)

ترجمہ: میں خدا کے فضل وکرم سے خوش حال اور مطمئن ہوں، مجھے کسی رنج والم کا شکوہ نہیں ہے، مگر ملازمت میں ذلت وخواری بہت ہے، حاکم کے سامنے مستقل حاضر رہنا پڑتا ہے اور اس کے وہ احکام املا کرنا ہوتے ہیں جو قابل قبول نہیں ہوتے، قسم خدا کی اگر مجھے رسوائی کی شرم نہ ہوتی تو کبھی کا کہیں اور منتقل ہوجاتا اور متوکلانہ زندگی بسر کرتا-

اس خط کے حوالے سے مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے لکھا ہے کہ:

''علامہ اواخر ۱۸۱۵ء سے والد ماجد کے حکم کی تعمیل میں ایسٹ انڈیا

کمپنی کے زمرۂ ملازمین میں شامل ہو گئے تھے۔مگر طبعاً یہ ملازمت
ناپسند تھی، اس لیے ۱۸۱۸ء میں ایک خط والد ماجد کو لکھ کر اظہار
بیزاری کیا۔منشاء پدری نہ پا کر سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے
ملازمت کا تلخ گھونٹ پیتے رہے اور والد ماجد کے انتقال کے
دوسرے ہی سال ۱۸۳۱ء میں اس غیر مطبوع ملازمت سے مستعفی ہو
کر کچھ دن بعد ریاست جھجھر سے تعلق قائم کر لیا۔''

(باغی ہندوستان،ص:۱۵۱)

● علامہ جب سررشتہ دار عدالت دہلی کے ۱۸۳۱ء میں مستعفی ہو کر جھجھر چلے گئے تو مرزا غالب نے'' آئینہ سکندری'' کلکتہ کے مدیر کے نام ۳۱؍جنوری ۱۸۳۲ء کو ایک مراسلہ لکھا اور اس میں اپنے دلی جذبات کا یوں اظہار کیا:

'' آرزو را سرانجام گفتگو دادہ می شود، نہفتہ مباد کہ قدر ناشناسی حکام
رنگ آں ریخت کہ فاضل بےنظیر و یگانہ مولوی فضل حق از سررشتہ داری
عدالت دہلی استعفا کردہ خود را از ننگ و عار وا رہاند حقا کہ اگر پایہ علم و
فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آں مایہ بکاہند کہ از صد یک
داماند و باز آں پایہ را بسر شتہ داری عدالت دیوانی سنجند، ہنوز ایں عہدہ
دون مرتبہ وے خواہد بود۔''(کلیات نثر غالب،ص:۱۴۸)

ترجمہ: اب مدعائے نگارش سنیے! حکام کی بدتمیزی اور قدر ناشناسی کی
بدولت فاضل بےنظیر مولوی فضل حق نے سررشتہ داری عدالت دہلی کی
خدمت سے استعفیٰ دے دیا اور اس خدمت کے ننگ و عار سے
چھوٹ گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سے ہزار درجہ بلند منصب بھی ان
کے علم و فضل کے شایانِ شان نہ تھا۔

اس خط کے حوالے سے حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

''اگر مولانا سے مرزا غالب کے مراسم اخوت واتحاد کے پیش نظر ہم

انہیں مولانا کے جذبات وتاثرات تصور کریں تو بے جانہ ہوگا، خصوصاً
اس لیے کہ فرنگی حکومت کے متعلق مرزا غالب نے ایسے الفاظ کہیں
اور استعمال نہیں کیے۔'' (فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۲۲)

● مولوی نور الحسن کاندھلوی علامہ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، مولوی صاحب ۴ر جنوری ۱۸۴۶ء کو دیوبند ضلع سہارن پور کے تحصیل دار مقرر ہوئے۔لیکن ملازمت کے دوران بعض خلاف طبیعت امور کی وجہ سے اس عہدے سے مستعفی ہوگئے، اس پر علامہ نے مولوی نور الحسن کو خط لکھا اور ان کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی کی اور دینی غیرت کی وجہ سے ملازمت سے مستعفی ہونے پر مسرت کا اظہار کیا۔

''بدریافت قطع کردن آں اعز سلسلۂ روزگار بحمیت دین بغایت مسرور شدم، بفضل رزاق مطلق روزی بسیار است۔ان شاء اللہ تعالیٰ عن قریب در مظفر نگر وغیرہ اضلاع روزگار صورت می بندد، نظر بر شانِ رزاقی باید داشت۔'' (تذکرۂ اسلاف ''حالات مشائخ کاندھلہ''، ص: ۱۴۷، بحوالہ علامہ محمد فضل حق خیرآبادی، ص:۶-۱۸۵)

ترجمہ: دینی غیرت کی بنا پر اس معزز سلسلۂ روزگار کے ختم کرنے کی اطلاع پر میں انتہائی خوش ہوا، رزاق مطلق جل شانہ کے فضل سے روزگار بہت ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ عن قریب مظفر نگر اور دوسرے اضلاع میں روزگار کی صورت بن جائے گی، اللہ تعالیٰ کی شانِ رزاقی پر نظر رکھنی چاہیے۔

● عشرت رحمانی نے اپنے دادا نواب احمد یار خاں کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو سانحۂ ہنومان گڑھی☆ کے وقت لکھنو میں کوتوال تھے:

☆علامہ جس وقت لکھنؤ میں صدر الصدور اور مہتمم ''کچہری حضور تحصیل'' تھے، اسی زمانے (۷ر نومبر ۱۸۵۵ء) میں یہ سانحہ رونما ہوا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ لکھنؤ کے قریب اجودھیا میں مغل بادشاہ بابر نے رام چندر اور سیتا کی رسوئی (باورچی خانہ) کی جگہ ایک مسجد بنادی، یہ ہندو اکثریتی اور مسلم اقلیتی علاقہ تھا، **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)**

> حضرت امیر المجاہد مولانا امیر الدین علی شاہ کی شہادت نے علامہ فضل حق کو بے حد متاثر کیا اور ان کا دل انگریزی ڈپلومیسی اور جبر وظلم سے سخت متنفر ہو گیا-'' (جنگ آزادی کے نامور مجاہدین، ص:۱۲۳، بحوالہ محمد فضل حق خیرآبادی، ص:۱۸۶)

نواب احمد یار خاں کو تو ال کے حوالے سے عشرت رحمانی کے اس بیان سے غلام رسول مہر کی پیش کردہ اس روایت کی تائید ہوتی ہے، مہر صاحب فرماتے ہیں:

> ''ایک روایت ہے کہ مولانا نے ہنومان گڑھی کے واقعہ سے متاثر ہو کر لکھنو کی ملازمت چھوڑ دی-'' (۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص:۲۰۲)

● ۴؍فروری ۱۸۵۶ء کو کمپنی سرکار نے والی اودھ واجد علی شاہ کو معزول کیا تو علامہ بھی اپنے عہدے کو چھوڑ کر لکھنو سے الور چلے گئے- علامہ کا یہ قدم انگریزی عمل داری سے نفرت اور بیزاری کا بھرپور اظہار تھا، ورنہ اتنے اعلیٰ مناصب کو چھوڑ کر چلے جانے کا کوئی جواز نہیں بنتا- ایک تو ۱۸۵۵ء کے اخیر میں رونما ہونے والا ہنومان گڑھی کا سانحہ اور مولانا امیر الدین کے ساتھ سیکڑوں مسلمانوں کی شہادت جس کے پیچھے بجا طور پر انگریزی سازش تھی، بقول

(**بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ**) اس لیے مسلمان مسجد کی حفاظت اور آبادی کی طرف سے غافل ہو گئے، یہاں تک کہ ہندوؤں نے اسے ختم کر کے اس سے متصل ہنومان گڑھی بنا لی- صدیوں کے بعد ۷؍نومبر ۱۸۵۵ء کو کچھ مسلمانوں نے اس مسجد کے احیا کی کوشش شروع کر دی، ہندوؤں نے مزاحمت کی تو مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کے لیے نکل کھڑی ہوئی جس میں ڈھائی سو سے زائد مسلمان شہید ہو گئے- کمپنی سرکار اس زمانے میں سلطنت اودھ پر قابض ہونے کے لیے کوشش کر رہی تھی، اس نے اس ہنگامے کو مزید ہوا دی- حاکم اودھ واجد علی شاہ نے اس قضیے کے حل کے لیے چار ثالثوں پر مشتمل ایک مجلس مصالحت تشکیل دی، جس کے ایک رکن علامہ بھی تھے- مگر انگریزی سازش سے مجلس مصالحت کا کوئی اجلاس نہ ہو سکا- اس دوران کچھ علما نے عدم وجوب جہاد کا فتویٰ دیا، جس میں علامہ شامل نہیں تھے، مگر ایک معاصر مؤرخ سید کمال الدین حیدر عرف سید محمد زائر نے اپنی کتاب ''قیصر التواریخ'' میں علامہ کا بھی نام لے لیا- معاصر مآخذ نشاندہی کرتے ہیں کہ زائر نے یہ کتاب انگریزوں کی خوشنودی کے لیے لکھی تھی جس کی وجہ سے واجد علی شاہ نے ناراض ہو کر اسے ملازمت سے نکال باہر کیا- لطف کی بات یہ ہے کہ خود زائر نے اپنی کتاب میں تمام مفتیوں کے فتوے اور دستخط نقل کیے ہیں، ان میں نہ تو علامہ کا فتویٰ ہے اور نہ دستخط- اس کے بعد لکھی جانے والی کتابوں ''تاریخ اودھ'' وغیرہ کا ماخذ یہی ''قیصر التواریخ'' ہے-

حکیم سید محمود احمد برکاتی:

> ''یہ گورے اور کالے انگریز مل کر ایسے حالات پیدا کر دینا چاہتے تھے کہ حدود سلطنت میں بدنظمی ہو، عوام میں بے اطمینانی پھیلے، مختلف طبقات باہم دست و گریباں ہوں اور اس طرح انگریزوں کو واجد علی شاہ کے معزول کر دینے اور اودھ کا الحاق کمپنی سے کر لینے کا جواز پیدا ہو-'' (فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۱۳۲)

انگریزوں نے اپنی سازش میں کامیابی حاصل کر کے یہ جواز پیدا کر لیا اور اس سانحۂ ہنومان گڑھی کے معاً بعد فروری ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کو معزول کر کے انہوں نے اودھ پر قبضہ کر لیا- ان دونوں حالات سے متاثر اور بیزار ہو کر علامہ نے لکھنو چھوڑ دیا- اگر کوئی شخص انگریزی سرکار کا بہی خواہ یا دست نگر ہوتا تو ایسے موقع پر عہدہ چھوڑنے کی بجائے خوشی سے بغلیں بجاتا کہ اودھ کے کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہو جانے کے بعد اسے ذاتی طور پر پھلنے پھولنے کا موقع میسر آئے گا-

● علامہ کی سیاسی بصیرت، اہل وطن کی محبت، علم معاشیات میں ان کی مہارت اور کمپنی سرکار کے فیصلوں پر ان کی گرفت کا اندازہ اس درخواست ☆ سے ہوتا ہے جسے انھوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے تقریباً ۳۰؍سال قبل (۱۸۲۷ء سے پہلے) معزول بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے نام رعایائے شہر کی جانب سے لکھا تھا- یہ وہی زمانہ تھا جب علامہ دہلی کی عدالت دیوانی میں سر رشتہ دار تھے، مگر انھوں نے شہریوں کی مشکلات پر توجہ مبذول کرانے کے لیے درخواست دہلی کے ریزیڈنٹ کے نام نہیں لکھی، جب کہ یہ آسان بھی تھا اور بحیثیت سر رشتہ دار علامہ کا ریزیڈنٹ سے تعلق اور اثر بھی تھا، بلکہ معزول اور وظیفہ خوار بادشاہ ہند کے نام لکھی، اس سے ایک طرف بادشاہ اور ملک کے لیے علامہ کے دلی جذبات کا

☆ یہ درخواست پروفیسر نثار احمد فاروقی کو اپنی ایک قلمی بیاض میں دستیاب ہوئی، جس کی تفصیل انھوں نے اپنی کتاب ''تلاش غالب'' میں لکھی ہے- یہ درخواست فارسی میں ہے اور ناقص الآخر ہے، اس کی سب سے پہلی اشاعت سہ ماہی ''نوائے ادب'' بمبئی، جلد:۱۳، شمارہ:۳، جولائی ۱۹۶۲ء میں ہوئی- یہاں سے حکیم سید محمود احمد برکاتی نے اپنی کتاب ''فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون'' میں نقل کیا، اس کے بعد متعدد جگہوں پر نقل ہوتی رہی-

اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف انگریزی سرکار سے بیزاری کا اندازہ بھی- بقول حکیم سید محمود احمد برکاتی: ''اس میں کئی سیاسی اور نفسیاتی منافع ومصالح تھے''- (سفر اور تلاش، ص:۷۱)

اس طویل فارسی درخواست کا خلاصہ حکیم سید محمود احمد برکاتی نے اس طرح کیا ہے:

''**ملک کی اقتصادی حالت**: یہاں کے باشندے ہندو ہوں یا مسلمان ملازمت، تجارت، زراعت، حرفت، زمینداری اور دریوزہ گری پر معاش رکھتے ہیں- انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد سے معاش کے یہ تمام وسائل مسدود ومفقود ہو گئے ہیں- ملازمت کے دروازے شہریوں پر بند ہیں، تجارت پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا ہے- کپڑا، سوت، ظروف اور گھوڑے وغیرہ تک وہ فرنگ سے لے کر خود فروخت کر کے نفع کماتے ہیں- معافی داروں کی معافیاں ضبط کر لی گئی ہیں- کسانوں کو محاصل کی کثرت نے بدحال کر دیا ہے-

ان چاروں طبقوں کی زبوں حالت کے نتیجے میں اہل حرفہ اور ان سب کے نتیجے میں دریوزہ گر تنگی معاش کے شکار ہیں-

دہلی کی اقتصادی زبوں حالی: دہلی میں ہوڈل وغیرہ بہت سے پرگنے جاگیر میں شامل تھے اور جاگیرداروں کے یہاں ہزاروں آدمی، فوج انتظامی امور اور شاگرد پیشہ کی خدمت پر مامور تھے- اب یہ پرگنے اور دیہات ومواضعات انگریزوں نے ضبط کر لیے ہیں اور لاکھوں کسان بے روزگار ہو گئے ہیں- بیواؤں کی معاش چرخہ کاتنے، رسیاں بٹنے اور چکی پیسنے پر موقوف تھی- اب رسی کی تجارت حکومت (کمپنی) نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہاتھ کی چکیوں کی جگہ پن چکیاں لگ گئی ہیں تو یہ ذریعۂ معاش بھی جاتا رہا- عوام کی اس بے بضاعتی اور بے روزگاری کی وجہ سے اہل حرفہ اور ساہوکار بے روزگار اور رزق سے محروم ہو گئے ہیں-

ان سب پر مستزاد اب چارلس مٹکاف نے یہ حکم دیا ہے کہ غریب زر چوکیداری ادا کیا کریں- یہ ٹیکس پہلے کبھی نہیں لیا جاتا تھا-

دوسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر گلی کے دروازے پر پھاٹک لگایا جائے جس کا کوئی فائدہ معلوم و متصور نہیں ہے-

تیسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ان پھاٹکوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات مقرر ہوں جس سے ہمیں مشکلات کا سامنا ہے-

چوتھا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر محلے میں ۵/ ۵ پنچ مقرر کیے جائیں-''

(فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۲۴ تا ۲۶)

یہ تمام شواہد اس بات کی علامت ہیں کہ علامہ اپنی پوری زندگی انگریزی حکام سے مخالفت و نفرت کرتے رہے اور ان سے استخلاص وطن کے لیے کوشاں رہے- جو لوگ محض علامہ کی انگریزی ملازمت کی وجہ سے انھیں انگریز نوازی کا طعنہ دیتے ہیں انھیں اپنے رویے پر نظر ثانی کرنی چاہیے-

❑❑❑

ایک نایاب قصیدے کی بازیافت

علامہ فضل حق خیرآبادی معقولات کے امام ہونے کے ساتھ عربی ادب کے ایسے بلند پایہ ادیب وشاعر تھے کہ ان کی نثر ونظم پر مقامات حریری و ہمدانی اور قصائد جریر وفرزدق کا گمان ہوتا ہے- انھوں نے درجنوں قصائد لکھے اور ہزاروں کی تعداد میں اشعار کہے- علامہ کے ممتاز شاگرد مولانا سید عبداللہ بلگرامی نے علامہ کی کتاب ہدیہ سعیدیہ کے حاشیہ **التحفة العلمية** میں ذکر کیا ہے کہ ان کے عربی اشعار کی تعداد ۴ر ہزار سے متجاوز ہے- اب تک تحقیق وتلاش سے علامہ کے عربی قصائد کے جو قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں ان سے (علامہ کے قصائد کی تعداد کے حوالے سے) مولانا بلگرامی کے مذکورہ قول کی توثیق ہوتی ہے، جب کہ ابھی تک لاہر پور اور گوپامئو کے ساتھ علامہ کے دیوان اور بیاض کے متعدد قلمی نسخوں کی بازیافت نہیں ہوسکی ہے، خیال ہے کہ ان نسخوں کے منظر عام پر آنے کے بعد علامہ کے قصائد اور اشعار کی معلوم مجموعی تعداد میں اضافہ ہوگا- علامہ کی کتاب زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انھوں نے متعدد موقعوں پر اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے اشعار کا سہارا لیا- یہ اشعار طویل قصیدوں کی صورت میں سامنے آئے ہیں، جن کی تعداد تیس سے متجاوز ہے- ان میں زیادہ تر کا تعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا سے ہے، جب کہ تین ایسے قصائد سامنے آئے ہیں جن کا تعلق انگریزوں کی مذمت اور معرکۂ ستاون کے احوال کے بیان سے ہے- اس حوالے سے قصیدہ ہمزیہ اور دالیہ مشہور ہیں جب کہ تیسرا قصیدہ نونیہ ہے، جس کا ابھی تک صرف متن سامنے آیا ہے، اس کتاب میں اس کا ترجمہ شامل کر کے اس کی اہمیت کو دوچند کرنے کی کوشش کی گئی ہے- اسی سلسلے کا چوتھا قصیدہ، قصیدۂ رائیہ ہے، جس کی بازیافت

کی گئی ہے۔ یہ قصیدہ انیسویں صدی کے ربع اول میں نظم کیا گیا ہے، اس کی بازیافت سے ان ناقدین کے الزام کی شدومد سے تردید ہوتی ہے جو علامہ خیرآبادی پر عائد کرتے رہے ہیں کہ انھوں نے انگریزوں سے اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا پائی تو ان کے مخالف ہو گئے۔

قصیدہ رائیہ کا پس منظر: علامہ جب دہلی میں سررشتہ دار عدالت دیوانی تھے تو انہیں انگریزی حکام کے مکروفریب، ظلم واستبداد اور سازشوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس سے انگریزی سرکار اور انگریزوں کے خلاف ان کی نفرت اور بیزاری میں اضافہ ہوا۔ اپنے اس دلی جذبات کا اظہار انہوں نے انگریزوں کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھ کر کیا۔ یہ طویل اور نایاب قصیدۂ رائیہ ۲۳۵ راشعار پر مشتمل ہے جو تاریخی طور پر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں انگریزوں کے جبر، ملک پر ان کے غاصبانہ تسلط اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں پر نفرت و بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے۔

بدایوں کے قلمی مجموعہ قصائد میں یہ قصیدہ موجود ہے، جس کا عنوان ہے: **فی ھجو النصاریٰ و المتنصرین** (نصاریٰ اور نصرانیت پسندوں کی مذمت میں) ڈاکٹر سلمہ سیہول ☆ کا زیر طبع پی ایچ، ڈی کا عربی مقالہ ''**دیوانِ فضل حق الخیر آبادی: دراسة وتحقیق**'' میں بھی یہ قصیدہ منقول ہے۔ سلمہ سیہول نے علامہ کا یہ قصیدہ بدایوں کے ہی قلمی نسخے سے نقل کیا ہے اور اس قصیدے کو مندرجہ ذیل عنوان کے تحت درج کیا ہے: **ھجاء الإنجلیز وتسرّبھم في الھند واستنکار أوائل استیلائھم وتنبّأ بمنتھاہ المؤلم** (انگریز اور ہندوستان میں ان کی دراندازی کی ہجو، ان کے ابتدائی تسلط کی مذمت

☆ ڈاکٹر سلمٰی سیہول کا زیر طبع پی، ایچ، ڈی کا عربی مقالہ ''**دیوانِ فضل حق الخیر آبادی: دراسة وتحقیق**'' میں یہ قصیدہ ہمیں ملا۔ ڈاکٹر سلمٰی کو ۲۰۱۰ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ڈاکٹر خالق داد ملک کی نگرانی میں مذکورہ موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری ایوارڈ ہوئی ہے۔ موصوفہ اس وقت انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد پاکستان میں شعبۂ عربی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ پانچ سو سے زائد فل اسکیپ صفحات پر مشتمل اس فاضلانہ تحقیق کے سرسری مطالعے سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سلمٰی نے اس مقالے کو لکھنے اور مرتب کرنے میں برسوں ریاضت، محنت، مشقت اور سیاحت کی ہوگی۔ علامہ کے قصائد پر مشتمل متعدد قلمی نسخوں اور بیاضوں کی بازیافت، ان کا مطالعہ، نقل، اعراب کا التزام، اوزان کا تعین اور نقائص سے پاک دیوان کو مرتب کر دینا، ڈاکٹر سلمٰی کی غیر معمولی تحقیقی صلاحیت کا اشاریہ ہے۔ **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)**

اوراس کے دردناک انجام کا بیان)

بدایوں کے قلمی نسخے میں اس قصیدے کے سن وتاریخ کا اندراج نہیں ہے کہ یہ کب نظم کیا گیا، لیکن اس کے مضمون اورمشمولات کے مطالعے سے ڈاکٹر سلمیٰ نے اس کے نظم کرنے کی تاریخ انیسویں صدی کا ربع اول متعین کی ہے، جو درست معلوم ہوتی ہے- یہ وہی دور ہے جب علامہ دہلی کی عدالت دیوانی میں سررشتہ دار تھے اوراس وقت ان کی عمر ۳۰ سال سے بھی کم تھی- ڈاکٹر سلمیٰ لکھتی ہیں:

ماعثرت علیٰ تاریخ قرضهاالّاأن محتواهایدلّ أنها نظمت فی الربع الأول من القرن التاسع عشر–

(اس قصیدے کے نظم کرنے کی تاریخ مجھے نہیں مل سکی، لیکن اس کے مشمولات بتاتے ہیں کہ یہ قصیدہ انیسویں صدی کے ربع اول میں لکھا گیا ہے-)

ڈاکٹر سلمیٰ کا مذکورہ مقالہ اب تک شائع نہیں ہوسکا ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو زبان میں خلاصے کے ساتھ یہ پورا قصیدہ پہلی بار منظر عام پر آرہا ہے- قصیدے کا خلاصہ حسب ذیل ہے: (مکمل قصیدے کا متن ضمیمہ نمبر۲ میں ملاحظہ ہو)

خلاصہ: قصیدے کا آغاز شاعر نے عرب شعرا کے طریقے کے مطابق تشبیب سے کیا ہے:

كَمْ فِيْ هَوَى الْحُوْرِ مِنْ حَوْرٍ وَمِنْ حُوْر   فَكَمْ فَتًى بِشِفَارِ الشَّفْرِ مَنْحُوْر

ترجمہ: پری چہرہ لوگوں کے عشق میں کتنے نقصان اور کتنی ہلاکت ہے اور کتنے ہی نوجوان خنجر ابرو سے قتل ہوجاتے ہیں-

---

(**بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ**) موصوفہ نے علامہ کے اس دیوان کو علی گڑھ، لکھنؤ اور بدایوں کے مختلف قلمی نسخوں اور علامہ کی قلمی بیاض کی مدد سے تقابل کرکے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ تسلسل افکار کی وجہ سے جن نسخوں میں تکرار یا نقل میں موجود زوائد اور نقائص تھے وہ ختم ہوگئے- اب اس دیوان میں ۱۳۳۷۰ اشعار ہیں- بقول ڈاکٹر سلمیٰ: **فهـــذا الـديـوان الأن يشتمل على (۳۳۷۰) بيتـاً، وكـان فـی ست مجموعات (۱۷۱۹۱) بيتاًوالأن هذا الـواحـد يـغـنـی الـقاری الكريم عن قراءة جميعها–** (یہ دیوان ۱۳۳۷۰ اشعار پر مشتمل ہے، جبکہ مختلف نسخوں میں ۱۷۱۹۱ اشعار تھے- اب یہ ایک دیوان قاری کو تمام نسخوں کے مطالعے سے بے نیاز کردے گا-)

پھر عربی شاعری کے طریقے کے مطابق خیالی محبوبہ کی تعریف کی ہے-اس کی شرم وحیا کا تذکرہ کرتے ہوئے ۳۰رویں شعر میں گریز کرتے ہیں:

لَوْأَنَّهَا مِنْ خَوَاتِيْنِ الْفَرَنْجِ لَمَااسْـ تَعْصَتْ وَكَانَ لِقَاهَا غَيْرَ مَعْسُوْر

ترجمہ:اگر وہ (میری محبوبہ) فرنگی عورتوں میں سے ہوتی تو معاملہ زیادہ دشوار نہ تھا اور اس سے ملاقات نہایت آسانی سے ہوجاتی-

پھر اس کے بعد ۲۴راشعار میں ان عورتوں کی بے پردگی، بے حیائی، اخلاق باختگی وغیرہ کا بیان ہے، پھر ۵۳رویں شعر سے ۶۲رویں شعر تک ان عورتوں کے شوہروں کی مذمت کی ہے جنہوں نے خود اپنی ازواج کو اس قدر آزادی دی ہوئی ہے، پھر ۶۳رویں شعر میں اس قوم کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَاوَيْلَ قَوْمٍ أَبَاحُوْا بَوْحَ نِسْوَتِهِم وَخَيَّرُوْهُنَّ طَوْعاً كُلَّ تَخْيِيْر

ترجمہ: ہلاکت وبربادی ہو اس قوم کی جس نے خود اپنی عورتوں کو بے پردہ کیا ہے اور خود ہی ان کو ہر قسم کی آزادی دی ہے-

يُصَفِّقُوْنَ وَيَهْتَزُّوْنَ إِنْ رَقَصَت أَزْوَاجُهُمْ بَيْنَ أَيْدِي الزُّوْرِفِي الزُّوْر

(شعر۶۴)

ترجمہ: جب ان کی ازواج مجلس غنا میں سرداروں کے سامنے رقص کرتی ہیں تو یہ تالیاں بجاتے ہیں اور خوشی سے جھومتے ہیں-

اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اس قوم کی مزید خرابیاں بیان فرمائی ہیں، ۷۳رویں شعر میں فرماتے ہیں:

قَوْمٌ يَبُوْلُوْنَ قَوَّاماً وَإِنْ دَخَلُوْا فِيْ غَائِطٍ خَرَجُوْا مِنْ غَيْرِ تَطْهِيْر

ترجمہ: یہ وہ قوم ہے جو کھڑے ہوکر پیشاب کرتی ہے اور جب رفع حاجت کو جاتے ہیں تو بغیر پاکی حاصل کیے نکل آتے ہیں-

اس قوم کی بدخلقی، احسان فراموشی اور ظلم وزیادتی کا بیان کرتے ہوئے ۹۲رویں شعر میں فرماتے ہیں:

فَماَ بِسَاحَاتِهِمْ لَاجٍ يَلُوْزُ وَلَا رَاجٍ يَفُوْزُ وَلَا جَارٍ بِمَنْصُوْر

ترجمہ: ان کے پاس نہ تو کسی مسافر کو جگہ ملتی ہے، نہ کوئی ان کی عطا کا امیدوار کامیاب ہوتا ہے اور نہ ہی ان سے پناہ کا طالب کامران ہوتا ہے۔

اس کے بعد تین اشعار میں ان کے مدارس کی مذمت کی ہے،۹۶/ویں شعر میں فرماتے ہیں:

فَلَيْسَ مَقْصُوْدُهُمْ تَرْوِيْجَ مَعْرِفَة بَلْ كُلُّ ذٰلِكَ تَمْهِيْدٌ لِتَنْصِيْر

ترجمہ: ان مدارس سے ان کا مقصود علم ومعرفت کی اشاعت نہیں ہے بلکہ یہ تمام کاوشیں لوگوں کو نصرانی بنانے کی ایک تمہید ہے۔

اس کے بعد ان کے کچھ عقائد کا بیان ہے، جس میں حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ماننا اور انجیل میں تحریف وغیرہ کی طرف اشارات کیے ہیں۔ اس کے بعد ان کے نظام عدالت کی خرابیوں کا بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

لا يَعْتَنُوْنَ بِعَدْلٍ بَلْ بِتَغْنِيَةِ الْـ مُـرَافِعِيْنَ بِتَسْوِيْدِ الطَّوَامِيْر
(شعر۱۰۸)

ترجمہ: عدل وانصاف کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ جو ان کی عدالت میں مقدمہ دائر کرتا ہے اس کو کاغذوں کو سیاہ کر کے تکلیف وایذا پہنچاتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ ''یہ لوگوں کے درمیان اس طور پر فیصلہ کرتے ہیں جس سے لوگوں کا سراسر خسارہ اور نقصان ہی ہوتا ہے، جو لوگ ان کی عدالت میں مقدمہ دائر کرتے ہیں ان سے یہ مقدمے کی سماعت کے نام پر پیسے اینٹھ لیتے ہیں، اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ فیصلہ کرنے کی بھی قیمت متعین کردی جائے۔''

آگے ۱۱۸/ویں شعر میں فرماتے ہیں کہ ''چوروں اور ڈاکوؤں سے فدیہ لے کر ان کو بغیر حد وتعزیر کے آزاد کردیتے ہیں۔'' اگلے شعر میں فرماتے ہیں کہ ''گویا یہ خود چوری کے فروغ میں حصے دار ہیں اور ان کا ایک حصہ متعین ہے۔'' پھر ان کے عہد حکومت کی خرابی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فِيْ عَهْدِهِمْ سُدَّ بَابُ الصِّدْقِ وَانْفَتَحت أَبْـوَابُ كِـذْبٍ وَبُهْتَـانٍ وَتَـزْوِيْـرِ
(شعر۱۲۰)

فَـلَيْـسَ يَـظْـفَـرُ إِلَّا مُدَّعِيْ كَذِب وَلَا يُـصَـدَّقُ إِلَّا شَـاهِـدُ الـزُّوْر
(شعر۱۲۱)

يَعُـوْدُ كُـلُّ صَـدُوْقٍ نَـادِماً حَصِرا وَالْعَـدْلُ يُـرْمَـى بِتَـزْوِيْرٍ وَتَشْهِيْرِ
(شعر۱۲۲)

ترجمہ: (۱۲۰)ان کے عہد میں سچائی کا دروازہ بند ہوگیا اور جھوٹ، بہتان اور دھوکہ دھڑی کے دروازے کھل گئے- (۱۲۱)ان کی عدالت میں صرف جھوٹ کا دعوے دار ہی فتح یاب ہوتا ہے اور صرف جھوٹی گواہی دینے والے ہی کی تصدیق کی جاتی ہے(۱۲۲)ان کی عدالت سے ہر سچا انسان نادم اور شرمندہ ہوکر واپس آتا ہے، اور عدل سے ان کا مقصود صرف دھوکے بازی ہے-

اس کے بعد ۱۲۸/ویں شعر سے انگریزوں کی جانب سے عائد کردہ ٹیکس کا بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

يُقَدِّرُوْنَ خَرَاجاً بَعْدَ أَنْ مَسَحُوا الْـ أَرَاضِ مَـا بَيْـنَ مِـمْـحَالٍ وَمَمْطُوْر

ترجمہ: وہ زمینیں جو قحط زدہ تھیں یا بارش سے سیراب ہوئی تھیں ان سب پر قبضہ کر کے ان پر ٹیکس نافذ کردیا-

آگے فرماتے ہیں کہ(۱۲۹) وہ زمینیں جو انسان نے خود سیراب کی ہیں اور وہ زمینیں جن کو بارش نے سیراب کیا ہے ان کے ٹیکس کے معاملے میں یکساں ہیں(۱۳۰)ان کے مظالم کی وجہ سے گاؤں اور شہر بے آب وگیاہ اور ویران ہوگئے (۱۳۱) جو ٹیکس انہوں نے نافذ کیا ہے اس کو حاصل کرنے کے لیے گاؤں والوں کی زمینیں اور گھر ظلماً ان سے خرید لیتے ہیں- (۱۳۲) کسانوں نے اپنی زمینوں میں جو کچھ بویا ہے اس میں کسانوں کے حق کی قطعاً رعایت نہیں کرتے لہٰذا کسانوں کو سوائے محرومی وحسرت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا-

آگے فرماتے ہیں:

قَـدْ أَذْهَبَتْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ نِيَّتُهُمْ فَلَيْسَ فِي الْحَرْثِ مِنْ رَيْعٍ وَتَوْفِيْر
(شعر۱۳۴)

ترجمہ: ان کی (بری) نیتوں سے زمین کی برکت ختم ہوگئی، اب کھیتی میں نمو اور کثرت باقی نہ رہی۔

مَـا فِي الْـفَلَاحَةِ لِـلزُّرَّاعِ مِنْ فَلَحٍ فَلَا يُـرَى فِـيْ قُـرَاهُـمْ غَيْرُ تَمْصِيْر
(شعر۱۳۵)

ترجمہ: اب کسانوں کی کھیتی میں کوئی کامیابی اور فائدہ نہ رہا، کسانوں کی ضیافت کے لیے بہت تھوڑا دیتے ہیں۔

پھر شعر ۱۴۳؍ تک ان کی بعض اخلاقی برائیوں اور ظلم و ستم کا بیان کیا ہے، ۱۴۴؍ ویں شعر میں کہتے ہیں کہ اس بیان سے تم یہ مت سمجھ لینا کہ یہ بہت بہادر ہیں بلکہ یہ تو بہت بزدل اور کمزور ہیں۔ اس کے بعد ۱۵۳؍ ویں شعر تک ان کی بزدلی کا بیان ہے، ۱۵۴؍ ویں شعر میں کہتے ہیں کہ تمہیں یہ دھوکہ نہ ہو کہ اگر یہ ایسے ہی بزدل ہیں تو ان کا تسلط کیسے قائم ہوگیا؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ:

فَإِنَّ ذَاكَ مَنُوْطٌ بِالْمَقَادِيْر

ترجمہ: دراصل یہ سب معاملات مقدرات کے ہیں۔

اس لیے کہ:

اَلْـمُـلْكُ لِـلّٰـهِ يُؤْتِيْ مَنْ يَشَاءُ وَمَا قَـدْرٌ لِـعَبْـدٍ بِلَا قَـدْرٍ بِـمَـقْـدُوْر
(شعر۱۵۵)

ترجمہ: یہ ملک اور سلطنت اللہ عزوجل ہی کی ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، بغیر تقدیر کے بندے کی کوئی طاقت وقوت نہیں ہے۔

پھر چند اشعار میں مقدرات کا بیان ہے کہ کیسے بہت سے نااہل حکومت واختیار تک پہنچ جاتے ہیں، ۱۵۹؍ ویں شعر میں ان اسباب کی طرف آتے ہیں جن کے تحت انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا، فرماتے ہیں:

لَمَّا خَلَا الْهِنْدُ عَنْ وَالٍ يَقُوْمُ [بها]　　　أَثَــارَ فِيْهَــا فَسَــادًا كُــلُّ غِـدِّيْـر

ترجمہ: جب ہندوستان کسی ایسے حاکم سے خالی ہوگیا جو اس کی باگ ڈور سنبھالتا تو اس ملک میں غداروں اور فساد پھیلانے والوں نے فساد پھیلایا۔

بَـغَـى عَـلَـى مَـلْكِهَا عُمَّالُه' وَطَغَوْا　　　فَـكَـلَّـفُـوْهُ بِتَشْـرِيْـرٍ وَتَشْـرِيْـرِ (شعر ۱۶۰)

ترجمہ: ہندوستان کے بادشاہ پر اس کے نوکروں اور وظیفہ خواروں نے بغاوت اور سرکشی کی تو اس کو علاحدہ ہونے اور دور ہونے پر مجبور کردیا۔

آگے فرماتے ہیں کہ ''پھر اس کے ملک کو بغاوت کے ذریعے آپس میں تقسیم کرلیا، قتال کیا اور فساد پھیلایا۔''

اس کے بعد چار اشعار میں اس وقت کے بادشاہ شاہ عالم ثانی کی کمزوری وغیرہ بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

لَـمْ يَبْقَ فِي الْمُلْكِ مِنْ مَلْكٍ يُطَاعُ سِوَى　　　مُـؤَمَّـرٍ إِمَّـرٍ لِـلْـبُـلْـهِ مَـأْمُـوْر (شعر ۱۶۴)

ترجمہ: اس ملک میں کوئی ایسا بادشاہ باقی نہیں رہا جس کی اطاعت کی جاتی سوائے ایک ایسے بادشاہ (شاہ عالم ثانی) کے جو ضعیف الرائے اور بے وقوفوں کے مشوروں کا پابند تھا۔

پھر ۱۶۸ رویں شعر سے شاہ عالم ثانی کے وزیروں کے غدر، بغاوت، خیانت، لالچ، بزدلی، بے غیرتی اور بے دینی وغیرہ کا بیان شروع کیا ہے، جو ۱۹۳ رویں شعر تک جاری رہا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

تَا حَا لُهُمْ وَالنَّصَارَى حَوْلَهُمْ حَوِل　　　يَسْعَوْنَ فِي الْبَيْنِ فِيْ سَعْيٍ وَتَوْغِيْر (شعر ۱۹۴)

ترجمہ: یہ ان (وزرا) کا حال تھا ایسے وقت میں جب نصاریٰ ان کے گرد حیلوں کا گھیرا بنا رہے تھے اور فساد وافتراق، چغلی اور حقد وحسد کی کوششوں میں مصروف تھے۔

فَخَامَرُوْا مُلْكَهُمْ بَلْ خَامَرُوْا مَعَهُمْ يُخَمِّرُوْنَ نُهَاهُمْ أَيَّ تَخْمِيْر
(شعر۱۹۵)

ترجمہ: لہٰذا نصاریٰ ان کے ملک میں داخل ہو گئے، بلکہ ان کے ساتھ خلط ملط ہو گئے اوران کی عقلوں پر پتھر ڈال دیے۔

پھر آگے انگریز کی چالا کیوں اور وزرا کی نا اہلیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَمَلَّكُوْهُمْ قِيَادَ الْأَمْرِ وَائْتَمَرُوْا لَهُمْ رِجَاءً لِتَأْيِيْدٍ وَتَأْزِيْر
(شعر۲۰۵)

ترجمہ: تو انہوں نے اپنے ملک کی باگ ڈورانگریزوں کے حوالے کردی اور خود انگریزوں کے اطاعت شعار ہو گئے، اس امید پر کہ وہ ان کے ذریعے تائید اور تقویت حاصل کریں۔

وَمَكَّنُوْا مِنْ مَلَاكِ الْمُلْكِ قَادَتَهُم وَمَكَّنُوْا جَيْشَهُمْ فِي الْقَصْرِ وَالسُّوْر
(شعر۲۰۶)

ترجمہ: اور اپنے ملک کا اقتدار انگریز قائدین کے حوالے کر دیا اور انگریز محل اور شہر پناہ سب پر متمکن ہو گئے۔

وَهٰؤُلَاءِ تَوَلَّوْهُمْ لِمَصْلِحَةِ الْـ إِفْسَادِ ثُمَّ تَوَلَّوْا بَعْدَ تَوْدِيْر
(شعر۲۰۷)

ترجمہ: ان انگریزوں نے فساد برپا کرنے کی مصلحت سے ان وزرا کے ساتھ تعلقات بڑھائے اوران کو دھوکہ دینے کے بعدان سے منھ پھیر لیا۔

وَنَكَّرُوْا بَعْدَ طُوْلِ الْعَهْدِ أَنْفُسَهُم وَبَدَّلُوْا كُلَّ تَسْهِيْلٍ بِتَوْغِيْر
(شعر۲۰۸)

ترجمہ: ایک طویل مدت تک انگریزوں نے عہد باندھنے کے بعد خود کو بدل لیا اور تمام تر نرمی کو حقد وحسد سے بدل دیا۔

فَـإِنَّـمَــا ظَـفَـرُوْا بِـالْهِنْدِ إِذْ ظَفَرُوْا بِـالْـكَيْـدِ وَالزُّوْرِ لَا بِالْأَيْدِ وَالزُّوْر
(شعر ۲۰۹)

ترجمہ: انگریزوں نے ہندوستان کو طاقت اور قوت کے زور پر فتح نہیں کیا بلکہ اس کو دھوکہ اور جھوٹ سے فتح کیا۔

قَـدِاسْتَكَـانُـوْا قُبَيْلًا ثُـمَّ إِذْمَـلَكُوْا لَـمْ يُلْفَ فِيْهِمْ سِوَى عَاتٍ وَتَيْهُوْر
(شعر ۲۱۰)

ترجمہ: کچھ پہلے تک ان انگریزوں نے عجز وانکساری اختیار کی مگر جب ہندوستان پر قبضہ ہو گیا تو اب ان میں متکبر ومغرور لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ملے گا۔

لا يَـقْدِرُوْنَ ذَوِي الْأَقْدَارِ إِذْقَدَرُوْا بَـلْ يَـقْـدِرُوْنَ عَـلَيْهِـمْ كُـلَّ تَقْدِيْر
(شعر ۲۱۱)

ترجمہ: جب ان کا اقتدار مکمل ہو گیا تو وہ اب قدر ومنزلت والے کی کوئی قدر نہیں کرتے، بلکہ ان پر ہر طرح کی تنگی اور سختی روا رکھتے ہیں۔

أُولُـوالْـحَسَابَةِ فِيْ حُسْبَانِهِمْ سُفَل وَالـدُّوْن أَهْـلٌ لِـإِحْسَـابٍ وَتَوْقِيْر
(شعر ۲۱۲)

ترجمہ: حسب والے شریف لوگ ان کی نظر میں ذلیل وحقیر ہیں اور ذلیل وحقیر لوگ ان کی نظر میں عطا وکرم اور توقیر کے حق دار ہیں۔

اس کے بعد پھر انگریزوں کے ظلم کی ایک جھلک دکھائی ہے، فرماتے ہیں:

''ان کے ٹیکس نے کسانوں کو ہلاک کر ڈالا اور وہ کٹی ہوئی فصل کی طرح ہو گئے اور سرسبزی وشادابی کے بعد ان کو ایذا پہنچائی گئی۔'' (شعر ۲۱۵)

''ان کی عدالت کا معنیٰ ظلم ہے، وہاں گناہ کی کوئی تعزیر نہیں اور مال حرام لینا وہاں کوئی گناہ نہیں''۔ (شعر ۲۱۶)

''فقر کے بعد وہ مال دار ہو گئے اور مکر وحیلے کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ اہل حرفت کو محرومی اور تنگی رزق میں مبتلا کر دیں''۔ (شعر ۲۱۷)

''تو اب ایک بوڑھے کے لیے سوت کاتنے میں کوئی نفع نہیں رہ گیا اور نہ ہی کپڑا بُننے والے کے لیے کپڑا بُننے کی کوئی اجرت ہے''۔(شعر ۲۱۸)

''انگریزوں کی چکی آٹا پیسنے والے کے اوپر چلی تو اس کی امیدیں ہلاکت کی چکی میں پس گئیں''۔(شعر ۲۱۹)

''انہوں نے ہندوستان کو سونے اور دینار سے خالی کر دیا اور اس کے لیے انہوں نے کسی فقیر اور بھوکے کو بھی نہ چھوڑا۔''(شعر ۲۲۰)

آگے فرماتے ہیں:

''ان کے یہاں مساکین زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں بلکہ یہ تو صرف فساق وفجار اور بد کاروں ہی کو عطا کرتے ہیں۔''(شعر ۲۲۴)

اس کے بعد بڑے فیصلہ کن انداز میں پیشن گوئی کرتے ہیں:

''یہ تو ان کے قبضے کا ابتدائی زمانہ ہے، ابھی تو اس کی انتہا اور انجام باقی ہے، اس انجام میں یقیناً بڑی عظیم مصیبتیں ہیں۔''(شعر ۲۲۷)

''میں نے ان کے کارناموں میں سے کچھ ہی ذکر کیے ہیں، ان کے ایسے کتنے ہی قابل فخر کارنامے نقل نہیں ہوئے۔''(شعر ۲۲۸)

''میں نے ان کے حسن وجمال کے بیان میں اجمال سے کام لیا ہے، ان کی خوبیوں کی تفصیل کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔''(شعر ۲۲۹)

''ان کی طبیعت اور عادت کے بارے میں مَیں نے اپنی اس گفتگو میں کوئی چیز اپنی طرف سے گھڑی نہیں ہے، بلکہ میرے خبر دینے کی سچائی میرے اختیار سے مخلوط نہیں ہوئی۔''(شعر ۲۳۱)

''مجھے (ان باتوں میں) ذرا بھی شک وتردد نہیں ہے، میری ان خبروں میں صرف وہی شخص شک کر سکتا ہے جس کو ان خبروں پر حیرت ہو۔''(شعر ۲۳۲)

''لیکن میں تو ان کی حالت بیان کرنے میں اقتصار سے کام لے رہا ہوں، اگر وہ دیکھ لیں، میں زیرِ عتاب آ جاؤں اور میری معذرت کا دائرہ تنگ ہو جائے۔''(شعر ۲۳۳)

''تو وہ مجھے معذور رکھیں گے اگر چہ جس نے غلطی کی ہو اور وہ معذرت طلب کر رہا ہو اس کو معاف کرنا ان کی عادت نہیں ہے۔'' (شعر ۲۳۴)

''اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ظلم کے تاریک اندھیروں سے خوش خبری کی کرن پیدا فرمائے۔'' (شعر ۲۳۵)

توجہ طلب نکات: انیسویں صدی کے ربع اول میں انگریزوں کی ہجو میں کہا جانے والا یہ طویل قصیدہ مندرجہ ذیل نکات کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے:

الف۔ علامہ خیرآبادی ابتدا سے ہی انگریزوں کے مخالف اور ان سے بیزار تھے۔

ب۔ اپنے والد کے حکم کی تعمیل میں بوجہ مجبوری علامہ کمپنی سرکار کی ملازمت سے وابستہ ہوئے۔

ج۔ کمپنی سرکار کی ملازمت سے وابستگی کے باوجود علامہ انگریزوں سے متنفر اور ان کے مخالف رہے۔

د۔ اپنی زندگی کی ابتدا سے ہی ہندوستان پر انگریزوں کے قبضہ وتسلط کو وطن اور اہل وطن کے لیے برا جانا۔



قصیدہ نونیہ پر ایک نظر

دہلی میں جنگ آزادی کے خاتمے (۱۹؍ستمبر ۱۸۵۷ء) کے بعد ان تمام لوگوں پر کمپنی سرکار کی طرف سے مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جنہوں نے اس جنگ میں ان کے خلاف حصہ لیا تھا، اس صورت حال سے پریشان ہو کر مجاہدین اپنی جانوں کو بچانے کے لیے روپوش اور فرار ہونے لگے- علامہ بھی اپنے مختصر کنبے اور اقارب کے ساتھ ۲۴؍ستمبر ۱۸۵۷ء کو اپنا سب کچھ چھوڑ کر دہلی سے نکل پڑے اور دشمنوں کی نظر سے بچتے اور چھپتے ہوئے تقریباً ڈھائی مہینوں کی دشواریوں کے بعد نومبر میں اپنے وطن خیرآباد پہنچے- علامہ نے دہلی کی تاراجی اور تباہی، انگریزوں کی بربریت اور ان کے مکر وفریب کے جو مناظر دیکھے، بے سروسامانی اور کسمپرسی میں جس طرح اپنی دہلی کو چھوڑا اور جن جان لیوا حالات کا سامنا کرتے ہوئے وہ اپنے وطن پہنچے، ان مشاہدات پر درد و کرب میں ڈوب کر ایک قصیدہ کہا، جو انگریزوں سے ان کی بے انتہا نفرت اور بیزاری کا آئینہ دار ہے- یہ قصیدہ نونیہ ہے جو ۲۳۵؍اشعار پر مشتمل ہے، اس کا مطلع ہے: (پورا قصیدہ اور اس کا ترجمہ ضمیمہ نمبر ۳ میں ملاحظہ ہو)

مَانَاحَ أَوْرَقُ فِيْ أَوْرَاقِ أَشْجَانِ ۔۔۔ إِلَّا وَهَيَّجَ أَشْجَانِيْ وَأَشْجَانِي

ادھر کبوتر شاخ کے پتوں پر بولا اُدھر اس کی (درد بھری) آواز نے میرے پنہاں غموں کو ابھار کر مجھے رنجیدہ و غمگین کر دیا-

قصیدے کے چند اشعار اس طرح ہیں:

غَلَوْا إِذِ اغْتَصَبُوْا كُلَّ الْمَمَالِكِ فِيْ ۔۔۔ طَغْوَى وَعَدْوَى وَفِيْ كُفْرٍ وَكُفْرَانِ

جس ملک پر بھی انہوں نے غاصبانہ قبضہ کیا اس میں ظلم وستم، شر وفساد، احسان فراموشی اور

ناشکری کرنے میں حد سے گزر گئے۔ (شعر۴۹)

بَنَوْا أَرَاذِلَ هَدْمًا لِلنّبَالِ كَمَا ‌ ‌ ‌ بَنَوْا مَدَارِسَ تَخْرِيْبًا لِصِبْيَانِ

باکمال لوگوں کو مٹانے کے لیے انھوں نے کمین و ذلیل لوگوں کو نوازا اسی طرح بچوں میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے دانش گاہیں تعمیر کروائیں۔ (شعر۵۰)

وَوَكَّلُوْا طَمَعًا فِيْ نَشْرِ مِلَّتِهِمْ

ہماری زمین پر اپنے دین کی نشر و اشاعت کے لیے انھوں نے اپنے مذہبی رہنماؤں کو مقرر کر دیا۔ (شعر۵۲)

غَرُّوْا أَغِرَّاءَ أَرْذَالًا بِتَوْسِعَةٍ ‌ ‌ ‌ وَضَيَّقُوْا عَيْشَ أَشْرَافٍ وَغُرَّانِ

ان گوروں نے ناتجربے کار، کج فہم، کوتاہ ہمت نوجوانوں کو دولت و ثروت کے ذریعے دھوکے اور فریب میں ڈال دیا اور ہر شریف النفس کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ (شعر۵۵)

رَأَوْا سَلَاطِيْنَ أَرْضِ الْهِنْدِ قَدْ وَهَنُوْا ‌ ‌ ‌ بِمَا لَهَوْا بِالْمَلَاهِيْ كُلَّ لِهْيَانِ

جب ان نصاریٰ نے دیکھا کہ سرزمین ہند کے بادشاہ و امرا موسیقی اور لہو ولعب میں پڑ کر اپنی طاقت و قوت کھو چکے ہیں۔ (شعر۶۳)

فَحَاوَلُوْا حِوَلَ الْأَدْيَانِ مِنْ حِوَلٍ ‌ ‌ ‌ حَالَتْ فَآلَتْ إِلَى خُسْرٍ وَ بُطْلَانِ

تو انھوں نے مکر و فریب سے دین و ملت کو تبدیل کرنے کا عزم کیا اور دین تبدیل ہوئے اور دائمی خسارے کی طرف لوٹے۔ (شعر۶۴)

اس قصیدے کے حوالے سے ماہر غالبیات کالی داس گپتا رضا لکھتے ہیں:

> ''میری ذاتی رائے ہے کہ مقدمے اور مابعد کے رویّے سے قطع نظر جو میرے خیال میں مولانا نے اپنی جان بچانے اور رہائی حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا تھا وہ ''جنگ آزادی'' سے پورے پورے متاثر تھے۔ انھوں نے اس جنگ میں عملی طور پر حصہ لیا ہو کہ نہ لیا ہو، لیکن وہ جذباتی طور پر جنگ آزادی سے قطعی ہم آہنگ تھے اور

فرنگیوں کی مخالفت میں کسی سے پیچھے نہ تھے،اس کا ثبوت مولانا کا وہ قصیدہ فراہم کرتا ہے-''(غالبیات: چندعنوانات،ص:۱۱۴)

اس قصیدے کا سب سے پہلا ذکر علامہ خیرآبادی کے حوالے سے''الثورۃ الہندیہ'' میں سامنے آیا-فرماتے ہیں:

''ان دونوں (قصیدہ ہمزیہ اور دالیہ) میں سے پہلے 'نون' کے قوافی میں بھی قصیدہ لکھا تھا جو در یتیم کی طرح فرید و یگانہ ہے-اس کا ہر شعر مضبوط ومرتفع قصر کی طرح ہے-اس کے تین سو سے کچھ زیادہ اشعار ہو کر رہ گئے ہیں-اس کے اتمام کی نوبت نہیں آئی-مصائب وآلام کے ہجوم نے تکمیل کا موقع نہیں دیا-اس کا مطلع یہ ہے:

مَـانَـاحَ أَوْرَقُ فِـيْ أَوْرَاقِ أَشْـجَانِ

إِلَّا وَهَيَّـجَ أَشْـجَـانِيْ وَأَشْـجَـانِي

اگر اللہ نے مجھ پر رہائی سے احسان فرمایا تو اس ذات کی مدح اس میں شامل کر کے ختم کروں گا جسے مکارم اخلاق سے پورا پورا حصہ ملا ہے-''(باغی ہندوستان،ص:۸۵)

مگر اپنی خواہش کے مطابق علامہ اس قصیدے کی تکمیل نہ کر سکے-ڈاکٹر سلمہ سیہول نے اپنے زیر طبع پی ایچ ڈی کے عربی مقالے''دیوان فضل حق الخیر آبادی: دراسة و تحقیق''میں ذکر کیا ہے:

''ما اتمّها الشاعر لانه مات خلال نفیه بجزیرۃ أندمان''

(شاعر اس قصیدے کو مکمل نہیں کر پائے کیوں کہ وہ جزیرہ انڈمان میں اپنی جلاوطنی کے دوران انتقال فرما گئے-)

اس قصیدہ نونیہ کا دوسری بار ذکر کالی داس گپتا رضا نے اپنی کتاب''غالبیات: چند عنوانات''میں اس سرنامے کے ساتھ کیا ہے:

''مولانا فضل حق خیرآبادی کا ایک تاریخی قصیدہ''

کالی داس گپتا رضا کو اپنے کتب خانے میں عربی کی ایک قلمی کتاب میں سات چھوٹے بڑے رسائل کے ساتھ علامہ کے سولہ قصائد بھی ملے، ان میں ایک یہ قصیدہ بھی تھا- لیکن شاید عربی سے کم یا عدم واقفیت کی بنا پر انھوں نے اس کا متن شائع نہیں کیا اور ایک عربی عالم کی مدد سے کتاب میں اس کا ترجمہ شامل کر لیا- قصیدے کے پورے متن سے جب ہم نے کالی داس گپتا رضا کے شائع کردہ ترجمے کو ملایا تو یہ ترجمہ نہ صرف ناقص نکلا بلکہ اکثر جگہ غلط بھی، کالی داس گپتا کا شائع کردہ ترجمہ قصیدے کے شعر نمبر ۴۳ سے اس طور پر شروع ہوتا ہے کہ کہیں پہلے مصرعے کا ترجمہ ہے تو دوسرے کا نہیں اور کہیں دوسرے مصرعے کا ہے تو پہلے کا نہیں، اسی طرح درمیان میں بھی متعدد اشعار کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے-

کالی داس گپتا نے اس قصیدے کے حوالے سے یہ بھی نہیں ذکر کیا کہ اس میں کتنے اشعار ہیں- ممکن ہے کہ ان کے کتب خانے میں مذکورہ قلمی کتاب کے اندر یہ قصیدہ ناقص ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس عالم کے ذریعے انھوں نے قصیدے کا ترجمہ کرایا ہے وہ ان کی عربی سے عدم واقفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قصیدے کا ناقص ترجمہ کر کے اپنی جان چھڑا لی ہو- گو کہ کالی داس گپتا رضا نے ترجمے کی صحت کی ذمہ داری مترجم کے سر ڈال دی ہے، لیکن ان کے ذریعے قصیدے کا ناقص ترجمہ اور اس کے تفصیلی کوائف نیز متن سامنے نہ آنے کی وجہ سے یہ اہل علم کے درمیان علمی و تحقیقی حیثیت سے حوالہ نہ بن سکا-

تیسری مرتبہ اس قصیدے کا ذکر ڈاکٹر سلمہ سیہول کی کتاب ''علامہ محمد فضل حق خیرآبادی'' میں سامنے آیا- موصوفہ نے اپنی مذکورہ کتاب میں پہلی بار اس قصیدے کا ۲۳۵ راشعار پر مشتمل پورا متن شائع کیا، لیکن ترجمہ ندارد- ڈاکٹر سلمہ کے پی ایچ ڈی کے زیر طبع عربی مقالے میں بھی یہ قصیدہ شامل ہے، جسے مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے قلمی نسخے سے نقل کیا گیا ہے- یہ قصیدہ لکھنؤ کے قلمی نسخے میں بھی موجود ہے، لیکن اس میں ۲۳۴ اشعار درج ہیں-

ڈاکٹر سلمہ نے اس قصیدے کے نظم کرنے کا سال ۱۲۷۶ھ قیاس کیا ہے، جب علامہ جزیرۂ انڈمان میں قید و بند کی سزا کاٹ رہے تھے- اس سلسلے میں ڈاکٹر سلمہ کی دلیل علامہ کی

وہ عبارت ہے جسے انھوں نے الثورۃ الہندیہ کے اخیر میں اس قصیدے کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''ان دونوں (قصیدہ ہمزیہ اور دالیہ) میں سے پہلے 'نون' کے قوافی میں بھی قصیدہ لکھا تھا— مصائب و آلام کے ہجوم نے تکمیل کا موقع نہیں دیا''- اس عبارت کی وجہ سے ڈاکٹر سلمہ نے اس قصیدے کے عدم تکمیل کی وجہ ''قید کے دوران جزیرے میں علامہ کی موت'' بتائی ہے-

ڈاکٹر سلمہ کے برخلاف کالی داس گپتا رضا نے اس کے نظم کرنے کا سنہ ۱۸۵۷ء مقرر کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے:

> ''چوں کہ قصیدے میں دلی کی تاراجی کے بعد مولانا کا دلی سے نکل کر منزل پر پہنچنے کا حال درج ہے، اس لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ قصیدہ ستمبر ۱۸۵۷ء کے تیسرے یا چوتھے ہفتے اور دسمبر ۱۸۵۷ء (خیرآباد کور وانگی) کی درمیانی مدت میں کہا گیا ہے- اگر قصیدہ خیرآباد پہنچ کر کہا گیا ہوتا تو اس میں خیرآباد کے سفر کا حال بھی درج ہوتا، اس لیے قصیدے کی تاریخ فکر اکتوبر یا نومبر ۱۸۵۷ء مقرر کی جاسکتی ہے-''
>
> (غالبیات: چند عنوانات، ص:۱۱۶)

یہاں دونوں کے دلائل سے مکمل اتفاق نہیں کیا جاسکتا- الثورۃ الہندیہ میں علامہ نے ذکر کیا کہ ان دونوں (قصیدہ ہمزیہ اور دالیہ) میں سے پہلے 'نون' کے قوافی میں بھی قصیدہ لکھا تھا— مصائب و آلام کے ہجوم نے تکمیل کا موقع نہیں دیا اور یہ کہ رہائی ملی تو اس کی تکمیل کروں گا- پھر قصیدہ ہمزیہ اور دالیہ کے لکھنے کے بعد علامہ نے یہ عبارت لکھی کہ

> ''یہ دونوں قصیدے رجب ۱۲۷۶ھ میں بحالت اسیری جزیرۂ وبائی، تمام ہوئے'' (باغی ہندوستان، ص:۱۱۹)

اس سے ڈاکٹر سلمہ نے یہ اندازہ لگا لیا کہ علامہ نے حالت اسیری میں ہی ان دونوں قصائد سے پہلے جزیرۂ انڈمان میں قصیدۂ نونیہ لکھا اور اسی حالت میں وہاں انتقال فرما گئے، اس لیے اس کی تکمیل نہ کرسکے- ڈاکٹر سلمہ کے قیاس سے اس لیے اتفاق نہیں ہوتا کہ:

(الف) اگر علامہ نے قصیدہ نونیہ لکھنے کا آغاز جزیرے میں کیا تھا، یہاں تک کہ ۲۳۵ اشعار لکھ بھی لیے، پھر مصائب وآلام کے ہجوم نے تکمیل کا موقع نہیں دیا، یہاں تک کہ اسی حالت میں انتقال فرما گئے - تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر اس کے بعد قصیدۂ ہمزیہ اور دالیہ لکھنے کا موقع کیسے نکل آیا؟

(ب) اگر یہ مان لیا جائے کہ جب مصائب سے چھٹکارا ملا تو آپ نے قصیدۂ نونیہ کو ناقص چھوڑ کر قصیدہ ہمزیہ اور دالیہ لکھنا شروع کر دیا تو بھی چول نہیں بیٹھتی، کیوں کہ یہ خدا لگتی بات ہے کہ اگر مصائب وآلام سے چھٹکارا مل گیا ہوتا تو جس چیز کی تکمیل نہیں ہو سکی تھی اسی کی کی جاتی، بالخصوص ایسی حالت میں جب قصیدہ نونیہ بقول علامہ ''دریتیم کی طرح فرید و یگانہ'' ہو اور پھر اس کا موضوع بھی وہی ہو جو بعد میں لکھے جانے والے قصائد (ہمزیہ ودالیہ) کا تھا -

(ج) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر قصیدہ نونیہ جزیرہ انڈمان میں لکھا گیا ہوتا تو وہاں سے مفتی عنایت احمد کاکوروی کے ذریعے آنے والے قصائد ہمزیہ اور دالیہ اور رسالہ غدریہ کے ساتھ قصیدۂ نونیہ بھی ہوتا اور وہ بھی باغی ہندوستان کا حصہ بنا ہوتا - معاملہ ایسا نہیں تھا اس لیے جن لوگوں نے بھی علامہ کے بھیجے ہوئے تحریری سرمائے کا ذکر کیا ہے یا جنھوں نے بھی اس سرمایے کی نقول حاصل کی، ان میں کسی نے بھی قصیدۂ نونیہ کا ذکر نہیں کیا ہے - سوال یہ ہے کہ اگر یہ قصیدہ علامہ نے اپنے ایام جلاوطنی میں جزیرۂ انڈمان میں لکھا تھا تو ہم تک کس ذریعے سے پہنچا، جب کہ وہاں سے آنے والے دستیاب کاغذات میں اس کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں ملتا -

مذکورہ تمام شواہد بتاتے ہیں کہ یہ قصیدہ ہندوستان میں ہی لکھا گیا ہے -

اب رہی بات کالی داس گپتا رضا کی تو ان کی یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ یہ قصیدہ دہلی کی تاراجی کے بعد ستمبر تا دسمبر ۱۸۵۷ء کے درمیان لکھا گیا، لیکن یہ درست نہیں کہ یہ قصیدہ خیرآباد پہنچنے سے قبل لکھا گیا - یہ صحیح ہے کہ علامہ نے اس قصیدے میں خیرآباد کے سفر کا تفصیلی حال نہیں لکھا ہے، لیکن خیرآباد پہنچنے کا ذکر واضح الفاظ میں کیا ہے، علامہ فرماتے ہیں:

حَتّٰى قَدِمْتُ نَجِيْحًا سَالِمًا أَمِنًا فَارْتَاحَ أَهْلِيْ وَجِيْرَانِيْ بِقِدْ مَانِي

(جب میں صحیح سلامت اپنے اہل وعیال سے آ ملا تو میرے گھر والوں اور پڑوسیوں نے میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔)

اس ذکر کے ساتھ یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ علامہ نے یہ قصیدہ خیرآباد پہنچنے کے بعد ہی لکھا ہوگا۔ پھر یہ بات زیادہ باوزن اس لیے بھی ہو جاتی ہے کہ علامہ خیرآباد پہنچنے (نومبر ۱۸۵۷ء) کے بعد تقریباً ساڑھے تین سے چار ماہ (مارچ ۱۸۵۸ء) تک وہاں مقیم رہے اور پھر مارچ میں ہی بیگم حضرت محل کے ساتھ سیتاپور سے بوندی ضلع بہرائچ کی طرف نکل گئے اور اودھ کے معرکوں میں سرگرم ہو گئے۔ دہلی سے خیرآباد پہنچنے کے بعد علامہ نے ساڑھے تین سے چار ماہ جو قیام کیا، اسی مدت میں انھوں نے یہ قصیدہ کہا ہوگا، کیوں کہ یہ نہ مصائب وآلام کا زمانہ تھا اور نہ خاص مصروفیات کا۔ مارچ ۱۸۵۸ء کے بعد ہی علامہ یکے بعد دیگرے مشکلات سے دوچار ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ اودھ کے معرکوں سے شروع ہو کر ان کی گرفتاری، مقدمہ، ہندوستان کی جیلوں میں قید وبند، جلاوطنی اور پھر ان کی موت پر تمام ہوا۔ غالبًا انھی حالات کی طرف علامہ نے اشارہ کیا ہے کہ:

> ”نون کے قوافی میں بھی قصیدہ لکھا تھا، مصائب وآلام کے ہجوم نے تکمیل کا موقع نہیں دیا۔“

اس وضاحت کے ساتھ اس قصیدے کے نظم کرنے کی تاریخ نومبر ۱۸۵۷ء تا مارچ ۱۸۵۸ء متعین کی جا سکتی ہے۔ مارچ ۱۸۵۸ء کے بعد کی تاریخ اس لیے متعین نہیں کی جا سکتی کہ اس قصیدے کا جو آخری شعر لکھا گیا ہے وہ خیرآباد کی آمد پر ختم ہوا ہے، اس کے بعد انہیں موقع نہیں مل سکا کہ اپنی خواہش کے مطابق بعد کے حالات لکھ کر اس کی تکمیل کر پاتے۔

❑❑❑

قصیدۂ رائیہ اور نونیہ: چند نئے حقائق

قصیدۂ رائیہ اور قصیدہ نونیہ کے ذریعے علامہ فضل حق خیرآبادی کے تعلق سے کئی چونکا دینے والے نئے گوشے اور حقائق سامنے آئے ہیں۔قصیدۂ رائیہ نے اگر اس بات کا تعین کر دیا ہے کہ علامہ خیرآبادی اپنی شعوری زندگی کے آغاز سے ہی انگریزوں کے مخالف تھے اور انھیں ان سے بے انتہا نفرت اور کراہت تھی تو قصیدہ نونیہ نے جنگ آزادی میں ان کی حصہ داری کے مزید ثبوت فراہم کر دیے ہیں۔قصیدہ نونیہ میں علامہ نے اپنے اور انگریزوں کے تعلق سے جن تاریخی حقائق کو بیان کیا ہے وہ اب تک سامنے نہیں آسکے تھے، اس قصیدے کے ذریعے ان محققین کے موقف کو مزید توانائی ملتی ہے جو علامہ خیرآبادی کی معرکۂ ستاون میں نمایاں شرکت کو تسلیم کرتے ہیں۔

علامہ فضل حق کو پکڑنے کے لیے انگریزی سرکار کی طرف سے انعام: تاریخی حیثیت سے یہ بات مسلّم ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ ختم ہونے کے بعد ۱۹؍تا ۲۴؍ستمبر تک علامہ اپنے گھر محلّہ شیر افگن بارہ دری میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بھوکے پیاسے بند رہے یا چھپے رہے اور پھر یہ بھی متحقق ہے کہ علامہ ۲۴؍ستمبر کو دہلی سے نکل گئے اور انگریزی حکام، ان کے سپاہیوں اور جاسوسوں سے بچتے بچاتے کئی ہفتوں کی جان لیوا مشکلات کے بعد اپنے وطن خیرآباد پہنچے۔ (علامہ کا گھر میں مقید رہنا اور روپوشی کی حالت میں دہلی چھوڑ کر وطن جانا بجائے خود اس بات کا اشاریہ ہے کہ انھوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا) تاہم معاصر شواہد سے ان دونوں عمل کی توجیہہ علامہ کے محققین اب تک پیش نہیں کر سکے تھے۔ ان دونوں عمل کی توجیہہ پہلی بار قصیدہ نونیہ کے ذریعے سامنے آئی ہے، وہ یہ کہ دیگر مجاہدین کے ساتھ علامہ

فضل حق نے بھی جنگ آزادی میں سرگرم اور نمایاں حصہ لیا،لیکن یہ جنگ ہندوستانیوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح پر ختم ہوئی- انگریزوں نے دہلی پر دوبارہ قابض ہونے کے بعد مجاہدین کی دھر پکڑ، ان پر مظالم اور گرفتاری ومقدمہ کا سلسلہ شروع کیا، چوں کہ علامہ نے اس جنگ میں کلیدی کردار ادا کیا تھا، اس لیے جنگ ختم ہونے کے بعد انگریزی حکام نے دہلی میں یہ اعلان کر دیا کہ جو بھی مولوی فضل حق کو ڈھونڈھ کر ان کے سامنے لائے گا اسے بیش قیمت انعام سے نوازا جائے گا- علامہ فرماتے ہیں:

وَدَّعْـتُ دِهْلِيْ وَدَاعَ الرُّوْحِ قَالِبَهَا　　　كُرْهًا وَ وَدَّعْتُ خُلَّانِيْ وَ خُلْصَانِيْ

میں نے دکھے دل سے شہرِ دہلی کو ایسے ہی چھوڑا جیسے روح جسم سے جدا ہوتی ہے اور اپنے مخلص دوستوں اور حباب کو الوداع کہا- (شعر۲۲۱)

کیوں کہ:

وَ قَدْ أَشَاعَ النَّصَارَى فِي الْقُرَى عِدَةَ النْـ　　　ـنُحْلِ الْجَزِيْلِ لِمَنْ يَسْعَى لِنِشْدَانِيْ

انگریزوں نے بستیوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے ڈھونڈ کر لانے والوں کو بڑے انعام واکرام سے نوازا جائے گا- (شعر۲۲۳)

جنگ میں شرکت کے حوالے سے علامہ کی یہ جہت پہلی بار سامنے آئی ہے جو اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ انھوں نے انگریزی سرکار کے خلاف جنگ میں نہ صرف حصہ لیا ہوگا بلکہ مرکزی کردار بھی ادا کیا ہوگا- اس جنگ میں اگر علامہ کی معمولی حصہ داری ہوتی تو پھر اس شدت سے انگریزی حکومت کو ان کی تلاش نہیں ہوتی- کیوں کہ جنگ میں حصہ لینے والے اور بھی مجاہدین تھے، لیکن ان کو پکڑنے کے لیے انگریزی حکام نے بیش قیمت انعام کا اعلان نہیں کیا، یہ سلوک صرف علامہ کے ساتھ کیا گیا، جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ وہ انگریزی اقتدار کے لیے خطرہ بن گئے تھے- علامہ کی گرفتاری کے بعد ان کے مقدمے کے دوران عدالت نے ''نقل فیصلہ'' کے تحت غالباً اسی خطرے کی طرف اشارہ کیا ہے:

''وہ (فضل حق) خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس لیے انصاف اور امن عامہ کا تقاضا ہے

کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔'' (مسل مقدمہ مولوی فضل حق)

بالآخر انگریزی حکومت کے خلاف ''اس خطرناک ترین آدمی'' کو جلا وطنی کی سزا سنائی گئی اور رہائی کی متعدد کوششوں کے باوجود اسے رہا نہیں کیا گیا، بلکہ چیف کمشنر اودھ لکھنؤ نے وزیر ہند کے نام علامہ کی بھیجی ہوئی رہائی کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے لکھا کہ ''اگر مولوی فضل حق کے سلسلے میں کچھ بھی رعایت کی گئی تو وہ اس کی سختی سے مخالفت کریں گے۔''

یہاں ضمنی طور پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے بعض محققین نے علامہ کی رہائی کے مسئلے کو بھی ایشو بنا کر یہ استدلال کیا ہے کہ:

''گرفتاری اور جلا وطنی کے بعد انگریزوں کا ان کے لیے پروانۂ رہائی جاری کرنا اس حقیقت کی دلیل ہے کہ وہ مطمئن ہو چکے تھے کہ مولانا کو سنائی گئی سزا غلط ہے۔'' (غالب اور ہماری تحریک آزادی، ص:۳۵)

استدلال کا یہ انوکھا انداز غالب شناس محقق جناب شمیم طارق کا ہے، جنھوں نے علامہ کی عدم شرکت کو ثابت کرنے کے لیے جو کچھ بھی خامہ فرسائی کی ہے ان کے مصادر و مراجع مولانا عرشی اور مالک رام کی تحقیقات ہیں۔ حالاں کہ مالک رام نے مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی کے موقف کے خلاف اپنی تحقیق میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ علامہ کی رہائی کی کوششوں کے باوجود حکومت انگلیشیہ نے انھیں رہائی نہیں دی تھی۔ مالک رام کی اس بات سے اختلاف کی گنجائش بھی نہیں نکلتی، کیوں کہ اب تک کی تحقیقات سے ایسا کوئی دستاویزی ثبوت سامنے نہیں آ سکا ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ علامہ کو پروانۂ رہائی ملا تھا، لیکن شمیم طارق کا ''اسلوب تحقیق'' ملاحظہ ہو کہ مولانا شیروانی کے موقف کے خلاف مالک رام اور مولانا عرشی کی تحقیقات پر حرف حرف ایمان لانے کے باوجود محض علامہ کی جنگ آزادی میں عدم شرکت کو ثابت کرنے کے لیے مولانا شیروانی کا موقف اختیار کر لیا، جب کہ شیروانی صاحب کا دعوئ رہائی دستاویزی دلیل کا محتاج ہے۔ ان بوالعجبیوں کو دیکھ کر یہ شکوہ زبان پر آ ہی جاتا ہے کہ ان محققین نے علامہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اپنے مفروضہ اور مقلدانہ نظریات کے اثبات میں جہاں کہیں سے جو کچھ ملا اسے پیش کر دیا۔

یہاں یہ نکتہ بھی توجہ طلب ہے کہ بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حکومت نے علامہ کی رہائی کا پروانہ جاری کردیا تھا تو بھی اس رہائی کو جنگ آزادی میں عدم شرکت کی دلیل نہیں بنائی جاسکتی- اگر یہ محققین اس استدلال پر اصرار کرتے ہیں تو انھیں اپنے اس مفروضہ موقف سے بھی رجوع کرنا ہوگا کہ سید احمد رائے بریلوی کی تحریک انگریزوں کے خلاف تھی، کیوں کہ ۱۸۶۴ء میں مقدمہ ٔ امبیلا میں اس تحریک کے جن سپہ سالاروں کو حکومت نے علامہ کی طرح کالا پانی کی سزا دی انھیں کچھ سالوں کے بعد رہا کردیا، ان میں خاص طور پر میاں عبدالغفار، مولوی عبدالرحیم صادق پوری اور مولوی جعفر تھانیسری قابل ذکر ہیں- ان میں موخر الذکر ''سوانح احمدی'' کے مصنف، تحریک کے خاص رکن اور راز دار مولوی جعفر تھانیسری تو اس شان سے رہائی پا کر ۱۸۸۳ء میں ہندوستان تشریف لائے کہ ان کے پہلو میں ایک عدد بیوی، آٹھ بچے اور جیب میں آٹھ ہزار روپے نقد تھے- اگر مذکورہ محققین کے نزیک کسی کی رہائی کا مطلب بے گناہی ہے تو علامہ فضل حق ہی کیوں، انھیں اس تھیوری میں سید احمد رائے بریلوی کی تحریک کے ان تمام سپہ سالاروں کو شامل کرنے کا حوصلہ رکھنا چاہیے، جن کی انگریز دشمنی کو ثابت کرنے کے لیے قلم کی پوری توانائی صرف کی جاتی رہی ہے-

علامہ فضل حق کا مجاہدین کی تعریف کرنا: ادبیات جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جو لوگ بھی انگریزوں کے بہی خواہ تھے اور انگریزی سرکار کے خلاف اس جنگ کو غلط سمجھتے تھے انھوں نے عموماً اس جنگ کو غدر، ہندوستانیوں کے حملے کو بغاوت، نمک حرامی، فتنہ وفساد اور جنگ میں حصہ لینے والوں کو فسادی، نمک حرام، غدار اور باغی جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے- ایسے لوگوں میں سر سید احمد خاں، مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی محبوب علی (مرید وخلیفہ سید احمد رائے بریلوی) اور مولوی کرامت علی جونپوری (مرید سید احمد رائے بریلوی) وغیرہ کا نام پیش کیا جاسکتا ہے- جب کہ جو لوگ انگریزوں کے مخالف اور ان سے متنفر تھے نیز اپنے وطن کی آزادی کے خواہاں تھے، انھوں نے اس جنگ کو درست اور جائز قرار دیتے ہوئے اسے جہاد الی الحق سے تعبیر کیا اور جنگ میں حصہ لینے والوں کو مجاہدین، جواں مرد، دلیر اور جانباز جیسے الفاظ سے یاد کیا- ایسے لوگوں میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی ذات

سب سے زیادہ نمایاں ہے- علامہ نے قصیدہ نونیہ میں جنگ آزادی میں عملی شرکت کرنے والوں کا ذکر کچھ یوں کیا ہے:

وَ جَاء دِهْلِيْ غُزَاةٌ مُخْلِصُوْنَ غَزَوْا رَجَاءَ فَضْلٍ مِنَ الْمَوْلٰى وَ رِضْوَانِ

دہلی میں کچھ مخلص مجاہدین بھی آئے جنھوں نے محض رضائے الٰہی کی امید میں جہاد کیا- (شعر۱۱۷)

وَلاَ طَعَامٌ لَهُمْ غَيْرَ الْحُبُوْبِ وَلَا لِبْسٌ لَهُمْ غَيْرَ أَطْمَارٍ وَ خُلْقَانِ

(مگر) اِن کے پاس سوائے چند دانوں کے کوئی کھانا نہیں تھا اور سوائے چند پرانے کپڑوں کے لباس (جنگ) نہیں تھے- (شعر۱۱۸)

سُلْحَانُهُمْ أَقْوَسٌ أَوْ أَسْيَفٌ صَدِئَتْ لِطُوْلِ مَالَزِمَتْ بُطْنَانَ أَجْفَانِ

ان کے ہتھیاروں میں کجی اور ٹیڑھا پن تھا، ان کی تلواریں عرصۂ دراز سے میانوں میں رہنے کے باعث زنگ آلود ہو چکی تھیں- (شعر۱۱۹)

لٰكِنَّهُمْ نَجْدُوْهُمْ نَجْدَةً رَمَسَتْ مِنْ حِزْبِهِمْ كُلَّ جَبَّانٍ بِجَبَّانِ

مگر جواں مردی و دلیری کی وجہ سے یہ انگریز فوج پر غالب آئے اور انھوں نے اپنے ان ہی ہتھیاروں سے میدان جنگ میں ہر بزدل کا مدفن بنا دیا- (شعر۱۲۰)

كَم مَرَّةً حَمَلُوْا فِيْهِمْ كَأَنْ حَمَلَتْ أُسْدٌ جِيَاعٌ عَلَى أُجْدٍ وَ حُمْلَانِ

بار ہا وہ انگریز فوج پر اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے بھوکے شیر اونٹنی اور بکری کے بچوں پر حملہ کرتے ہیں- (شعر۱۲۱)

إِنْحَازَ جُنْدُ النَّصَارَى كُلَّمَا حَمَلُوْا وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّصَارَى طَوْقُ حُمْلَانِ

جب بھی ان جانبازوں نے نصاریٰ کی فوج پر حملہ کیا اس نے شکست کھائی ان میں حملہ کرنے کی سکت بھی نہ رہی- (شعر۱۲۲)

قَدْ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ الْحَقِّ وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَهُ وَ اسْتَحَقُّوْا رَوْضَ رِضْوَانِ

انھوں نے راہِ حق میں جہاد کیا اور رضائے الٰہی کے طریقے پر گامزن رہ کر جنت کے مستحق ہوئے- (شعر۱۲۳)

فَكَفَّرَ الْبَعْضُ بِالْأَجْرَاحِ مَا اجْتَرَحُوْا　　وَرَاحَ بَعْضٌ إِلَى رَوْحٍ وَ رَيْحَانِ

ان مجاہدین میں سے بعض وہ تھے جن کے جہاد میں کھائے ہوئے زخم ٹھیک ہو گئے اور بعض واصل الی الحق ہو گئے۔ (شعر ۱۲۴)

علامہ خیرآبادی کے یہ اشعار بجاطور پر انگریزی حکومت کے خلاف ان کے ذہن وفکر اور جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

زندگی کی ابتدا سے انتہا تک علامہ فضل حق کی انگریز مخالفت کا ثبوت: علامہ فضل حق خیرآبادی نے قصیدۂ رائیہ کو انیسویں صدی کے ربع اول میں نظم کیا، جب دہلی پر انگریز قابض ہو چکے تھے اور شاہ عالم ثانی کی بادشاہت برائے نام رہ گئی تھی۔ یہ علامہ کی زندگی کا ابتدائی دور تھا، اس وقت ان کی عمر تیس سال سے بھی کم تھی اور وہ دہلی کی عدالت دیوانی میں سر رشتہ دار تھے۔ دوسرا قصیدہ، قصیدہ نونیہ ہے جس کو علامہ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد لکھا، جب ہندوستانیوں کی استخلاص وطن کی کوششوں کو ناکام کر کے انگریزوں نے دوبارہ دہلی پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ علامہ کی زندگی کا آخری دور تھا اور ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی تھی۔ اگرچہ دونوں قصائد مختلف حالات اور الگ الگ دور میں لکھے گئے اور ان دونوں کے لکھنے کے درمیان تقریباً چالیس سال سے زائد کا فرق بھی ہے، لیکن ان دونوں قصائد کے مطالعے سے حیرت انگیز طور پر اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ دونوں کے موضوعات (انگریزوں کی مذمت) میں یکسانیت کے ساتھ مضامین میں بھی حد درجہ مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انگریزوں کے غاصبانہ تسلط، پوشیدہ عزائم، غلط پالیسی، آمرانہ رویہ اور جابرانہ نظام حکومت کے تعلق سے علامہ کی جو منفی رائے ان کی زندگی کے آخری ادوار میں تھی وہ جنگ میں پسپائی اور حالات کے زیر اثر نہ تھی بلکہ زندگی کے آغاز سے ہی تھی، جس کا اظہار انھوں نے زندگی کی ابتدا میں بھی کیا اور اسی کا اعادہ آخر میں بھی کیا۔

دونوں قصائد کے مضامین میں یکسانیت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

انگریزوں کا اصل مقصد عیسائی بنانا: علامہ نے قصیدہ رائیہ کے شعر نمبر ۹۶ میں ذکر کیا

ہے کہ انگریزوں کا مقصد سارے دین وملت کے لوگوں کو عیسائی بنانا ہے اور چالیس برسوں کے بعد قصیدہ نونیہ کے شعر نمبر ۴۶ میں بھی اسی ذکر کا اعادہ کیا-فرماتے ہیں:

فَلَيْسَ مَقْصُوْدُهُمْ تَرْوِيْجَ مَعْرِفَة بَلْ كُلُّ ذٰلِكَ تَمْهِيْدٌ لِتَنْصِيْر

ان مدارس سے ان کا مقصود علم ومعرفت کی اشاعت نہیں ہے بلکہ یہ تمام کاوشیں لوگوں کو نصرانی بنانے کی ایک تمہید ہے-(قصیدہ رائیہ)

وَتِلْكَ أَنَّ النَّصَارَى كَانَ نِيَّتُهُمْ تَنْصِيْرَ مَنْ فِي الْوَرَى مِنْ أَهْلِ أَدْيَانِ

وہ حادثہ یہ ہے کہ نصاریٰ کا مقصد سارے دین وملت کے لوگوں کو عیسائی بنانا ہے-
(قصیدہ نونیہ)

مدارس کا قیام اوران کا مقصد: علامہ نے قصیدہ رائیہ کے شعر نمبر ۹۳ میں ذکر کیا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستانی بچوں میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے مدارس ودانش گاہیں تعمیر کر وائیں جہاں انگریزی پادریوں کے ذریعے گمراہی و بے دینی، جھوٹ اور بہتان ترازی کی تعلیم دی جاتی ہے- چالیس سال کے بعد اسی بات کا اعادہ قصیدہ نونیہ کے شعر نمبر ۵۰/۵۱ میں بھی کیا گیا ہے-

بَنَوْا مَدَارِسَ طَمْساً لِلْعُلُوْمِ كَمَا سَمُّوْا مَجَاهِيْلَ جَهْلًا بِالنَّحَارِيْرِ

انھوں نے مدارس بنائے تاکہ علوم کا خاتمہ کردیں، جس طرح انھوں نے اپنی جہالت کی بنا پر جاہلوں کا نام ماہرین رکھ دیا-(قصیدہ رائیہ)

بَنَوْا أَرَاذِلَ هَدْمًا لِلنَّبَالِ كَمَا بَنَوْا مَدَارِسَ تَخْرِيْبًا لِصِبْيَانِ

باکمال لوگوں کو مٹانے کے لیے انھوں نے کمین وذلیل لوگوں کو نوازا اسی طرح بچوں میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے مدارس ودانش گاہیں تعمیر کروائیں-

بِدَرْسِ رَسْمِ الْهُدَى هَمُّوْا لِدَرْسِ لَغًى مِمَّا افْتَرَى الْقَسُّ مِنْ زُوْرٍ وَبُهْتَانِ

ان مدارس و دانش گاہوں میں رشد و ہدایت کو مٹا کر گمراہی و بے دینی، جھوٹ، بہتان ترازی کی تعلیم دی جاتی جو ان کے پادریوں کے دلوں کی اپج ہے-(قصیدہ نونیہ)

کسانوں اور دیگر اہل حرفت وصنعت پر مظالم: علامہ نے قصیدہ رائیہ کے شعر نمبر

۲۱۷/۲۱۸/۲۱۹ میں ذکر کیا ہے کہ انگریزوں نے سوت کاتنے والی تنگ دست عورتیں ہوں یا غریب لوہار اور کاریگر، ہر ایک کی روزی کے راستے مسدود کر دیے ہیں- چالیس سال کے بعد اسی بات کو قصیدہ نونیہ کے شعر نمبر ۵۶/۵۷ میں بھی دہرایا گیا ہے:

قَدْ أَحْرَفُوْا وَاعْتَنُوْا بِالْإِحْتِرَافِ لِكَيْ　　يُلْقُوْا أُولِي الْحِرْفِ فِيْ حُرْفٍ وَتَقْتِيْرِ

فقر کے بعد وہ مال دار ہو گئے اور مکر و حیلے کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ اہل حرفت کو محرومی اور تنگی رزق میں مبتلا کر دیں-

فَلَيْسَ فِي الْغَزْلِ جَدْوَى لِلْعَجُوْزِ وَلَ　　لِحَائِكٍ أُجْرَةٌ فِي النَّسْجِ وَالنِّيْر

تو اب ایک بوڑھے کے لیے سوت کاتنے میں کوئی نفع نہیں رہ گیا اور نہ ہی کپڑا بُننے والے کے لیے کپڑا بُننے کی کوئی اجرت ہے-

دَارَتْ رَحَاهُمْ عَلَى الطَّحَّانِ فَانْقَلَبَتْ　　رَجَاهُ مِنْهَا طَحِيْنًا فِيْ رَحَى الْحُوْرِ

انگریزوں کی چکی آٹا پیسنے والے کے اوپر چلی تو اس کی امیدیں ہلاکت کی چکی میں پس گئیں- (قصیدہ رائیہ)

وَقَتَّرُوْا رِزْقَ كُلٍّ مِنْ غَوَازِلَ أَوْ　　نُكْدٍ يَحُكْنَ وَصُنَّاعٍ وَأَقْيَانِ

سوت کاتنے والی تنگ دست عورتیں ہوں یا غریب لوہار اور کاریگر ہوں، ان انگریزوں نے ہر ایک کی روزی کے راستے مسدود کر دیئے-

لَمْ يَتْرُكُوْا مِنْ فَلَاحٍ فِي الْفَلَاحَةِ بَلْ　　دَقُّوْا رَحَى كُلَّ دَقَّاقٍ وَ طَحَّانِ

حتیٰ کہ کسانوں کی کھیتی باڑی میں بھی کوئی نفع نہیں چھوڑا بلکہ غریب آٹا پیسنے والے کی چکی تک چکنا چور کر دی- (قصیدہ نونیہ)

ٹیکس مقرر کرنا: علامہ نے قصیدہ رائیہ کے شعر نمبر ۱۲۸/۱۲۹/۱۳۰ میں بیان کیا ہے کہ گوروں نے ہر چیز پر ٹیکس لگا دیا ہے- اسی بات کا اعادہ قصیدہ نونیہ کے شعر نمبر ۶۱ میں بھی کیا کہ انھوں نے کس طرح اونٹ، ہاتھی، بیل وغیرہ جانوروں کے راستوں میں چلنے پر بھی ٹیکس مقرر کر دیا ہے-

يُقَدِّرُوْنَ خَرَاجاً بَعْدَ أَنْ مَسَحُوا الْـ　　أَرَاضِ مَا بَيْنَ مَمْحَالٍ وَمَمْطُوْر

وہ زمینیں جو قحط زدہ تھیں یا بارش سے سیراب ہوئی تھیں ان سب پر قبضہ کر کے ان پر ٹیکس نافذ کر دیا۔

فَيَسْتَوِيْ فِي الْأَتَاوَى فِيْ جَبلَّتِهِمْ　　زَرْعٌ مَجُوْدٌ وَقُطْرٌ غَيْرُ مَقْطُوْر

وہ زمینیں جو انسان نے خود سیراب کی ہیں اور وہ زمینیں جن کو بارش نے سیراب کیا ہے ان کے ٹیکس کے معاملے میں یکساں ہیں۔

أَقْوَتْ قُرًى وَبِلَادٌ مِنْ مَظَالِمِهِمْ　　وَبَلْقَعَتْ وَتَخَلَّتْ مَا بِهَا طُوْرِيْ

ان کے مظالم کی وجہ سے گاؤں اور شہر بے آب وگیاہ اور ویران ہو گئے۔ (قصیدہ رائیہ)

قَدْ أَوْجَبُوْا مَغْرَمًا فِي السَّيْرِ فِيْ طُرُقٍ　　عَلَى جِمَالٍ وَ أَفْيَالٍ وَ ثِيْرَانِ

ان گوروں نے اونٹ، ہاتھی، بیل وغیرہ جانوروں کے راستوں میں چلنے پر بھی ٹیکس مقرر کر دیا۔ (قصیدہ نونیہ)

عدالت کا نظام اور رشوت وغیرہ: علامہ نے قصیدہ رائیہ کے شعر نمبر ۱۰۹/۱۱۰/۱۱۱ میں لکھا ہے کہ انگریزوں کے فیصلے فریقین کے مال کو چھین لیا کرتے اور انہیں نقصان وخسارے کی بنا پر رشوت کی لعنت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اسی بات کو چالیس برسوں کے بعد قصیدہ نونیہ کے شعر نمبر ۶۲ میں بھی نظم کیا گیا ہے۔

يَقْضُوْنَ عِنْدَ خِصَامِ النَّاسِ بَيْنَهُمْ　　بِمَا يُؤَدِّيْ إِلَى بَخْسٍ وَتَخْسِيْرِ

یہ لوگوں کے درمیان اس طور پر فیصلہ کرتے ہیں جس سے لوگوں کا سراسر خسارہ اور نقصان ہی ہوتا ہے۔

وَيَأْخُذُوْنَ مِنَ الْخَصْمَيْنِ مَالَهُمَا　　أَجْراً عَلَى سَمْعِ إِقْرَارٍ وَتَقْرِيْر

جو لوگ ان کی عدالت میں مقدمہ دائر کرتے ہیں ان سے یہ مقدمے کی سماعت کے نام پر پیسے اینٹھ لیتے ہیں۔

وَأَيُّ مَظْلِمَةٍ أَدْهَى وَأَعْظَمُ مِنْ　　بَيْعِ الْقَضَاءِ بِتَقْوِيْمٍ وَتَسْعِيْر

اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ فیصلہ کرنے کی بھی قیمت متعین کر دی جائے۔

(قصیدہ رائیہ)

قَضَاؤُهُمْ يَسْلُبُ الْخَصْمَيْنِ مَالَهُمَا   فَيَبْتُلُوْنَهُمَا سُحْتًا بِخُسْرَانِ

ان کے فیصلے فریقین کے مال کو چھین لیا کرتے اور انہیں نقصان وخسارے کی بنا پر رشوت کی لعنت میں مبتلا کر دیتے۔ (قصیدہ نونیہ)

کمینے سردار ہوئے، سردار ذلیل ہوئے: علامہ نے قصیدہ رائیہ کے شعر نمبر ۲۱۲ میں بتایا کہ کس طرح انگریزی سازشوں کے وجہ سے عزت وشرف والے ذلیل ہو گئے، طاقت ور کمزور ہو گئے، مالدار مفلس ونادار ہو گئے، کمینے اور ذلیل لوگ عزت وشرف والے بن گئے۔ اسی کرب کا اظہار چالیس سالوں کے بعد علامہ نے قصیدہ نونیہ کے شعر نمبر ۸۱ میں بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

أُولُوا الْحَسَابَةِ فِيْ حُسْبَانِهِمْ سُفَلٌ   وَالدُّوْنَ أَهْلٌ لِإِحْسَابٍ وَتَوْقِيْر

حسب والے شریف لوگ ان کی نظر میں ذلیل وحقیر ہیں اور ذلیل وحقیر لوگ ان کی نظر میں عطاوکرم اور توقیر کے حق دار ہیں۔ (قصیدہ رائیہ)

ذَلَّ الْعَزِيْزُ وَ عَزَّ الْعَزُّ وَافْتَقَرَ الْـ   غَنِيُّ وَ ابْتَزَّ وَاعْتَزَّ (الرَّدٰى) الدَّانِيْ

عزت وشرف والے ذلیل ہو گئے، طاقت ور کمزور ہو گئے، مالدار مفلس ونادار ہو گئے، کمینے اور ذلیل لوگ عزت وشرف والے بن گئے۔ (قصیدہ نونیہ)

یہ چند مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت کے خلاف علامہ فضل حق خیرآبادی کی فکر اور ان کے موقف میں ابتدا سے انتہا تک کبھی لچک نہیں آئی، انھوں نے اپنی زندگی کے آغاز میں انگریزوں سے جس نفرت و بیزاری اظہار کیا وہ آخری سانس تک قائم رہی اور اس کا اظہار وہ متعدد سطحوں سے مختلف ادوار میں کرتے رہے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بعض محققین علامہ کے قصیدۂ ہمزیہ کے شعر نمبر ۱۶۳ اور ۱۶۴ کو بنیاد بنا کر معرکہ ٔستاون میں ان کی عدم شرکت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان اشعار میں علامہ فرماتے ہیں:

> ''میں بیٹھنے والوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھاتا رہا اور لڑائی شروع ہو جانے پر خود بیٹھا رہا۔ میں اپنی سستی کی وجہ سے ایسے موقع پر باز رہا

، یہ میں نے بڑا جرم کیا، جب نیک بخت حضرات نے مجھے شہادت
کے لیے بلایا تو میں حاضر نہ ہوا، میں شہادت سے محروم رہا جب کہ
سعادت مندوں نے جام شہادت نوش کیا- اے پروردگار! میرے
قصور کو معاف کر-'' (باغی ہندوستان، ص:۱۰۳)

پہلی بات تو یہ کہ انگریزوں کی مخالفت ونفرت اور جنگ میں عملی وفکری شرکت کے ثبوت میں درجنوں شواہد سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ان دو اشعار کے ظاہری الفاظ کی بنیاد پر جنگ میں علامہ کی عدم شرکت کا فیصلہ صادر کرنا خلاف تحقیق طرز عمل ہے- دوسری بات یہ کہ محققین کو یہ دیکھنا چاہیے کہ قائل کس پس منظر اور کن حالات میں کس کے روبرو یہ باتیں کہہ رہا ہے- یہ باتیں اس شکست خوردہ شخص کی ہے جو استخلاص وطن کی کوششوں میں ناکام ہو چکا ہے، قید و بند کی اذیتوں نے اس کے جسم اور روح کو درد وکرب سے گھائل کر رکھا ہے، شاہانہ ناز ونعم اور اپنی اولاد واقارب سے دور بیماری اور مہجوری میں سزا کاٹ رہا ہے- ایسے مصائب وآلام میں ان بندشوں سے آزاد ہونے کے لیے وہ اپنے رب کے حضور اپنی بندگی، کوتاہی اور عجز ودرماندگی کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے مغفرت کا خواست گار اور رحمتوں کا طلب گار ہے- کیوں کہ جب بندہ مسلسل مشکلات اور مصائب سے دوچار ہوتا ہے تو نارسائی کا کرب اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی مجبوری ومقہوری، کوتاہی اور گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کی نعمتوں کا سزاوار ہو- اللہ رب العزت سے حاجت برآری کا یہی طریقہ ہوتا ہے- بندے اور معبود کے درمیان ان باتوں کی حیثیت ایک راز کی ہوتی ہے- اسے دلیل اور حجت کے طور پر پیش کرنا پختہ ذہن وفکر کی علامت ہے- اگر ایسا نہیں ہے تو علامہ نے اسی قصیدے کے شعر نمبر ۱۷۷/۱۷۸/۱۷۹ میں بھی اپنے رب کے حضور کچھ یوں بھی کہا ہے:

''(اے پروردگار!) مجھے اعتراف ہے کہ میں نے کوئی نیکی کا کام
نہیں کیا، بلکہ بداعمالی میں ہی مبتلا رہا- میری عمر لہو ولعب میں بے کار
گزری اور خواہشات نے مجھے نیکیوں سے غافل رکھا- کوئی ثواب کا

کام نہ کرسکا-‘‘(باغی ہندوستان،ص:۱۰۵)

کیاان باتوں کوبھی دلیل بنا کر یہی کہا جائے گا کہ علامہ خیرآبادی نے پوری زندگی کوئی نیکی اورثواب کا کام نہیں کیااور پوری زندگی انھوں نے لہوولعب میں رہ کر بے کارگزاردی؟



مرکز علم وفن خیرآباد کی سیر

ہندوستان میں جن خانوادوں نے اپنی علمی، فکری، قلمی، تدریسی اور دینی خدمات سے ''مرکز علم وفن'' کی بنیاد ڈالی، ان میں خانوادۂ خیرآباد امتیازی حیثیت کا حامل ہے- اس خانوادے میں حضرات وخواتین کی ایک معقول تعداد گزری ہے جس کا علمی فیضان متحدہ ہندوستان کے بڑے حلقے تک پہنچا-خصوصیت کے ساتھ اس خانوادے کی یکے بعد دیگرے تین نسلوں میں تین شخصیتیں ایسی بھی گزری ہیں جن کے علم وفضل اور خدمات نے خیرآباد اور خانوادۂ خیرآباد کو ''مرکز ثقل'' بنا دیا - ہندوستان کے جس خطے میں یہ لوگ گئے معقولات ومنقولات کی تحصیل کے لیے طالبان علم وفن کھنچے چلے آئے اور علم وفن کی مسند آراستہ ہوگئی- یہ تین نمایاں ترین حضرات یہ تھے:

۱-مولانا فضل امام خیرآبادی (ف:۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) سرسید نے جنہیں ''مہبط انوار فیوض قدسی، قدوۂ علماے فحول، حاوی معقول ومنقول، سند اکابر روزگار اور موسس اساس ملت ودیں'' کے خطاب سے یاد کیا☆ -مولانا کے سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ جس زمانے میں ''ایک جانب شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کا ڈنکا منقولات میں بج رہا تھا اور دوسری طرف اسی دہلی میں مولانا فضل امام کے معقولات کا سکہ چل رہا تھا-'' ☆☆

۲- دوسرے مولانا فضل حق خیرآبادی بن مولانا فضل امام، جو بقول مرزا غالب ''فخر ایجاد وتکوین'' تھے-حکیم سید محمود احمد برکاتی نے مختصر لفظوں میں مولانا کا بڑا جامع تعارف کرایا ہے: ''الہیات، علم کلام، منطق اور فلسفے کے امام وقت تھے، برعظیم کے معقولین میں

☆ آثار الصنادید، جلد دوم، ص: ۸۷☆☆ باغی ہندوستان، ص: ۱۳۸

ابتدا سے اب تک ان کا کوئی مثیل ونظیر نہیں ہے—نصف صدی تک مسلسل تدریس کرتے رہے اور تلامذہ کی ایک معقول تعداد نے آپ سے کسب کمال کیا— علم میں اس علومقام کے ساتھ مولانا کی حیات کا ایک تابناک باب یہ ہے کہ آپ ایک مدبر سیاسی اور مجاہد بھی تھے-''☆

۳- اور تیسرے مولانا عبدالحق خیرآبادی (۱۲۲۴ھ/۱۳۱۶ھ) جنہیں والد ماجد مولانا فضل حق خیرآبادی نے اپنی اسیری کے ایام (جزیرۂ انڈمان) میں ''ہندوستان میں اپنی یادگار'' کہا تھا- مولانا عبدالحق کے فضل وکمال اور درس وتدریس کا یہ عالم تھا کہ ان کی شہرت ہندوستان سے نکل کر بیرون ہند تک پہنچ گئی تھی- اس بات کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جب مولانا اس دنیا سے وصال فرما گئے تو نہ صرف ہندوستان کے مدارس نے ماتم کیا بلکہ بیرون ہند کے علما نے بھی سوگ منایا- سلطان المسلمین بادشاہ ترکی نے بھی ایک ہفتے تک مدرسہ اظہریہ میں تعطیل رکھی اور ملکی وغیر ملکی جرائد نے مقالات لکھے-☆☆

خانوادۂ خیرآباد کے اسی علمی امتیاز اور کشش نے دل میں خیرآباد کی زیارت کا شوق پیدا کیا، تاکہ اس خاندان کی موجودہ نسل اور ان کے حالات سے آگہی ہو، جو افراد یہاں دفن ہیں ان کی قبروں کے نشانات ہیں یا نہیں، یہ دیکھا جائے، علامہ فضل حق خیرآبادی کی وہ عالی شان حویلی جس کا ذکر بزرگوں سے سنا وہ اس وقت کس حال میں ہے، اس کی زیارت کی جائے اور اس خاندان کے ذخیرۂ علمی وفکری کا کچھ سراغ مل جائے تو اسے بھی حاصل کیا جائے- کیوں کہ سیکڑوں صفحات کے مطالعے کے باوجود علامہ فضل حق کے خانوادے کے موجودہ حالات اور ان کے باقی ماندہ آثار ونشانات کا علم نہ ہو سکا، جن محققین اور اہل قلم نے کہیں اختصار کے ساتھ ذکر بھی کیا ہے تو ان کی معلومات بیسویں صدی کے پانچویں اور چھٹے دہے کی ہے- ان معلومات کے بعد تقریباً چار پانچ دہائیاں گزر چکی ہیں اور سبھی حالات اب یکسر تبدیل ہو گئے ہیں-

کتب خانہ قادریہ میں خانوادۂ خیرآباد کے علمی نوادر: خیرآباد اور خانوادۂ خیرآباد کے

☆فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۱۹☆☆باغی ہندوستان، ص:۳۱۷

موجودہ حالات کو جاننے کے لیے ہم نے ۱۵رمئی ۲۰۱۱ءکو رخت سفر باندھا اور محبّ گرامی مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کے ہمراہ بذریعہ کار دہلی سے روانہ ہوئے اور اسی دن شام کو ہم خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں پہنچ گئے- ۱۵رمئی کی رات اور ۱٦رمئی کو ہم نے خانقاہ میں قیام کیا- دورانِ قیام خانوادۂ عثمانیہ کی تقریباً پانچ سو سالہ قدیم لائبریری ''کتب خانہ قادریہ'' کی زیارت کی- یہ اپنی طرز کی نادر لائبریری ہے جہاں مختلف علوم وفنون کی ہزاروں کم یاب کتابوں کے ساتھ سیکڑوں نایاب مخطوطات بھی موجود ہیں، خصوصیت کے ساتھ تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری کے جتنے بھی علمی اور مسلکی معرکے ہوئے ہیں ان پر تمام قیمتی مواد اور کتابیں محفوظ ہیں-معروف محقق و ناقد پروفیسر محمد ایوب قادری جس زمانے میں ''تذکرۂ علمائے ہند'' مولفہ مولوی رحمٰن علی (ف:۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۵ء) کے ترجمہ، ترتیب اور حاشیے کا کام کررہے تھے تو قدیم تذکروں کی تلاش میں ۱۹٦۰ء میں بدایوں بھی پہنچے اور کتب خانہ قادریہ دیکھا- تذکرۂ علماے ہند کے پیش لفظ میں وہ لکھتے ہیں:

> ''شیخ عبدالحمید السالم میاں سجادہ نشیں درگاہ قادریہ بدایوں اور مولوی عبدالمجید اقبال میاں کی عنایت سے مدرسہ قادریہ کا نادر کتب خانہ دیکھنے کو ملا جس میں تقریباً دس ہزار کتابیں ہوں گی، جن میں سے چار ہزار کے قریب تو صرف مخطوطات ہیں-''

(تذکرۂ علمائے ہند، ص:۲۷)

حضرت صاحب سجادہ شیخ عبدالحمید محمد سالم میاں قادری نے کتب خانہ قادریہ کی ۱۹۸۵ء میں ترتیب وتجدید کی، اس کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا اسید الحق قادری نے جامعہ ازہر مصر سے تعلیمی فراغت کے بعد ۲۰۰۷ء میں اس کی توسیع وتزئین کا کام کیا- چوں کہ خانوادہ عثمانیہ بدایوں اور خانوادۂ خیرآباد کے درمیان تقریباً دوسوسالوں سے افادہ و استفادہ کا رشتہ رہا ہے☆ اس لیے کتب خانہ قادریہ میں خیرآبادیات کے تعلق سے قلمی نوادر،

☆ سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی (۱۲۱۳ھ/ ۱۲۸۹ھ) علامہ فضل حق خیرآبادی کے معاصر تھے، ان دونوں کے درمیان خلوص ومحبت اور دوستانہ مراسم تھے، **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

قدیم مطبوعات اور عربی قصائد موجود ہیں، میری گزارش پر مولانا اسید الحق نے جن چند نوادر کی زیارت کرائی ان کا اجمالاً یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔☆☆:

١-امتناع النظیر : علامہ فضل حق خیر آبادی کی معروف تصنیف ہے۔ یہ قلمی نسخہ بڑی تقطیع کے ٢٨٤ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کاتب کا نام اور سال کتابت درج نہیں ہے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ف: ١٣٥٨ھ / ١٩٣٩ء) نے جب اس کی اشاعت کا ارادہ کیا تو مختلف قلمی نسخوں کے ساتھ اس قلمی نسخے سے بھی استفادہ کیا۔

٢-تحقیق الفتوی فی ابطالِ الطغوی: یہ بھی علامہ فضل حق خیر آبادی کی مشہور تصنیف ہے، یہ قلمی نسخہ چھوٹے سائز میں ٢١٢ صفحات پر مشتمل ہے، جسے علامہ کے شاگرد رشید تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے۔

٣-ہدیہ سعیدیہ: یہ بھی علامہ خیر آبادی کی معروف تصنیف ہے۔ یہ قلمی نسخہ متوسط تقطیع میں ٢٠٤ صفحات پر مشتمل ہے، کاتب کا نام نہیں جب کہ سال کتابت ١٢٨٩ھ درج ہے۔

٤-حاشیہ قاضی مبارک: علامہ فضل حق خیر آباد کا یہ مشہور زمانہ حاشیہ جو معقولات پر علامہ کے علمی اور اجتہادی مرتبے کا تعین کرتا ہے، یہ نسخہ مولانا سناء الدین عثمانی کے ذخیرۂ علمی کا ہے، جو ١٣٠٢ھ میں مولانا عبد القیوم قادری بدایونی تلمیذ تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی کے زیر مطالعہ رہا۔

(**بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ**) دین وسنیت کی اشاعت اور اعتقادی انحراف کے خلاف تحریک میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی کی مشہور زمانہ تصنیف ''المعتقد المنتقد'' پر علامہ خیر آبادی نے تقریظ بھی لکھی ہے۔ اسی رشتۂ خلوص ومحبت کی وجہ سے سیف اللہ المسلول نے اپنے صاحبزادے تاج الفحول مولانا عبد القادر عثمانی بدایونی (١٢٥٣ھ/ ١٣١٩ھ) کو معقولات کی تحصیل کے لیے علامہ خیر آبادی کی درس گاہ میں لکھنؤ اور الور بھیجا۔ علامہ کے شاگردوں کی طویل فہرست میں وہ چار حضرات جو عناصر اربعہ سمجھے جاتے ہیں ان میں ایک مولانا عبد القادر بدایونی بھی ہیں۔

☆☆ کتب خانہ قادریہ میں خیر آبادی نوادر کے تعلق سے مزید تفصیل مولانا اسید الحق قادری کی کتاب ''خیر آبادیات'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۵-مجموعۂ قصائد علامہ فضل حق: اس مجموعے میں علامہ خیرآبادی کے ۱۴؍عربی قصائد ہیں جن میں اشعار کی مجموعی تعداد ۱۶۵۲ ہے- یہ قصائد ۱۲۶۹ھ اور ۱۲۷۰ھ کے درمیان نقل کیے گئے ہیں- ان ۱۴ قصائد میں ایک کے علاوہ بقیہ ۱۳؍قصائد مولانا سناء الدین عثمانی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں- حاشیہ اور بین السطور میں حل لغات بھی ہے جو بقول مولانا اسید الحق ان کے پردادا حضرت تاج الفحول کے قلم کا ہے-

۶-فتویٰ تردید حیدر علی ٹونکی: علامہ فضل حق خیرآبادی کا یہ فتویٰ مولانا حیدر علی ٹونکی کی بعض عبارات سے متعلق ہے- اس میں پندرہ سوالات پر مشتمل استفتا ہے، جس پر علامہ کا تفصیلی جواب ہے جو دہلی، رام پور اور مرادآباد وغیرہ کے ۳۰ سے زائد علما کی تصدیقات سے مزین ہے- یہ قلمی نسخہ دس صفحات پر مشتمل ہے جس پر علامہ کی مہر بھی ہے- یہ فتویٰ مطبع ہدایہ دہلی سے ۱۲۶۹ھ میں شائع بھی ہوا تھا-

۷-مجموعۂ مکاتیب: اس میں کل سات خطوط ہیں، علامہ فضل حق خیرآبادی نے حیدر علی ٹونکی سے متعلق پندرہ سوالات پر مشتمل جس استفتا کا جواب دیا تھا اس میں چھٹے سوال کے جواب پر علامہ خیرآبادی، مفتی صدر الدین آزردہ اور علامہ فضل رسول بدایونی کے درمیان سلسلۂ مکاتبت شروع ہوا- اس میں تین خطوط مفتی آزردہ کے ہیں، دو علامہ خیرآبادی اور ایک علامہ فضل رسول کے نام- تین علامہ خیرآبادی کے ہیں مفتی آزردہ کے نام اور ایک خط علامہ فضل رسول کا ہے علامہ خیرآبادی کے نام-

خیرآباد کی قدامت واہمیت: کتب خانہ قادریہ میں خیرآبادی نوادر کی زیارت کے بعد ۱۷؍مئی ۲۰۱۱ء کو صبح ۹؍بجے بذریعہ کار ہم بریلی اور شاہجہاں پور ہوتے ہوئے خیرآباد کی طرف روانہ ہوئے- خیرآباد اودھ کے قصبات میں اپنی قدامت اور علمی وادبی سرگرمیوں کی وجہ سے امتیازی حیثیت کا حامل رہا ہے- خیرآباد ضلع سیتاپور، اتر پردیش میں واقع ہے- یہ قصبہ سیتاپور سے ۶؍کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق کی جانب اور لکھنو سے تقریباً ۷۵؍کلومیٹر کی مسافت پر مغرب میں دہلی لکھنو ہائی وے پر ہے-

خیرآباد کی قدامت کے تعلق سے سید نجم الحسن رضوی خیرآبادی نے لکھا ہے کہ:

''اس قصبہ کی تاریخ بہت قدیم ہے، تلاش وجستجو سے انکشاف ہوا ہے کہ راجہ بکر ماجیت کے دور سے قبل یہاں آبادی موجود تھی، اس وقت اس کا نام ''چتر ریتھا'' تھا، پھر راجہ بکر ماجیت کے عہد میں منسا دیوی کی مناسبت سے ''منسا چتر'' کے نام سے موسوم ہوا ــــــ عہد اسلامی میں سب سے پہلے حضرت یوسف غازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقا کے ساتھ تشریف لائے ، آپ کی آخری آرام گاہ یہیں ہے ــــــ البتہ ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ اس قصبے کو سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود نے آباد کیا ــــــ اس سے پہلے آبادی میں نظم وضبط نہیں باقی رہا تھا، سلطان ابراہیم نے پوری توجہ صرف کر کے اس کو باقاعدہ آباد کیا اور اغلب خیال ہے کہ اس وقت سے اس کا نام ''خیر آباد'' ہو گیا جو اب تک قائم ہے''۔

(خیر آباد کی ایک جھلک، ص: ۹/۸)

سلطان ابراہیم کے بعد خیر آباد مختلف شعبوں میں مسلسل ترقی کرتا رہا، یہاں کثرت سے بزرگان دین بھی تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے، ان بزرگوں میں خاص طور پر خلیفۂ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا، حضرت عثمان غزنوی اور ان کے بعد مخدوم شاہ مینا لکھنو کے مرید حضرت مخدوم شیخ سعد الدین (ف: ۹۲۲ھ) تشریف لائے اور اسی سر زمین میں دفن ہوئے- مخدوم صاحب کی تشریف آوری سے خیر آباد کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور یہ قصبہ خاص اہمیت کا حامل بن گیا- جب مغلوں کا دور آیا تو خیر آباد کی مختلف خصوصیات کے سبب اسے ضلع کا درجہ دے دیا گیا- اسی دور میں حضرت بڑے مخدوم کے خلیفہ حضرت مخدوم سید نظام الدین اللہ دیہ عرف چھوٹے مخدوم صاحب (ف: ۹۹۳ھ) کے روحانی مقام سے اکبر اعظم اور فیضی ان کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے تھے- فیضی کی عقیدت کا تو یہ عالم تھا کہ حضرت کے وصال کے بعد ان کا عالی شان مزار تعمیر کرایا جو آج بھی موجود ہے-

مغلیہ عہد میں ہی جب صوبہ اودھ نے مرکز سے علیحدہ ہوکر اپنی خودمختاری کا اعلان کیا تو نوابان اودھ کی ایک الگ سلطنت قائم ہوگئی، مگر انھوں نے بھی خیرآباد کی مرکزیت کو سلامت رکھا- اس کے بعد انگریزی سرکار کا دبدبہ ہندوستان پر قائم ہونے لگا تو اودھ کی سلطنت کو بھی ان لوگوں نے ضبط کرلیا- خیرآباد کی شہرت وعظمت اور اس کے بعد کے معاملات کے تعلق سے ''گزیٹرضلع سیتاپور'' میں لکھا ہے کہ:

> ''پرانے زمانے میں خیرآباد بڑا مشہور مقام تھا، کیوں کہ صدیوں تک مسلمان صوبہ داروں کا صدر مقام رہا اور عہد اکبری میں صوبہ اودھ کی سرکار کا صدر مقام تھا، ضبطی اودھ کے بعد اس نام سے کمشنری رہی اگرچہ کمشنر شروع ہی سے سیتاپور میں رہتا تھا-''
>
> (ضلع گزیٹر سیتاپور، ص:۱۶۲)

عہد اسلامی سے مغلیہ عہد (ضبطی اودھ) تک خیرآباد مسلسل ترقی کرتا رہا، لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی عہد حکومت آتے ہی اس کے زوال کا آغاز ہوگیا- سید نجم الحسن رضوی نے خیرآباد سے انگریزوں کی کدورت کے دو اسباب بیان کیے ہیں:

ایک تو مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی کا انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینا اور دوسرا یہاں کے ایک صوبے دار راجہ ہر پرشاد کا ملکہ نیپال سے مل کر علم بغاوت بلند کرنا- یہ دو ایسے سنگین جرائم تھے جن کی پاداش میں انگریزوں نے خیرآباد کی مرکزیت کا خاتمہ کردیا اور یہاں بے روزگاری کو فروغ دینا شروع کیا جس کی وجہ سے جو خیرآباد کبھی دوسرے مقامات کے لیے مرکز رشک بنا ہوا تھا وہ ویرانے میں تبدیل ہونے لگا-

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ خیرآباد، آبادی کے لحاظ سے ایک چھوٹا قصبہ ہونے کے باوجود اپنی علمی، ادبی، سیاسی اور روحانی عظمتوں کی وجہ سے مرکزی مقام رہا ہے، اس خطے سے علم ومعرفت کے چشمے جاری ہوئے، علوم عقلیہ ونقلیہ کے دریا بہے، شعروسخن کی بزمیں آراستہ ہوئیں اور اسی سرزمین پر ایسے مشاہیر علما، ادبا، شعرا اور حکما پیدا ہوئے جنھوں نے ملک گیر سطح پر اپنے علم وفن کا لوہا منوایا- لیکن خانوادۂ خیرآباد بالخصوص علامہ فضل حق خیرآبادی

کی ذات گرامی نے اپنے علم وفضل، معقولات ومنقولات کی تعلیم وتدریس اور معرکۂ ستاون میں اپنی عملی وفکری شرکت کی وجہ سے اس قصبے کو پوری دنیا میں متعارف کرا دیا- مولانا سید میاں ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے وہ قصبے جو مردم خیزی میں مشہور ہیں، ان میں ضلع سیتاپور کا قصبہ خیرآباد بھی ہے- اب چودھویں صدی کے ربع آخر میں اس کی حالت کچھ بھی ہو مگر حلقہ درس وتدریس سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی کے آخر تک خیرآباد کو خیرالبلاد لکھا جاتا تھا-'' (علمائے ہند کا شاندار ماضی، حصہ: چہارم، ص: ۹۴۹)

بدایوں سے ۹ ربجے روانہ ہو کر تقریباً ۲ ربجے دن ہم دہلی لکھنؤ نیشنل ہائی وے کے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے مغرب کی جانب خیرآباد کے لیے سڑک جاتی ہے- ہائی وے سے خیرآباد تقریباً ۲ رکلومیٹر ہے- ۲۰۰۱ء میں حکومت کی جانب سے کی گئی مردم شماری کے مطابق یہاں کی کل آبادی ۳۸۳۶۴ ہے- جب کہ تعلیمی شرح ۴۹ فیصدی ہے- چوں کہ مردم شماری دس سال قبل کی ہے اس لیے ان دس سالوں میں یقیناً وہاں کی شرح آبادی میں اضافہ ہوا ہوگا- جیسے ہی ہماری کار خیرآباد کے حدود میں داخل ہوئی ہم نے واضح طور پر محسوس کیا کہ یہ قصبہ ہندوستان کے عام قصبوں سے بالکل الگ ہے، یہاں جگہ جگہ اس کی پرانی عظمتوں کے نشانات دکھائی دیے- کہیں پرانی حویلیوں کے باقی ماندہ آثار نظر آئے- کہیں بلند وبالا برجیاں اور کہیں عالی شان مساجد کے کنگرے دکھائی دیے، ان کے علاوہ کئی بزرگوں کی درگاہیں اور مقبرے بھی جابجا نظر آئے- ان حویلیوں، مسجدوں، درگاہوں اور سرکاری ونیم سرکاری دفتروں کی عمارتوں کی طرز تعمیر کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہ جاتا کہ اگلے وقتوں میں یہ قصبہ کن اہمیتوں اور عظمتوں کا حامل ہوگا-

فضل حق چوک اور فضل حق مارگ: علامہ فضل حق خیرآبادی کی ۱۸۵۷ میں ہندوستان کی آزادی کے لیے بے مثال جدوجہد اور قربانیوں کے باوجود حکومتی سطح پر ان کے نام سے منسوب کوئی یادگار قائم نہیں کی جاسکی- ایسے مجاہدین کے تئیں کچھ تو مؤرخین کی بے اعتنائی

اور کچھ حکومت ہند کی چشم پوشی نے ان کی قربانیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے- ان دونوں طبقوں کی شعوری یا غیر شعوری تساہلی کا ہی نتیجہ ہے کہ نئی نسل علامہ خیرآبادی اور ان جیسے مجاہدین کے ناموں تک سے واقف نہیں- اس بات کا احساس مختلف وقتوں میں حکومتوں کو بھی رہا، لیکن یہ احساس عملی پیش قدمی کی راہ ہموار نہ کر سکا- ۲۳ فروری ۱۹۸۵ء کو اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند گیانی ذیل سنگھ جزیرۂ انڈمان گئے تو علامہ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے اور کہا کہ:

> ''نوجوان نسل کے استفادے کے لیے ایک ایسی جامع تاریخ تیار کی جانی چاہیے جو ان تمام سیاسی لیڈروں کے حالات زندگی پر مشتمل ہو جنھوں نے انڈمان نیکوبار میں قید کی سزا کاٹی تھی — ۱۸۵۷ء میں جن لوگوں کو یہاں قید کر کے رکھا گیا ہے، ان سب کے نام معلوم نہیں ہیں، لیکن پہلی جنگ آزادی کے سورما مولانا فضل حق خیرآبادی و مولوی لیاقت علی الہ آبادی جیسے چند نام ایسے ہیں جن کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی — ان کی پرزور حب الوطنی کے بےلوث جذبے تمام لوگوں بالخصوص نوجوان نسل کو اس سے فیضان حاصل کرنا چاہیے-''
>
> (روزنامہ ''قومی آواز'' (لکھنؤ ایڈیشن) شمارہ: ۲۴ر فروری ۱۹۸۵ء)

حکومتی سطح پر ہندوستان کے مختلف حصوں میں ان کی قربانیوں کے فیضان کو عام کرنے اور نئی نسل کو ان سے واقف کرانے کے لیے تو کچھ نہیں کیا جا سکا، البتہ علامہ خیرآبادی کے پرپوتے مرحوم مولوی حکیم ظفرالحق خیرآبادی (ف: ۱۱ر ستمبر ۱۹۷۷ء) اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے مرحوم عین الحق انور خیرآبادی کی برسہا برس کی انتھک کوششوں سے خیرآباد میں ہی علامہ کے نام سے ایک چوک اور سڑک منسوب کی گئی- اس پختہ سڑک کا نام ''مولانا فضل حق مارگ'' ہے جو قصبہ خیرآباد سے نیشنل ہائی وے تک دو کیلومیٹر لمبی ہے- ''مولانا فضل حق مارگ'' کا افتتاح ۱۶ر ستمبر ۲۰۰۰ء کو صوبہ اتر پردیش کے گورنر سورج بھان نے کیا تھا-

فضل حق چوک ہوتے ہوئے پروگرام کے مطابق ہم سلسلہ چشتیہ کی قدیم خانقاہ

آستانۂ حافظیہ پہنچے، جہاں بانی خانقاہ حضرت حافظ سید محمد علی شاہ (ف:۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء) خلیفہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی مدفون ہیں- آستانے کے صاحب سجادہ حضرت سید محمد فرقان میاں ہمارے منتظر تھے، ان سے ملاقات کے بعد ہم نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر مولانا اسید الحق کی رہنمائی میں آستانے پر فاتحہ خوانی کی اور ماحضر تناول کیا- سید فرقان میاں ہمارے مقصد آمد سے واقف تھے، اس لیے ہماری خواہش پر علامہ فضل حق کے موجودہ وارثین میں سے کسی کو بلانے کے لیے خادم آستانہ کو بھیجا- کچھ دیر کے بعد تیس بتیس سال کے ایک جوان تشریف لائے، تعارف سے معلوم ہوا کہ یہ مولوی حکیم ظفر الحق کے حقیقی پوتے محمد نوح الحق ہیں- ان سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو خانوادۂ خیرآباد کے موجودہ حالات اور ان کے وارثین کے بارے میں معلومات ہوئی-

علامہ فضل حق کے موجودہ وارثین: قصبہ خیرآباد میں تقریباً باون محلے آباد تھے، اب ان میں سے کچھ محلوں کا وجود ختم ہو چکا ہے- ان محلوں میں ایک محلّہ ''میاں سرائے'' ہے، جہاں علامہ فضل حق خیرآبادی کا خانوادہ شروع سے اب تک آباد ہے- علامہ نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی زوجہ بی بی وزیرن سے تین صاحبزادیاں، بی بی سعید النساء حرماں، بی بی نجم النساء، بی بی مخمور النساء اور ایک صاحبزادے مولانا عبد الحق خیرآبادی تھے- مولانا عبد الحق نے بھی دو شادیاں کی تھیں، پہلی زوجہ سے ایک صاحبزادی بی بی عائشہ تھیں جب کہ دوسری زوجہ سے ایک صاحبزادے مولانا اسد الحق ہوئے- مولانا اسد الحق کی ایک صاحبزادی بی بی رقیہ اور دو صاحبزادے عزیز الحق اور مولوی حکیم ظفر الحق تھے- مولوی حکیم ظفر الحق نے تین شادیاں کیں، پہلی زوجہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، جبکہ دوسری اور تیسری زوجہ سے کثرت سے اولادیں ہوئیں- حکیم صاحب کی مؤخر الذکر دونوں زوجہ میں سے کسی ایک سے چھ صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے محمد صدر الحق (جن کی اولاد پاکستان میں ہے) اور محمد عین الحق انور خیرآبادی ہوئے، جن کا وصال ۳۱/دسمبر ۲۰۰۵ء میں خیرآباد میں ہوا- محمد عین الحق ''مچھریٹا راجکیہ ودھیالیہ'' (ضلع سیتا پور کے ایک اسکول) میں ٹیچر تھے- علامہ کے موجودہ وارثین میں ان ہی کے تین صاحبزادے محمد نوح الحق، محمد معین الحق اور محمد سیف الحق

اوران کے دیگر اہل خانہ اس وقت محلّہ میاں سرائے خیرآباد میں موجود ہیں-محمد نوح الحق نے بی اے، ایل ایل بی کیا ہے اور اپنے والد محمد عین الحق کے وصال کے بعد ان ہی کی جگہ مذکورہ اسکول میں ٹیچر ہو گئے ہیں، جبکہ ان کے دوسرے بھائی عین الحق تجارت سے وابستہ ہیں اور چھوٹے ابھی اسکول میں زیر تعلیم ہیں-

جہاں تک اس خانوادے کے موروثی علم وفضل کی بات ہے تو اب اس خاندان عالی شان میں ایسا کوئی نہیں رہا جو معقولات ومنقولات کی مسند آراستہ کر سکے اور مسلمانوں کی دینی، مذہبی اور ملی قیادت کر سکے- اس خانوادے کے نسلی امتیاز کے خاتمے کی جو بنیادی وجہ محققین اور مؤرخین نے بتائی ہے وہ ہے معاشی زبوں حالی- دراصل اس خاندان میں موروثی طور پر علم وفضل کے ساتھ امارت وریاست بھی رہی، بادشاہان وقت، امرائے ریاست اور نوابین کی ہم نشینی، مختلف ادوار میں اعلیٰ مناصب پر تمکن اور علمی وفنی امتیازات نے اس خاندان کی شاہانہ سطوت کو مزید جلا بخشا- لیکن ۱۸۵۷ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی پر جرم بغاوت ثابت ہونے کے بعد ان کا عالی شان دیوان خانہ، محل سرا، متعدد دیہات، نادر کتب خانہ اور دیگر تمام املاک انگریزی حکومت نے ضبط کر لیے- ایک عرصۂ دراز کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی کی دلداری کے پیش نظر ۱۶ر فروری ۱۸۸۷ء کو ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ ڈفرن کے دستخط سے ''شمس العلما'' کا خطاب اور کچھ دیہات واپس ملے، لیکن مولانا عبدالحق اس وقت رامپور میں تھے، اس لیے خیرآباد کا ایک باشندہ یار علی نے علامہ فضل حق کا بیٹا بن کر وہ دیہات اپنے قبضے میں کر لیے- مولانا عبدالحق کی نازک مزاجی، سیر چشمی اور مستغنی طبیعت نے عذرداری کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اور خاموش رہے، یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد یار علی نے متعدد لوگوں کے ہاتھوں وہ تمام دیہات بیچ ڈالے- اس طرح اس خاندان کی معاشی تنگ دستی کا دور شروع ہوا- شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی کی وفات (۲۳ر شوال ۱۳۱۶ھ) کے بعد فرمانروائے رام پور نے ان کے صاحبزادے مولانا اسد الحق کو مدرسہ عالیہ رام پور کا پرنسپل مقرر کر دیا، لیکن اس عہدے پر فائز ہوئے آپ کو ایک سال ہی گزرا تھا کہ اپنے والد کی وفات کے

ڈھائی سال بعد ۷ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ کو وصال فرما گئے اور بقول مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی ''مولانا اسدالحق کے ساتھ اس خاندان خیرآباد سے نسلی طور پر علم کا خاتمہ بھی ہو گیا-'' (باغی ہندوستان، ص:۳۳۱)

مولانا اسدالحق کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم مولوی ظفرالحق نے اپنی توجہ فن طب کی طرف رکھی اور اپنے موروثی علم کو اہمیت نہیں دی اور ساری زندگی عسرت و تنگی میں گزار دی- ان کی زندگی میں سرکار نظام حیدرآباد سے پچاس روپے اور پرانے تعلق کی بنیاد پر ریاست رامپور سے تیس روپے ماہانہ آتے رہے، بعد میں یہ سلسلہ بھی موقوف ہوگیا— حکیم صاحب کے صاحبزادے محمد عین الحق خیرآبادی نے اپنی مرتب کردہ ہندی کتاب ''پرتھم سوتنتر تا آندولن ۱۸۵۷ء'' میں ذکر کیا ہے کہ ڈاکٹر سید محمود ممبر آف پارلیمنٹ کی کوششوں سے ۱۹۶۱ء میں ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ماہانہ ایک سو پچاس روپے Political Sufferer pension جاری کیا، جس سے انہیں کچھ راحت ملی، آگے چل کر یہ بھی ختم ہوگیا- حکیم صاحب کی وفات (۱۹۷۷ء) کے بعد ایسا کوئی نہیں رہا جسے برائے نام ہی ''مولوی'' کہا جا سکے- اب علامہ فضل حق خیرآبادی کے موجودہ وارثین نعمت علم سے محروم معمولی نوکری اور تجارت پر گزر بسر کر رہے ہیں-

مولانا فضل امام اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے مزارات پر: خانوادۂ خیرآباد کے مشاہیر علما تعلیم و تدریس اور ریاستی و مرکزی حکومتوں میں اعلیٰ مناصب کی وجہ سے بیشتر خیرآباد سے باہر رہے- تاہم ان لوگوں نے خیرآباد سے ہمیشہ اپنا وطنی تعلق باقی رکھا اور ان میں سے اکثر وصال کے بعد خیرآباد میں ہی دفن ہوئے- خانوادۂ خیرآباد کا کوئی آبائی قبرستان نہیں ہے اس لیے خیرآباد کی مختلف جگہوں پر اس خانوادے کے افراد آرام فرما ہیں- علامہ فضل حق خیرآبادی کے دادا مولانا ارشد ہرگامی خیرآباد کے ایک محلے میں مدفون ہیں جبکہ علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام اور صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی محلّہ میاں سرائے میں حضرت مخدوم سعد کے مزار کے شمال مغربی گوشے میں دفن ہیں- اسی طرح خاندان کے دیگر افراد بھی مختلف حصوں میں آرام فرما ہیں- مشاہیر خانوادہ میں جو لوگ خیر

آباد سے باہر دفن ہوئے ان میں علامہ فضل حق خیرآبادی اور علامہ کے پوتے مولانا اسدالحق خیرآبادی بطور خاص قابل ذکر ہیں، اول الذکر اسیر انڈمان ہو کر وہیں انتقال فرمائے اور وہیں سپرد خاک ہوئے جب کہ موخرالذکر کا وصال رامپور میں ہوا اور وہیں باغ مزار میاں خواجہ احمد میں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔

خانوادۂ خیرآباد پر جب علمی، سیاسی اور معاشی زوال آیا تو ان کے علمی اور خاندانی آثار کی بھی حفاظت کا سامان نہ ہوسکا۔ ۱۹۷۵ء میں نادم سیتاپوری جب ''فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون'' مؤلفہ حکیم سید محمود احمد برکاتی کا مقدمہ لکھ رہے تھے تو بڑے کرب کے ساتھ اپنی اس تشویش کا اظہار کیا تھا کہ:

> ''بہت سے افراد خاندان یہیں رہے اور آخری آرام گاہ تو بیشتر افراد خاندان کی خیرآباد ہی قرار پائی، یہ اور بات ہے کہ چند روز کے بعد خیرآباد میں کوئی یہ بتانے والا باقی نہ رہے گا کہ مولانا فضل امام خیرآبادی اور شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی کی قبریں بڑے مخدوم صاحب کے مزار کے شمال مغربی گوشے میں کہاں پر تھیں؟''
>
> (فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون، ص:۵)

اسی تشویش کا اظہار نادم سیتاپوری سے پہلے مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے بھی کیا تھا کہ:

> ''اب یہ قبریں شکستہ ہیں، ممکن ہے کچھ دنوں بعد آثار بھی باقی نہ رہیں۔ اس وقت بھی ان کے جاننے والے خال خال ہیں، کاش کوئی قدردان علم بزرگ ان کے نام کے پتھر لگا کر ان فضلا کے آثار قبور کو مٹنے سے بچا لیتے۔'' (باغی ہندوستان، ص:۱۴۱)

مذکورہ دونوں عبارتیں ہمارے ذہن میں تھیں اس لیے اس تشویش کے ساتھ کہ ان دونوں صاحبان علم و فضل کے مزارات کے نشانات شاید مل جائیں، آستانۂ حافظیہ سے اجازت لے کر ہم مولانا فضل امام اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے

لیے گئے، لیکن یہ دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ بڑے مخدوم صاحب کے مزار کے شمالی گوشے میں نہ صرف یہ کہ دونوں کی قبریں پختہ حالت میں موجود ہیں بلکہ ان پر کتبے بھی لگے ہوئے ہیں-ان کتبوں سے معلوم ہوا کہ ان قبروں کی مرمت علامہ کے پر پوتے مولوی حکیم ظفر الحق کے صاحبزادے محمد عین الحق خیر آبادی نے کروائی تھی اور انھوں نے ہی کتبہ بھی لگوایا تھا-

علامہ فضل حق کی حویلی: مزارات پر کچھ دیر رکنے کے بعد ہم اس جگہ پر گئے جہاں کبھی ''نیا محل'' کے نام سے مشہور علامہ فضل حق خیر آبادی کا عالی شان محل سرا ہوا کرتا تھا-یہ جگہ بڑے مخدوم صاحب کے مزار سے تقریباً دوسو قدم کے فاصلے پر مغرب کی جانب ہے-یہ دیکھ کر دل خون کے آنسو رونے لگا کہ جس جگہ کبھی سمرقند و بخارا کا علم آ کر جمع ہو گیا تھا اور جہاں بیٹھ کر کبھی روم وشام، شیراز واصفہان، ماوراءالنہراور ترکستان کے طالبان علم دولت علم ومعرفت سے سرفراز ہوا کرتے تھے وہاں اب گردش ایام کی وجہ سے خاک اڑ رہی تھی-ہند وپاک کے نامور مؤرخ سید رئیس احمد جعفری ندوی (۱۹۱۲ء/ ۱۹۶۸ء) نے اس محل سرا کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

> ''خیر آباد میں مولانا (فضل حق) نے ایک نہایت شاندار اور رفیع المنزلت حویلی تعمیر کرائی تھی، یہ سنگ سرخ کی ایک مستحکم اور خوشنما عمارت تھی-بہت بڑا پھاٹک جس میں سے بیک وقت دو ہاتھی گزار سکتے تھے، آگے بڑھیے تو وسیع دالان، خوبصورت فوارہ، دائیں بائیں خوشنما برآمدے، سنگ مرمر کی ایک نہایت سبک اور نظر فریب بارہ دری-ان مرحلوں کو طے کر کے آگے بڑھیے تو زنان خانہ اپنی وسعت اور کشادگی میں ایک چھوٹا سا محل اور پھر پائیں باغ-اس حویلی کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ ایک کسی امیر کبیر کا کرشک ہے اور بات بھی ایسی ہی تھی-'' (نام راج سے رام راج تک، ص:۱۹۳/۱۹۴، بحوالہ: ماہنامہ ''العاقب'' لاہور کا ''مولانا فضل حق خیر آبادی و جنگ آزادی ۱۸۵۷

نمبر''،ص:۳۲۲، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۹ء)

آگے فرماتے ہیں:

''یہاں کے بام و در حکمت و معرفت کی صداؤں سے گونجا کرتے تھے- یہ صحن چمن گل کدہ نہ تھا بلکہ خیابان علم وفن تھا- یہ بارہ دری، یہ برآمدے، یہ کمرے، یہ ایوان، یہ دالان در دالان، یہ ڈیرے، جہاں اصحاب فضل وکمال کے قافلے اترا کرتے تھے- جہاں ارباب فن و ہنر سر کے بل حاضر ہوتے تھے- جہاں وقت کے امرا اور حکام سر جھکا کر آستاں بوسی کیا کرتے تھے- جہاں علم کا دریا لگتا تھا، حکمت کی گرہ کشائیاں ہوتی تھیں اور اجتہاد وتحقیق کے مرحلے طے ہوتے تھے-''

(مرجع سابق، ص:۳۲۳)

معرکۂ ستاون میں علامہ فضل حق پر جرم بغاوت ثابت ہو جانے کے بعد انگریزی حکومت نے ان کی تمام جائداد و املاک، کتب خانہ اور یہ محل سرا ضبط کر لیا اور انگریزی سرکار سے نمک خواری کے صلے میں سردار محمد ہاشم شیعی سیتاپوری کو دے دیا، انھوں نے رئیس کمال پور (ضلع سیتاپور) راجہ جواہر سنگھ کے ہاتھ پانچ یا سات ہزار کی معمولی قیمت پر فروخت کر دیا-عرصۂ دراز تک راجہ جواہر سنگھ اور ان کے بعد ان کے بیٹے راجہ سورج بخش سنگھ نے اس حویلی کو اپنی جگہ پر باقی رکھا، لیکن بارش کی کثرت اور مکینوں کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ حویلی شکستہ ہو کر کھنڈر میں تبدیل ہونے لگی تو راجہ نے ایک انجینئر کو اس کی مرمت کے لیے بھیجا، اس نے تیس پینتیس ہزار روپے خرچ بتائے تو راجہ نے مجبوراً حویلی کے قیمتی پتھروں کو کھدوا کر کمال پور منگوا لیا اور کچھ سامان تعلق داران اودھ کے مشہور طبیب حکیم سید انور حسین خیرآبادی کو دے دیا اور وہاں صرف عالی شان سنگین دروازہ بطور یادگار باقی رہنے دیا-

علامہ پر سب سے پہلے ۱۹۸۵ء میں پی ایچ ڈی کرنے والی خاتون ڈاکٹر قمر النساء نے اپنی عربی تھیسس کے مطبوعہ ایڈیشن میں اس دروازے کا عکس شائع کیا ہے- علامہ کے اولین سوانح نگار مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے ''باغی ہندوستان'' مطبوعہ ۱۹۴۷ء میں لکھا تھا کہ

''(یہ دروازہ) آج بھی صاحب مکان کی عظمت وجلالت کا مرثیہ
زبان حال سے پڑھ رہا ہے اور دیکھنے والوں کے لیے عبرت و
موعظت کا سامان مہیا کر رہا ہے۔'' (باغی ہندوستان، ص:۲۳۱)

لیکن مفتی سید نجم الحسن رضوی خیرآبادی نے ''خیرآباد کی ایک جھلک'' مطبوعہ ۱۹۶۹ء میں ذکر کیا ہے کہ

''آہ! علامہ فضل حق کے دولت کدہ کا وہ سنگین پھاٹک جو اپنے مکین کی
عظمت کا مرثیہ خواں تھا، ۱۹۶۶ء کی بارش نے اس کا بھی نشان بھی مٹا
دیا ہے۔'' (خیرآباد کی ایک جھلک، ص:۱۲۵)

جب حویلی کے پتھروں کو کھدوا کر راجہ سورج بخش سنگھ نے کمال پور منگوالیا، پھر اس کے بعد اس شکستہ حویلی یا اس جگہ کا کوئی محافظ نہیں رہا، عرصۂ دراز تک یہ جگہ یوں ہی پڑی رہی، یہاں تک کہ خیرآباد میونسپلٹی ریکارڈ کے مطابق ۱۸۸۴ء میں خیرآباد میں میونسپلٹی قائم ہوگئی اور علامہ کی حویلی کی یہ جگہ ''نزول لینڈ'' ☆(Nazul Land) میں شامل ہوگئی اور انگریزی حکومت اس پر قابض ہوگئی۔ آزادی ہند کے بعد علامہ فضل حق کے پرپوتے مولوی حکیم ظفر الحق کو اپنی اس آبائی جگہ کی حکومت سے بازیافت کرانے کا خیال آیا اور انھوں نے مقدمہ دائر کر دیا۔ اسی درمیان علامہ کے مسلکی مخالف ایک مولوی صاحب نے علامہ کی اس زمین سے متصل ایک جگہ خریدی اور رفتہ رفتہ علامہ کی زمین پر بھی قابض ہوگئے اور وہاں ایک مدرسہ بنام ''مدرسہ الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم'' قائم کر دیا۔ ادھر حکیم صاحب نے اپنی

☆وہ سرکاری زمین جو میونسپلٹی کے دائرے کے اندر آتی ہے یا جس پر میونسپلٹی کا قبضہ ہوتا ہے، وہ زمین یا تو ''نزول'' ہوگی یا میونسپلٹی نے اسے خریدا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ میونسپلٹی کے قبضے والی زمین نزول کہلائے گی جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ میونسپلٹی نے اسے خرید کر اس پر قبضہ کیا ہے۔

"Nazul land" means Government land situated within the area of a Municipality, land vested in or in possession of municipality must therefore be either (a) nazul or (b) acquired by purchase. The presumption is that the land is nazul unless it can be shown that it has been acquired by purchase.

زمین کی بازیافت کے لیے جو مقدمہ دائر کیا تھا وہ جیت گئے، مگر چوں کہ مذکورہ مولوی صاحب اس زمین پر قابض ہو چکے تھے اور حکیم ظفر الحق کے مقابلے میں اثرات اور وسائل کے اعتبار سے زیادہ مستحکم تھے، اس لیے مقدمہ جیتنے کے باوجود حکیم ظفر الحق کو وہ جگہ حاصل نہ ہو سکی۔ حکیم صاحب نے ایک بار پھر مقدمہ دائر کیا، لیکن خلاف واقعہ مولوی صاحب نے یہ دعویٰ کر دیا کہ انھوں نے مذکورہ جگہ حکومت سے خریدی ہے۔ یہ مقدمہ اب تک عدالت میں زیر غور ہے اور بظاہر اس کی بازیافت کی امید بھی نظر نہیں آتی۔

ان تفصیلات کو جان کر ہم نے ایک سرد آہ بھری، شکستہ دل اپنی گاڑی کی طرف لوٹے، خیرآباد کو الوداع کہا اور ''مولانا فضل حق مارگ'' سے ہوتے ہوئے لکھنؤ کی طرف روانہ ہو گئے۔



ضمیمہ(۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ایک فتویٰ

جواب :از مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب-شاہ صاحب عرفان مراتب سلمکم اللہ تعالیٰ-بعداز سلام مسنون الاسلام مکشوف خاطر عاطر باد کہ رقیمہ کریمہ وصول عزت شمول نمود آنچہ تردد بخاطر شریف از مذکورنوکری فرنگیان وقبول خدمت افتاازایشان کہ درین مدرسہ از چندروزمی شود لاحق گردید بوضوح انجامید بعض ایں خبرصحیح است وبعض ناصحیح ،اصل حقیقت اینست کہ مولوی رعایت علی خان مختار کارفرنگی بسیار مستعد اندمکرر بایں جانب نوشتند کہ شخصے راازعلماء متدین کہ مرتشی نباشد واطلاع برمسائل فقہ داشتہ باشد نزدایں جانب باید فرستاد تابندہ در ہرواقعہ وحادثہ بموجب روایات فقہ حکم می کردہ باشم ازیں جانب نوشتہ شد کہ صاحب نوکرومجبور فرنگیان اند مبادا آنہا تکلیف حکم نامشروع دہند تااین شخص راکہ مابفرستیم اختلاط صحبت فرنگیان ضرورافتد وموجب مداہنت درامور اسلام شود ایشان ازاں طرف بتاکیدات تمام قلمی نمودند کہ اصلاً آن شخص رااختلاط فرنگیان نخواہد شد نہ آنرا تکلیف حکم نامشروع دادہ خواہد شد بلکہ درمکان جداگانہ درشہر بالاستقلال سکونت خواہند ورزید وآنچہ موافق شرع محمدی باشدعلی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بے دغدغہ وبے وسواس حکم نماید بعداز ورودایں قسم رقایم ایشان تامل وتفکرنمودہ شد کہ این قسم معاملہ باکفار کہ امداد درترویج احکام شرعیہ باشدموافق شرع جائزاست بانہ حضرت حق عزوجل این آیۃ درخاطر انداخت وقَالَ المَلِکُ ائْتُونِی بِہ اَسْتَخْلِصُہُ لِنَفْسِیْ فَلَمّا کَلَّمَہ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ-قَالَ اجْعَلْنِی عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنّی حَفِیْظٌ عَلِیْم - قال البیضاوی فیہ دلیل علی جواز طلب التولیۃ واظہار انہ مستعد لھاوالتولی من ید

الکافر اذا علم انه لا سبیل الیٰ اقامة الحق و سیاسته الا بالاستظهار تعلق اینست آنچہ تعلق بشریعت دارد واما آنچہ تعلق وطریقت دارد پس ترک وتجرید واختیار فقر وترک مکاسب درطریقت...... می شود کہ باختیار خود التزام این ترک کردہ باشد وبدست شخصے عہد بستہ وتاوقتیکہ التزام این فقر وعہد برین از شخص بوقوع نیامدہ باشد باوجود تعلق بعلائق قیام بخدمات مشغولی باطن وذکر وفکر مراقبہ ومشاہدہ حاصل می شود بالجملہ کسب وتعلق رخصت است ازمحرمات طریقت نیست والا قضاۃ ودیگر اہل مکاسب راتلقین طریقت جائز نمی شد وحال آنکہ بسے ازین فرقہ اولیاے کبار گشتہ اند بمرتبہ کمال وتکمیل رسیدہ چہ جائے کسے کہ ہنوز مبتدی باشد آرے ترک وتجرید دریں طریقت عزیمت است.................. باز غور کردہ شود کہ دریں از ہیچ محذوری از صحبت کفار ومداہنت درحدود اسلام یا موافقت بآنہا دررسوم کفر یا خوشامد آنہا ومبالغہ درکذب ودیگر مفاسد کہ مصاحبان اغنیا را بہم می رسد اصلا موجود نیست پس دراباحت آن درشریعت وطریقت ہیچ شبہ نماندہ مانند ایں کہ خلفا واصحاب مختارین واولیا را دیدہ وشنیدہ ایم کہ معلم گری وتعلیم اطفال یہودی کردند ومبشر بہ بشارات عمدہ بودند چہ جائے کسے کہ ہنوز دریں وادی قدمے نہ نہادہ وزمام اختیار خود رادردست ترک وتجرید ندادہ بنا بر این امور مرقومہ تجویز کردہ شد کہ مولوی عبدالحی صاحب ازینجا روند اگر مفاسد مظنونہ وموہومہ نباشند فبہا والا برخاستہ بیایند چون این قدر معلوم شد خاطر شریف را بدرجہ انزعاج نباید داد واین قدر را اجمالاً ذہن نشین باید ساخت کہ ایں جانب ہم عمرے دریں مذکورات صرف کردہ واز آبا واجداد ہمیں وضع را دیدہ وشنیدہ یکا یک بے حجت شرعی وبے تجویز در باب طریقت حرکتے نا ملایم کہ دریں ہر دوراہ مستہجن و مستقبح باشد، ان شاءاللہ تعالیٰ نہ برائے خود ونہ غیر خود تجویز خواہد کرد، زیادہ چہ نویسد والسلام والاکرام۔

ترجمہ: جواب: از مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب۔ شاہ صاحب عرفان مراتب سلمکم اللہ تعالیٰ۔ سلام مسنون کے بعد قلب معطر پر واضح ہو کہ نامہ مبارکہ عزت بخش ہوا اور فرنگیوں کی نوکری اور ان کے یہاں منصب فتویٰ قبول کرنے، جیسا کہ کچھ دنوں سے اس مدرسہ میں ہو رہا ہے، کے حوالے سے آپ کی طبیعت شریف میں جو تردد لاحق ہے، اس

نے اسے واضح کیا ہے- اس واقعہ کا کچھ حصہ صحیح ہے اور کچھ غیر صحیح - اصل واقعہ یہ ہے کہ مولوی رعایت علی خاں جو فرنگیوں کے یہاں مختار کے منصب پر ہیں، بہت ہی مستعد شخص ہیں، انہوں نے مجھے بار بار لکھا کہ دین دار علما میں سے کوئی ایسا شخص جو رشوت خور نہ ہو اور فقہی مسائل کی معلومات رکھتا ہو، اس کو یہاں بھیجا جائے تا کہ ہر واقعہ اور کیس میں بندہ فقہی روایات کے مطابق حکم لگا سکے- اس طرف سے یہ لکھا گیا کہ جناب انگریزوں کے نوکر اور شخص مجبور ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ انھیں خلاف شرع فیصلہ دینا پڑے- کیوں کہ یہ شخص جسے میں بھیجوں اسے فرنگیوں کی صحبت ضرور لاحق ہوگی اور یہ اسلامی امور میں مداہنت کا موجب ٹھہرے گا- آں موصوف نے ادھر سے مکمل زور دیتے ہوئے یہ لکھا کہ اس شخص کو فرنگیوں کی صحبت کا اتفاق بالکل ہی نہیں پڑے گا نہ انہیں خلاف شرع فیصلہ دینا ہوگا - بلکہ وہ شہر کے اندر ایک الگ مکان میں مستقلاً قیام پذیر رہیں گے اور جو کچھ شریعت محمدی علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوگا بغیر کسی دغدغہ اور بغیر کسی وسوسے کے حکم سنا دیں گے- موصوف کے اس قسم کے خط کے آنے کے بعد غور وفکر کیا گیا کہ کفار کے ساتھ اس قسم کا معاملہ جو کہ احکام شرعیہ کی اشاعت میں معاون ہے، موافق شرع جائز ہے، بہ ایں طور کہ حق عز وجل نے اس آیت کو دل میں ڈال دیا-

وقَالَ المَلِکُ ائتُونِی بہ اَستَخلِصہُ لِنَفسِیٓ فَلَمّا کَلَّمَہ قَالَ اِنَّکَ الیَومَ لَدَینَا مَکِینٌ اَمِینٌ-قَالَ اجعَلنِی عَلٰی خَزَآئِنِ الاَرضِ اِنّی حَفِیظٌ عَلِیمٌ-(یوسف:۵۴،۵۵)

(بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لاؤ میں اسے اپنے لیے رہا کر دوں گا-تو جب یوسف نے بادشاہ سے گفتگو کی، بادشاہ نے کہا اب تم ہمارے یہاں مقیم وامین ہو- یوسف نے کہا: مجھے زمین کے خزانوں کا نگراں بنا دو، یقیناً میں محافظ اور ذی علم ہوں-)

بیضاوی نے کہا ہے کہ ''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ منصب کو طلب کرنا اور اس امر کا اظہار کرنا کہ میں اس کے لیے اہل ہوں، جائز ہے- اسی طرح کافر کے ہاتھ سے کوئی منصب قبول کرنا بھی جائز ہے جب یہ معلوم ہو کہ اقامت حق اور سیاست حق اس کے بغیر ممکن نہیں-'' یہ مذکورہ آیت کے شریعت سے تعلق کا بیان تھا- رہا اس آیت کا طریقت

سے تعلق تو ترک وتجرید، اختیار فقر اور ترک ذریعۂ معاش، طریقت میں درست ہے، کیوں کہ اپنے اختیار سے اس ترک کا التزام کیا گیا ہے اور ایک شخص کے ہاتھ پر عہد لیا گیا ہے اور جب تک کہ اس فقر وعہد کا التزام کسی شخص سے وقوع پذیر نہ ہو، علائق دنیوی میں مشغولیت کے باوجود باطنی مشاغل، ذکر وفکر، مراقبہ ومشاہدہ حاصل ہوگا- بالجملہ کسب وتعلق رخصت ہے، محرمات طریقت سے نہیں ہے- ورنہ قاضی اور دیگر ارباب پیشہ کو طریقت کی تلقین جائز نہ ہوگی- جب کہ حال یہ ہے کہ اس طبقے سے بہت سارے اولیاے کبار ہوئے ہیں جو کمال و تکمیل کے مرحلوں تک پہنچے ہیں- چہ جائے کہ جو شخص اس راہ میں مبتدی ہو اس کے لیے اس طریقت میں ترک وتجرید عزیمت ٹھہرے-

پھر غور کیا جائے کہ اس معاملے میں کفار کی صحبت، کفری رسوم کی موافقت کے ذریعے اسلامی حدود میں مداہنت، یا ان کی خوشامد، اور جھوٹ اور دیگر مفاسد میں مبالغہ آرائی جو کہ اہل ثروت کے مصاحبین کرتے ہیں، اس طرح کی کوئی قباحت موجود نہیں ہے- پس شریعت وطریقت کی روشنی میں اس کی اباحت میں کوئی شبہ نہیں رہا- یہ اسی کے مثل ہے کہ خلفا اور اصحاب کرام اور اولیا کے بارے میں ہم نے سنا ہے کہ وہ یہود کے بچوں کی تعلیم وتربیت کیا کرتے تھے اور عمدہ بشارتوں کے سزاوار ٹھہرتے تھے- چہ جائے کہ ایسا شخص جو ہنوز اس وادی میں اپنا قدم نہیں رکھا ہے اور اپنے اختیار کے زمام کو ترک وتجرید کے حوالے نہیں کیا ہے-

محررہ امور کے پیش نظر تجویز کی گئی کہ مولوی عبدالحی صاحب یہاں سے جائیں، اگر مفاسد مظنونہ وموہومہ نہ ہوں تو فبہا ورنہ برطرف ہو جائیں- جب اس قدر معلوم ہو گیا تو طبع ناز کو حیران وپریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے- اس قدر بات اجمالاً ذہن نشیں رکھی جائے کہ ان امور میں ہم نے اپنی عمریں گزاری ہیں اور اپنے آبا واجداد سے اسی بات کو دیکھا اور سنا ہے- یکا یک بغیر حجت شرعی اور دلیل طریقت کے کوئی غیر مناسب اقدام جو ان دونوں راستوں میں قبیح اور قابل مذمت ہے، نہ اپنے لیے اور نہ کسی اور کے لیے جائز ٹھہرایا جا سکتا ہے- زیادہ کیا لکھوں والسلام والاکرام-□□□

ضمیمہ(۲)

قصیدۂ رائیہ☆

[انگریزوں کی مذمت اور ہندوستان پران کے غاصبانہ تسلط کے بیان میں]

كَمْ فِيْ هَوَى الْحُوْرِ مِنْ حَوْرٍ وَمِنْ حُوْرِ   فَكَمْ فَتًى بِشِفَارِ الشَّفْرِ مَنْحُوْرِ

لِكُلِّ مُسْتَشْهِدٍ أَجْرٌ يُثَابُ بِهٖ   وَمَا شَهِيْدُ ظُبَا لَحْظٍ بِمَأْجُوْرِ

اَلْعَبْدُ يُعْتَقُ وَالْمَأْسُوْرُ يُطْلَقُ وَالْـ   غَرِيْمُ يُنْظَرُ إِنْظَارًا لِتَيْسِيْرِ

وَلَيْسَ لِلصَّبِّ اِنْظَارٌ وَلَا نَظَرٌ   وَلَا تَنَظُّرُ اِطْلَاقٍ وَتَحْرِيْرِ

مَنِ اسْتَجَرَّ لِقَاسٍ لَا يَرِقُّ فَلَا   يَنْحَاصُ عَنْ أَنْ يُقَاسِيْ صَبْرَ مَصْبُوْرِ

[قَالُوْا] لِقَا الْحِبِّ لِلْمَهْجُوْرِ تَسْلِيَةٌ   وَلَيْسَ هٰذَا سِوَى هَذْيٍ وَمَهْجُوْرِ

فَالْوَصْلُ عِلَّةُ هٰذَا الْاِعْتِلَالِ فَهَلْ   يُحَوَّلُ السُّمُّ تِرْيَاقًا بِتَكْرِيْرِ

مَنْ كَانَ لِلشَّوْقِ مَنْشُوْرًا وَطُبَّ بِهٖ   فَلَا يُفِيْقُ بِطِبٍّ أَوْبِتَنْشِيْرِ

وَمَنْ أُصِيْبَ بِلَحْظٍ سَاحِرٍ مَرِضٍ   فَلَنْ يَرَى غَيْرَ تَحْسِيْرٍ وَتَسْحِيْرِ

لَا يُرْتَجَى صَحْوُ مُشْتَاقٍ يُفَتِّرُهٗ   فُتَارُ لَحْظٍ غَضِيْضِ الْجَفْنِ مَخْمُوْرِ

أَهْوَى أَغَرَّ غَرِيْرًا إِذْغُرِرْتُ بِهٖ   غَرَّرْتُ فِيْهِ بِنَفْسِيْ أَيَّ تَغْرِيْرِ

هُيِّمْتُ فِيْهِ غَرِيْرًا بِالْغَرِيْرِ وَكَمْ   حُرٍّ غَرِيْرٍ بِحُسْنِ الْبِشْرِ مَغْرُوْرِ

وَجْدِيْ بِأَهْيَفَ مَمْشُوْقِ الْمَعَاطِفِ مَعْـ   شُوْقِ السَّوَالِفِ زَاكِي النَّشْرِ مِعْطِيْرِ

عَذْرَاءُ لَوْزَارَهَا الزَّارِيْ لَأَعْذَرَنِيْ   وَلَمْ يُقَارِعْ بِتَقْرِيْعٍ بِتَقْعِيْرِ

☆اس قصیدے کا متن اور خلاصہ پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔قصیدے کا خلاصہ صفحہ نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۶ پر ملاحظہ کریں۔

نِزَاعُهُ فِيْ نِزَاعِيْ لاَ يَزِيْدُ جَوَى　　جَوَانِحِيْ غَيْرَ اِيْقَادٍ وَتَسْعِيْرِ

بَدَتْ لَهُ فِي الْهَوَى الْعُذْرِيِّ إِنْ كَشَفَتْ　　لَهُ الْعَذَارَى مَعَاذِيْرًا مَعَاذِيْرِيْ

يُبَلِّغُ النَّاصِحَ النِّسِّيْكَ مِنْ قِبَلِيْ　　أَنْ لَيْسَ سَعْيُكَ فِيْ لَوْمِيْ بِمَشْكُوْرِ

فَالْعِشْقُ إِنْ كَانَ ذَنْبًا فَهْوَ مُغْتَفِرٌ　　وَالتَّوْبُ عَنْهُ جُنَاحٌ غَيْرُ مَغْفُوْر

فَلَا جَرِيْرَةَ فِيْ إِنِ اسْتَجَرَّ لِمَنْ　　يُجَرِّرُ الذَّيْلَ زَهْوًا أَيَّ تَجْرِيْرِ

يَجُرُّ قَلْبِيْ إِلَيْهِ ثُمَّ يُنْصِبُهُ　　بِكَسْرِهِ لَايُبَالِيْ نَصْبَ مَجْرُوْرِ

لَوْ ضَمَّنِيْ لِتَلَا فِي النَّصْبِ ضَمَّتُهُ　　بَلْ رَفْعُهُ طَرْفَهُ جَبْرٌ لِمَكْسُوْرِ

كَأَنَّ مِيْسَمَهَا صُبْحٌ وَمَبْسِمَهَا　　رَوْضُ الْأَقَاحِ بِتَنْوِيْرٍ وَتَنْوِيْرِ

كَالزَّهْرِفِيْ زُهْرَةٍ وَالنَّوْرِ مُبْتَسِمًا　　وَفِي النَّوَارِ كَنَيْفُوْرٍ مِنَ الْفُوْرِ

كَالنَّوْرِ نَاضِرَةً وَالنُّوْرِ نَاظِرَةً　　وَالْفُوْرِ نَافِرَةً وَالْمِسْكِ فِي الْفَوْرِ

غَزَالَةٌ وَمَهَاةٌ نَفْرَةٌ وَسَنًا　　لاَ بَلْ هُمَا دُوْنَهَا فِي النَّوْرِ وَالنُّوْرِ

تُرِيْكَ طَلْعَتُهَا لَيْلًا إِذَا طَلَعَتْ　　عَلَى الْمَقَاصِيْرِ ضَحْوًا فِي الْمَقَاصِيْرِ

عَنَّتْ فَعَنَّتْ بِفَوْدَيْهَا الْفُؤَادَ فَلاَ　　يُفْدَى وَإِنْ كَانَ يُفْدَى كُلُّ مَأْسُوْرِ

رَاعَتْ فَرَاعَتْ وَمَا رَاعَتْ وَلَانَظَرَتْ　　صَبًّا يُرَاعِيْ لَهَا زُهْرَ الدَّيَاجِيْرِ

قَسَتْ فُؤَادًا وَإِنْ لَانَتْ مَعَاطِفُهَا　　فَأَيْسَرُ الْيُسْرِ مِنْهَا غَيْرُ مَيْسُوْرِ

لَوْأَنَّهَا مِنْ خَوَاتِيْنِ الْفَرَنْجِ لَمَااسْـ　　تَعْصَتْ وَكَانَ لِقَاهَا غَيْرَ مَعْسُوْرِ

قُلُوْبُهُنَّ كَمَاأَعْطَافُهُنَّ فَمَا　　مَنْ رَادَهُنَّ بِمَهْجُوْرٍ وَمَحْجُوْرِ

خُوْدٌ وَجُوْدٌ وَحُوْدٌ مَاجُبِلْنَ عَلَى　　بُخْلٍ وَجُبْنٍ وَلَا زَهْوٍ وَلَاتِيْرِ

وَلَمْ يُعَوَّدْنَ قَصْرَ الطَّرْفِ قَطُّ وَلَا　　قَصْرًا بِقَصْرٍ وَلَا مَدًّا الْأَخَادِيْرِ

شُكْلٌ سَعَفْنَ بِشَكْلَاءِ الْمَشُوْقِ وَإِنْ　　عَسَفْنَ بِاشَّكْلِ وَالْأَشْكَالِ وَالصُّوْرِ

يَعِدْنَ سِرًّا جِهَارًا كُلَّ مُجْتَهِرٍ　　يَسُرُّهُنَّ بِسِرٍّ لَاأَسَارِيْرِ

يَسُرُّهُنَّ بَدُوُّ السِّرِّ مِنْ ذَكَرٍ
بَلْ يَنْتَعِصْنَ بِتَذْكَارِ الْمَذَاكِيرِ

إِذَا حُرِمْنَ فَلَا يَحْرُمْنَ قَطُّ عَنِ الْـ
حَرَامِ إِلَّا لَدَى اِفْدَارِ فَاجُوْرِ

مِنَ الْغَضَاضَةِ فِي الْبِكْرِ الْغَضِيْضَةِ أَنْ
تَغُضَّ طَرْفًا إِذَا مَرَّتْ بِجَمْهُوْرِ

بَلْ كُلُّ عَذْرَاءَ تُبْدِي الْكُعْبَ حَاسِرَةً
فَمَنْ رَنَا بَيْنَ مَحْسُوْرٍ وَمَسْحُوْرِ

فَلَيْسَ بَأْسٌ عَلَى الرَّهْوِ الْعَوَانِ بِأَنْ
تَلْقَى الذَّكُوْرَ بِفَرْحٍ غَيْرَ مَسْتُوْرِ

رَهْوَى وَشَهْوَى قَرُوْرٌ لَا قُرُوْرَلَهَا
إِلَّا عَلَى كُمَزٍ لَا فِيْ مَقَاصِيْرِ

لَاتَرْتَضِيْ ذَكَراً غَيْرَابْنِ اَنْغَرَإِنْ
لَوْكَانَ حَيًّا وَلَمْ يَكْسِلْ بِتَفْدِيْرِ

تَصِيْدُ ظَبْيَتُهَا فِيْلًا وَ قَسْوَرَةً
كَأَنَّ غَارَ مَنِيْهَا قَعْرُ عَاثُوْرِ

تَحُوْمُ كُلُّ فَتَاةٍ مِنْ خَرَائِدِهِمْ
مَشْغُوْفَةً بِفَتًى فِيْ كُلِّ حَابُوْرِ

قَدْ صَدَّهَاالْخَمْرُ عَنْ خَمْرٍ وَعَنْ خُمُرٍ
فَخَامَرَتْ حِيْنَ هَاجَتْ كُلَّ خِمِّيْرِ

مَنْشُوْرَةٌ لَا تَرَى بَأْساً إِذَا نَفَحَتْ
بِضَمٍّ مُنْتَشِرٍ أَوْلَمٍّ مَنْشُوْرِ

لِكُلِّ ذِيْ إِرْبَةٍ فِيْ فَرْجِهَا فَرَحٌ
فَكَمْ شَجِيٍّ لَهَا بِالسِّرِّ مَسْرُوْرِ

تَقْذِيْ بَغِيًّا وَتُقْذِيْ عَيْنَ صَاحِبِهَا
يبغي كل عظيم.................. ☆

تَهِيْمُ فِيْ خَفَقَانٍ لَا يَزَايِلُهَا
إِلَّا بِخَفْقٍ وَإِشْعَارٍ وَتَشْفِيْرِ

تَخْلُوْ بِكُلِّ فَتًى عَلٍّ لِتَسْلُوَهُ
نَيْكاً فَيُؤْثِرُنَيًّا كَاًعَلَى زِيْرِ

تَدْعُوْ إِذَا اسْتَنْخَبَتْ خِدْنًا قَدِانْتَخَبَتْ
بِلَا مُبَالَاتِ تَشْوِيْرٍ بِتَشْوِيْرِ

تَخْلُوْ هَلُوْكًا بِهُلَّاكٍ فَيَهْتَلِكُ الْـ
بَعْلُ الْهَلُوْكُ وَيَخْزَى خِزْيَ مَدْحُوْرِ

بَلْ بَعْلُهَا نَفْسُهُ يَمْذِيْ وَلَيْسَ يَرَى
بِذَاكَ بَأْساً وَلَايَعْنِيْ بِتَشْنِيْرِ

يُثْنِيْ عَلَى شَكْزِهَا شُكْراً وَيُبْغِضُهَا
لِأَجْرِ بِضْعٍ إِلَى شُوْقٍ مَيَاسِيْرِ

يَلْقَى وَيُؤْثِرُ طَلْقَ الْوَجْهِ مُبْتَسِماً
مَنْ آثَرَتْهُ لِتَزْوِيْرٍ بِتَزْوِيْرِ

☆اس شعر کا دوسرا مصرع واضح نہیں تھا، اس لیے مکمل پڑھا نہیں جا سکا۔

كَمَا يُقَابِلُ ضَيْقاً لَا يُقَبِّلُهَا   شَوْقاً وَتَوْقاً بِتَطْرِيْدٍ وَتَنْفِيْرِ

يُبِيْحُ كَفْحَ كَفِيْحٍ لَا يُكَافِحُهَا   حُبًّا فَيُكْفِحُهُ إِكْفَاحَ مَهْزُوْرِ

إِذَاأَشَارَتْ إِلَى عَارٍأَشَارَ عَلَى الْـ   عَارِيْ مُعَاشِرُهَا طَوْعاً بِتَشْوِيْرِ

تُمْسِيْ وَتُصْبِحُ تُصْبِي الْمُجْتَلِيْنَ وَلَا   تَرْنُوْ إِلَيْهِمْ مِنَ الْوَصْوَاصِ وَالصِّيْرِ

لَاتَعْرِفُ الصِّيْرَ وَالْوَصْوَاصَ رَائِدَةٌ   مَاعَاوَدَتْ قَطُّ أَخْدَاراً بِأُخْدُوْرِ

تَبْدُوْ تَشِيْرُ إِلَى الرَّانِيْ بِلَاخَفَرٍ   وَالْبَعْلُ لَا يَعْتَنِيْ حِيْنًا بِتَحْقِيْرِ

تَبْغِيْ عَلَى الزَّوْجِ تَبْغِي الْخِدْنَ بَاغِيَةً   فَالزَّوْجُ وَيْلَاهُ مِنْ خُسْرَانِ مَهْجُوْرِ

يَاوَيْلَ قَوْمٍ أَبَاحُوْا بَوْحَ نِسْوَتِهِمْ   وَخَيَّرُوْهُنَّ طَوْعاً كُلَّ تَخْيِيْرِ

يُصَفِّقُوْنَ وَيَهْتَزُّوْنَ إِنْ رَقَصَتْ   أَزْوَاجُهُمْ بَيْنَ أَيْدِي الزُّوْرِفِي الزُّوْرِ

أَصْوَاتُهُمْ فَوْقَ أَصْوَاتِ الْحَمِيْرِ فَإِنْ   دَنُّوْا وَرَنُّوْا حَكَوْا عَنْ نَقْرِ نَاقُوْر

تَيَقَّنُوْا سَفَهاً إِنْ لَيْسَ مَنْقَبَةً   تَغَاوُلُ الرَّقْصِ أَوْضَرْبِ الْمَزَامِيْرِ

وَلَا يَعُدُّوْنَ غَيْرَ الْغَيْرِ مَنْقَصَةً   فَالْغَارُ عَارٌ عَلَى الشُّمِّ الْمَغَايِيْرِ

عُذْرُبِهِمْ إِنَّ غَارَالْمَرْءِ يَمْنَعُهُ   عَنِ الْغِيَارِ وَيُلْقِيْ فِيْ نَهَابِيْرِ

يَخِيْبُ كُلُّ مَنِ اسْتَحْيَ وَيَظْفَرُالْـ   وَقِيْحُ مِنْ دُوْنِ تَكْلِيْفٍ وَتَفْكِيْرِ

لَا يَقْتَنِي الْمَالَ مَنْ يُقْنِي الْحَيَاءَ وَلَا   يَغْتَارُ مَنْ غَارَ بِاسْتِشْعَارِ تَعْيِيْرِ

أَمَّا الْمُمَاذِيْ فَلَا تَحْمِيْ حَمِيَّتُهُ   عَنِ ارْتِكَابِ شَنَارٍ أَوْدَقَارِيْرِ

يُفْضِي الْمُذَالَ إِلَى نَيْلِ الْمَنَالِ كَمَا   يُفْضِي الضَّرِيْرُإِلَى ضَرٍّوَضَارُوْرِ

قَوْمٌ يَبُوْلُوْنَ قَوَّاماً وَإِنْ دَخَلُوْا   فِيْ غَائِطٍ خَرَجُوْا مِنْ غَيْرِ تَطْهِيْرِ

قَدْ آثَرُوْا كُلَّ رِجْسٍ مِنْتِنٍ أُكُلًا   يُوْعُوْنَهُ فِيْ أَوَانٍ مِنْ قَوَارِيْرِ

وَيَسْتَطِيْبُوْنَ رِيْحَ الْمُنْتِنَاتِ كَمَا   يَسْتَكْرِهُوْنَ شَذَامِسْكٍ وَكَافُوْرِ

أُمُّ الْخَبَائِثِ لِلْوِلْدَانِ مُرْضِعَةٌ   وَلَحْمُ شُبَّانِهِمْ لَحْمُ الْخَنَازِيْرِ

فَمَنْ رَآهُمْ رُتُوْتاًلَمْ يَمِنْ فَهُمُ الرْ   رُتُوْتُ مِنْ غَيْرِ تَشْبِيْهٍ وَتَنْظِيْرِ

لاغَرْوَإِنْ عُوِّدُوْا عَادَالرُّتُوْتِ فَلِلْـ   غِذَاءِ فِي الْمُتَغَذِّيْ كُلُّ تَأْثِيْرِ

خُلْفٌ أَقَاوِيْلُهُمْ خَلْفٌ وَمَوْعِدُهُمْ   خُلْفٌ وَإِنْ زَوَّرُوا الزَّوْرَاءَ بِالزُّوْرِ

أَشِحَّةٌ يَطْرُدُوْنَ الْمُعْتَرِيْ وَيُبَذْ   ذِرُوْنَ فِيْ خَشَبَاتٍ أَيَّ تَبْذِيْرِ

مَا فِيْ أُولَاءِ سِوَى غَمْرٍوَذِيْ غَمَرٍ   وَمَقْذَرٍ يَأْكُلُ الْأَقْذَارَ قَاذُوْرِ

فَمِنْ عَزِيْزٍ غَرِيْرٍ غَيْرُ مُخْتَبِرٍ   وَمِنْ شَرِيْرٍ خَبِيْثِ النَّفْسِ فِكِّيْرِ

لَمْ يُلْفِ مُخْتَبِرٌ فِيْ هٰؤُلَاءِ سِوَى   مُؤْذٍ وَمُمْذٍ وَصَقَّارٍ وَصَقُّوْرٍ

لَنْ يُؤْنِسَ الْأُنْسُ مِنْهُمْ بِالْأُنَاسِ فَلاَ   يُؤَانِسُوْنَ سِوَى كَلْبٍ وَخِنْزِيْرٍ

فَيَلْحَسُوْنَ لِسَانَ الْكَلْبِ مِنْ شَغَفٍ   بِحُبِّهِ يَمْزُجُوْنَ الشَّوْرَ بِالشَّوْرِ

وَمَنْ يَكُنْ هَمُّهُ حُبُّ الْكِلَابِ فَلَنْ   يَفُوْزَ عَوْضُ مِنَ الْحُسْنَى بِقِطْمِيْرِ

يَرُوْقُ اَسْمَاعَهُمْ مَرُّالْكِلَابِ كَمَا   يَرُوْقُ سَمْعَ طَرُوْبٍ حُسْنُ مِزْمِيْرِ

تَبْدُوْلِمَنْ يَجْتَلِيْهِمْ مِنْ مَحَاسِنِهِمْ   حَصَى الْفُرُوْدِ وَأَحْدَاقُ السَّنَانِيْرِ

لَمْ تَبْقَ مِنْ خِيْرَةٍ فِيْ عَهْدِ دَوْلَتِهِمْ   إِلَّا أَسَاطِيْرُ تُتْلَى فِيْ أَسَاطِيْرِ

وَكَيْفَ يُؤْمَلُ مِنْ صُهْبِ السِّبَالِ وَمِنْ   زُرْقِ الْعُيُوْنِ خِلَالَ الْخَيْرِوَالْخِيْرِ

وَأَيْنَ هُمْ مِنْ فَعَالِ الْمُكْرَمَاتِ وَهَلْ   غَيْرُ الْخَنَاسِيْرِ يُرْجَى مِنْ خَنَاسِيْرِ

فَمَاَ بِسَاحَاتِهِمْ لَاجٍ يَلُوْذُ وَلَا   رَاجٍ يَفُوْزُ وَلَا جَارٍ بِمَنْصُوْرِ

بَنَوْا مَدَارِسَ طَمْساً لِلْعُلُوْمِ كَمَا   سَمُّوْا مَجَاهِيْلَ جهْلًا بِالنَّحَارِيْرِ

وَلُّوْا لِيَدْرُسَ رَسْمُ الدَّرْسِ كُلَّ غَوٍ   مُدَارِسٍ مَادَرَى مَا فِي الْأَضَابِيْرِ

مُدَارِسٌ دَارِسٌ لِلدَّرْسِ يَشْغَلُهُ   دَرْسُ الدَّوَارِسِ عَنْ دَرْسٍ وَتَذْكِيْرِ

فَلَيْسَ مَقْصُوْدُهُمْ تَرْوِيْجَ مَعْرِفَةٍ   بَلْ كُلُّ ذٰلِكَ تَمْهِيْدٌ لِتَنْصِيْرِ

لُدٌّ عَمُوْنَ يَرَوْنَ أَنَّ اللّٰهَ ذُوْوَلَدٍ   قَرًّا بِعِيْسَى وَإِيْمَانًا بِنِسْطُوْر

فَيَخْلُقُوْنَ أَقَانِيْمَ وَآلِهَةً ... وَيَفْتَرُوْنَ أَبَاطِيْلَ الدَّوَارِيْرِ

لَمْ يَبْقَ مِنْ رَسْمِ رَهْبَانِيَةٍ مَعَهُمْ ... سِوَى صَلِيْبٍ مَنُوْطٍ بِالزَّنَانِيْرِ

يَا وَيْلَهُمْ نَسَخُواالْإِنْجِيْلَ وَابْتَدَعُوْا ... قَوَاعِدًا نَسَخُوْهَا فِيْ دَسَاتِيْرِ

هَمُّوْا بِتَقْنِيْنِ تِلْكَ التَّوْرِيَاتِ فَقَدْ ... هَمُّوا الْبَرَايَا بِتَفْسِيْرٍ وَتَقْتِيْرِ

فَإِنْ يَكُنْ وَاحِدٌ مِنْهَا بِمُنْشَرِحٍ ... عَنْ هَمِّهِمْ غَيَّرُوْهَا كُلَّ تَغْيِيْرِ

يَشْرُوْنَ أَرْدَأَ قِرْطَاسٍ لِيَكْتُبَ مَا ... يَقْضُوْنَ سُحْتًا بِغَالٍ مِنْ دَنَانِيْرِ

وَلَا يُغِيْثُوْنَ مَنْ لَا يَشْتَرِيْهِ وَإِنْ ... ذَمُّوْا بِذَاكَ بِتَظْلِيْمٍ وَتَجْوِيْرِ

لَا يَسْمَعُوْنَ شَكَاةَ الْمُسْتَغِيْثِ سِوَى ... حَرْفٍ عَلَى ذٰلِكَ الْقِرْطَاسِ مَسْطُوْرِ

وَاهَا تَفَاوَتَ أَثْمَانًا مَهَارِقُهُمْ ... بِاخْتِلَافِ الدَّعَاوِيْ فِي الْمَقَادِيْرِ

فَكَمْ تَفَاوَتَ نَوْعٌ وَاحِدٌ ثَمَناً ... تَفَاوُتاً غَيْرَ مَحْسُوْبٍ بِتَقْدِيْرِ

لَا يَعْتَنُوْنَ بِعَدْلٍ بَلْ بِتَغْنِيَةِ الْـ ... ـمُرَافِعِيْنَ بِتَسْوِيْدِ الطَّوَامِيْرِ

يَقْضُوْنَ عِنْدَ خِصَامِ النَّاسِ بَيْنَهُمْ ... بِمَا يُؤَدِّيْ إِلَى بَخْسٍ وَتَخْسِيْرِ

وَيَأْخُذُوْنَ مِنَ الْخَصْمَيْنِ مَالَهُمَا ... أَجْراً عَلَى سَمْعِ إِقْرَارٍ وَتَقْرِيْرِ

وَأَيُّ مَظْلِمَةٍ أَدْهَى وَأَعْظَمُ مِنْ ... بَيْعِ الْقَضَاءِ بِتَقْوِيْمٍ وَتَسْعِيْرِ

يَأْتِيْهِمِ الْمَرْءُ مَبْثُوْراً وَيَرْجِعُ مَثْـ ... ـبُوْراً مُعَنًّى بِبِشْرٍ أَوْبِتَبْشِيْرِ

ضَمُّوْا إِلَى الْجَوْرِ جَوْراً فِيْ مَحَاكِمِهِمْ ... فَلَقَّبُوا الْجَوْرَ بَعْدَ الضَّمِّ بِالْجَوْرِ

يَجْزُوْنَ قُطْعاً وَأَلْصَاصاً بِأَخْذِ فِدًى ... فَيُطْلِقُوْنَ بِلَا حَدٍّ وَتَعْزِيْرِ

كَأَنَّهُمْ سَاهَمُوْا فِي السَّرْقِ فَاقْتَسَمُوْا ... وَاسْتَأْثَرُوْا بِنَصِيْبٍ مِنْهُ مَوْفُوْرِ

كَأَنَّمَا مَنْ جَنَى يَجْنِي لَهُمْ خَمِراً ... يَحْظُوْنَ مِنْهُ بِإِثْمَارٍ وَتَثْمِيْرِ

فَإِنَّمَا سَعْيُهُمْ فِيْ أَخْذِ مُنْتَهِبٍ ... لِجَمْعِ خَيْرٍ لَهُمْ لَا مَنْعِ شَرِيْرِ

وَلُّوا الْقَضَا كُلَّ نِحْرٍ مُبْطِلٍ بَطِلٍ ... يَمْضِي الْقَضَاءُ بِلَا حُكْمٍ وَتَقْدِيْرِ

يَـقْـنِـيْ لَهُمْ نِقْرَةً مِـمَّـنْ يُنَاقِرُإِذْ   يُـقْـضَـى عَـلَيْـهِ بِلا بَحْثٍ وَتَنْقِيْر

فِيْ عَهْـدِهِـمْ سُدَّ بَابُ الصِّدْقِ وَانْفَتَحَتْ   أَبْـوَابُ كِـذْبٍ وَبُهْتَـانٍ وَتَـزْوِيْـر

فَـلَيْـسَ يَـظْـفَـرُ إِلَّا مُدَّعِيْ كَذِبٍ   وَلا يُـصَـدَّقُ إِلَّا شَـاهِـدُ الـزُّوْر

يَـعُـوْدُ كُـلُّ صَـدُوْقٍ نَـادِماً حَصِراً   وَالْـعَـدْلُ يُـرْمَـى بِتَـزْوِيْرٍ وَتَشْهِيْرِ

وَلا يَـفُـوْزُ الَّـذِيْ يُـقْـضَى لَـهُ أَبَداً   بِـمَـاادَّعَـى مِـنْ عَـقَـارٍ أَوْقَنَـاطِيْرِ

وَلا يَـنِـيْ يَـعْـتَـرِيْهِـمْ طَـاوِياً عَطِشاً   لِأَجْـلِ رِقٍ رَدِيِّ الْـحَـظِّ مَـنْشُـوْر

مَـنْ ظَـلَّ يَـقْـضِـيْ لَهُ يُقْضَى عَلَيْهِ فَمَا   قَـضَـاهُ غَيْـرُ قَـضًـا لِلْحَيْنِ مَقْدُوْرِ

وَلْـيَـعْـتَـبِـرْ حَـالَ مَـنْ يُقْضَى عَلَيْهِ بِمَنْ   يُـقْـضَـى لَـهُ فِـيْ مُعَانَاةِ الْخَنَاسِيْرِ

عَتَـوْا كَـفُوْراً وَكُفْرًا مُعْتَدِيْنَ عَلَى الْـ   كُـفَّـارِ إِذْ أَسْـلَـمُـوْا طَوْعاً بِتَكْفِيْرِ

يُـقَـدِّرُوْنَ خَـرَاجاً بَعْدَ أَنْ مَسَحُوا الْـ   أَرَاضِ مَـا بَيْـنَ مِـمْحَالٍ وَمَمْطُوْرِ

فَيَسْتَوِيْ فِي الْأَتَـاوَى فِيْ جِبِـلَّتِهِمْ   زَرْعٌ مَـجُـوْدٌ وَقُـطْـرٌ غَيْـرُ مَقْطُوْرِ

أَقْـوَتْ قُـرًى وَبِلادٌ مِـنْ مَـظَالِمِهِمْ   وَبَـلْـقَـعَتْ وَتَخَلَّتْ مَا بِهَا طُوْرِيْ

يَشْـرُوْنَ ظُـلْـماً لِاسْتِيْـفَـاءِ مَا فَرَضُوْا   مَـا لِـلـدَّهَـاقِيْنَ مِنْ أَرْضٍ وَمِنْ دُوْرِ

وَلا يَـرَوْنَ لَهُـمْ حَـقًّـا فَمَا حَصَدُوْا   مِـنْ زَرْعِهِـمْ غَيْـرَ حِرْمَانٍ وَتَحْسِيْر

فَيَـقْـدِرُوْنَ خَـرَاجـاً يَـقْدِرُوْنَ بِـهِ   شَـجـاً عَـلَـى مَـنْ يُعَانِيْ هَمَّ تَبْذِيْر

قَـدْ أَذْهَبَـتْ بَـرَكَـاتِ الْأَرْضِ نِيَّتُهُمْ   فَـلَيْـسَ فِـي الْحَرْثِ مِنْ رَيْعٍ وَتَوْفِيْرِ

مَـا فِـي الْـفَلاحَة لِـلـزُّرَّاعِ مِنْ فَلَحٍ   فَلا يُـرَى فِـيْ قُـرَاهُمْ غَيْرُ تَمْصِيْر

قَـدْ تَـبَّ مَنْ طُبَّ مِنْهُمْ فَهْوَ يُقْتَلُ كَيْ   يَشْـكُـوْ شَـكَـاءً بِلَا رَيْـثٍ وَتَأْخِيْرِ

مَـنْ حُـمَّ حُـمَّ لَـهُ، حِيْنُ الْحَمَامِ إِذِالسْـ   ـسَـاعُـوْرُ يَسْـعَـرُ حِـمَاهُ كَسَاعُوْرِ

يَـحُـمُّ حُـمَّـاهُ إِذْيَسْـقِيْـهِ أَشْـرِبَةً   تَـزِيْـدُه، بَـحَـرًا فِـيْ يَـوْمِ بَـاحُوْرِ

يَسْـقِـي الْـعَـلِيْلَ شَرَاباً مُسْهِلًا عَلَلًا   وَلا يُبَـالِـيْ بِـأَنَّ الْيَـوْمَ بَـاحُوْرِيْ

بِالْجَرِّ يُثْقِلُه، حَتَّى إِذَا بَرِدَا   بِالْحُوْمِ خَفَّ خَلِيًّا غَيْرَ مَحْسُوْرِ

وَيْلَاهُ مِنْ خَاتِرٍ يُزْبَى لَه، خَتَرًا   يُسْقَى مَالَيْسَ يُزْبِيْ غَيْرَ تَخْتِيْرِ

لَمْ يَبْقَ فِيْهِمْ مِنَ الرُّهْبَانِ مِنْ أَثَرٍ   إِلَّا تُرَوِّعُهُمْ مِنْ كُلِّ سَاعُوْرِ

وَكَيْفَ لَا يَخْشَى قَاتِلٌ أَمِنُ التْـ   تَعْزِيْرِ بَلْ فَازَ إِذْ أَرْدَى بِتَعْزِيْرِ

لَا تَفْهَمَنْ مِنْ كَلَامِيْ أَنَّهُمْ حَمَسٌ   فَلَيْسَ ذَاشَأْنُ عُوَّارٍ عَوَاوِيْرِ

بَلْ هُمْ أُسُوْدٌ عَلَى مَنْ يَسْتَكِيْنُ وَإِنْ   كَانُوْا نَفَادًا لَدَى إِلْمَامِ مَحْذُوْرِ

لَوْ طَارِقٌ يَعْتَرِيْهِمْ كَيْ يُجَادِلَهُمْ   كَأَجْدَلٍ يَتَقَضَّى فِيْ عَصَافِيْرِ

تَعَارَضُوْهُ وَمَاأَنْ عَارَضُوْ هُ وَلٰـ   كِنْ يَمْكُرُوْنَ بِهِ مَكْرَ التَدْبِيْرِ

رِجَا لُهُمْ كَنِسَاءٍ فِي الْعِرَاكِ كَمَا   فُرْسَانُهُمْ كَرِجَالٍ فِي الْمَضَامِيْرِ

بَاغُوْنَ عَادُوْنَ مَا عَادُوا الرَّكُوْبَ عَلَى   بَا غٍ وَعَادٍ وَسَبَّاقٍ وَمِخْضِيْرِ

فُرُوْسُهُمْ حِجْرٌ بُتْرٌ مُذَلَّلَةٌ   قَدْضَمَّرُوْهَا ضَنَانًا أَيَّ تَضْمِيْرِ

هَيَا كِلُ، ضُمَّرٌ جِدًّا يُخَيِّلُهَا الرْ   رَائِيْ هَيَاكِلُ تَبْقَى مِنْ تَصَاوِيْرِ

اِسْتَعْمَلُوْهَا كَثِيْرٌ إِنْ تُنَاطُ بِهَا الْـ   حِجَالُ تُرْخَى لِدِحْرَاجِ التَّدَاوِيْرِ

لَا يَمْلِكُ الْخَيْرَ أَشْرَارُ اللِّئَامِ وَلَا   بَقَى جَوَادٌ بِسُوْحِ الْبُخَّلِ الْبُوْرِ

وَلَا يُرِيْبُكَ فِيْ هٰذَا تَسَلُّطُهُمْ   فَإِنَّ ذَاكَ مَنُوْطٌ بِالْمَقَادِيْرِ

اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ يُؤْتِيْ مَنْ يَشَاءُ وَمَا   قَدْرٌ لِعَبْدٍ بِلَا قَدْرٍ بِمَقْدُوْرِ

كَمْ أَرْذَلٍ جُبَّأٍ نَالَ الْمَنَالَ وَكَمْ   زُوْرٍ مَكِيْنٍ مَتِيْنِ الزُّوْرِ بِلَازُوْرِ

لَمْ يُجْدِهِ الْعَقْلُ غَيْرَ الْإِعْتِقَالِ وَلَا   تَدْبِيْرُه، غَيْرَ إِدْبَارٍ وَتَتْبِيْرِ

وَلَمْ يُفِدْهَمُّه، غَيْرَ الْهُمُوْمِ وَلَا   غَارَاتُه، غَيْرَ تَغْيِيْرٍ وَتَغْوِيْرِ

لَمَّا خَلَا الْهِنْدُ عَنْ وَالٍ يَقُوْمُ [بها]   أَثَارَ فِيْهَا فَسَادًا كُلُّ غِدِّيْرِ

بَغَى عَلَى مَلْكِهَا عُمَّالُه، وَطَغَوْا   فَكَلَّفُوْهُ بِتَتْرِيْرٍ وَتَتْرِيْرِ

تَقَاسَمُوْا مُلْكَه، بِالْبَغْيِ اِقْتَتَلُوْا ... وَكَدَّرُوْهُ بِإِفْسَادٍ وَتَغْيِيْرِ

تَنَاكَرُوْا وَأَتَوْا بِالنُّكْرِ وَابْتَغُوا السْـ ... سَفَاهَ وَاسْتَنْكَرُوْا رَأْيَ الْمَنَاكِيْرِ

لَقَدْ تَفَانُوْا وَمَا قَانُوْا فَفِتْنَتُهُمْ ... أَخْبَثُ عَلَى قَاسِرٍ مِنْهُمْ وَمَقْسُوْرِ

لَمْ يَبْقَ فِي الْمُلْكِ مِنْ مَلْكٍ يُطَاعُ سِوَى ... مُؤَمَّرٍ إِمَّرٍ لِلْبُلْهِ مَأْمُوْرِ

يَرَاعَةٍ وَيَرَاعٍ لَمْ تَنَلْ يَدُهُ الْـ ... يَرَاعَ قَطُّ لِرَمْيٍ أَوْلِتَحْرِيْرِ

عَادَى الْعُلُوْمَ وَعَادَ الْجَهْلَ يَحْسِبُه، ... أَجْدَى وَأَعْوَرُ مِنْ عَقْلٍ وَمَشْعُوْرِ

فَلَايَصِيْرُ إِلَى الصَّيُّوْرِ فِكْرَتُه، ... وَلَا يَصِيْرُ إِلَى عَقْلٍ وَصَيُّوْرِ

أَمَّا الْوَزِيْرُ فَمَا مِنْ وِزْرِهٖ وَزَرٌ ... وَيْلَاهُ مِنْ وَازِرِ الْأَوْزَارِ مَوْزُوْرِ

لَمَّا تَنَافُوْا تَفَانُوْا ثُمَّ أَعْقَبَهُمْ ... فِي الْأَمْرِ مَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلاً لِتَأْمِيْرِ

خُلْفٌ خَوَالِفُ زَادُوْا فِي الْعُوَارِ وَقَدْ ... عَادُوْا بِخُلْفٍ وَإِخْلَافٍ وَتَعْوِيْرِ

لَمْ يَجْبَرُوْا قَطُّ مَكْسُوْرًا وَمُفْتَقِراً ... بَلْ كُلُّهُمْ بَيْنَ جَبَّارٍ وَجِبِّيْرِ

صَارُوْا سَمَادِيْرُ مُلَّاكًا وَهُمْ هُجَعٌ ... عَنِ الرَّعِيَّةِ سَكْرَى فِيْ سَمَادِيْرِ

مَالُوْا عَنِ الْعَدْلِ وَالتَّعْدِيْلِ وَانْعَدَلُوْا ... عَنِ الْغِوَارِ إِلَى نَوْمٍ وَتَغْوِيْرِ

تَقَعَّدُوْا عَنْ قِيَامِ الْأَمْرِ وَإِنْ نَهَضُوْا ... قَامُوْا كُسَالَى لِشَمْرٍ لَا لِتَشْمِيْرِ

نُكْدٌ قَدِ اعْتَصَرُوا الْأَمْوَالَ وَاعْتَصَرُوْا ... وَأَسْرَفُوْا فِيْ عَصِيْرٍ أَوْمَعَاصِيْرِ

أَلْهَاهُمُ الْبُؤْسُ عَنْ بَأْسٍ فَقَدْ رَغَبُوْا ... فِي الْكَأْسِ وَالْكِيْسِ عَنْ كَيْسٍ وَتَدْبِيْرِ

لَهَوْا بِلَهْوٍ وَلَهْوٍ عَنْ مُجَاهَدَةِ الْـ ... غَزْوَانِ وَالْجِدِّ فِيْ رَعْيِ الْجَمَاهِيْرِ

لَهَوْا بِبَغْيِ الْبَغَايَا عَنْ قِيَادَتِهَا ... كَمَا لَهَوْا عَنْ صِيَانِ السُّوْرِ بِالسُّوْرِ

تَهَكَّمُوْا وَتَلَهُّوْا بِالتَّهَكُّمِ وَالتْـ ... تَهْكِيْمِ وَالسَّخْرِ عَنْ جِدٍّ لِتَسْخِيْرِ

طَرَائِق، قُدَدٌ لٰكِنْ جَمَعْنَ عَلَى ... تَيْهٍ وَتَيْهٍ وَإِعْذَارٍ وَتَعْذِيْرِ

فَمِنْ ضَرِيْرٍ ضَرِيْرٍ لَا يَضُرُّ وَلَا ... يُجْدِيْ وَإِنْ كَانَ مَدْعُوًّا بِسُمْدُوْرِ

فَـمِـنْ ثَـقِيْـلٍ خَـفِيْفِ الرَّأْسِ مُتَّضِعٍ   وَمِـنْ رَقِيْـعٍ رَفِيْـعِ الْـقَـدْرِ شِنِّيْـرِ

وَمِـنْ جَـدِيْـدٍ بَلَا فِـي الْهَـزْلِ جِدَّتَـهُ   بِـالْـجِـدِّ مُـنْـجَلِبٍ بِالْجَدِّ فِخِّيْرِ

وَمِـنْ ضَـجُـوْعٍ ضَـجِيْعِ الضَّجُوْعِ وَمِنْ   مُـضَـجَّـعٍ خَـادِرٍ فِي السِّتْرِ مَخْدُوْرِ

وَبُـــوْهَةٍ بَهَـــمِـــيٍّ لَايَبُـــوْهُ بِـــمَـــا   يَـعْـنِـيْ مُبَاهِ مُبَـاهِ الْحُرِّ وَالْحُوْرِ

وَمِـنْ خَسِيْـــسٍ يُبَـاهِـيْ اَلْجَوَادَ وَمِنْ   فِيْـلٍ عَـلَـى الْفِيْلِ فِيْلِ الرَّأْيِ زُعْرُوْرِ

وَمِـنْ حَـلِيْـمٍ بِلَا حِـلْـمٍ يُسَـاهِلُ مَنْ   يَـعْـصِيْـهِ مِـنْ أَجْلٍ وَقْرٍ لَا لِتَيْقُوْرِ

وَحَــاكِـمٍ مَــالَــهُ حُـكْمٌ وَلَيْـسَ لَـهُ   أَنْ يَـحْـكُـمَ الـنَّاسَ عَنْ شَرٍّ وَتَثْوِيْرِ

وَمِـنْ غَـلِيْـظٍ رَقِيْـقِ الدِّيْنِ ذِيْ فَظَظٍ   وَمِـنْ رَقِيْـقٍ رَقِيْـقِ الْقَلْبِ مَذْعُوْرِ

وَطَـائِـشٍ لَـمْ يُـصِـبْ بَلْ طَاشَ أَسْهُمُهُ   مُـغَـذْمِـرٌ مُسْتَخِفٌّ ذُوْ غَذَامِيْـرِ

وَفَـا جِـرٍ ذِيْ فُـجُـوْرٍ غَيْـرَ ذِيْ فَجَرٍ   يُـوَدِّرُالْـمَـــالَ [دَوْرًا] أَيَّ تَوْدِيْرِ

وَقَـاصِـرٍ قَـصَـرَتْ فِـي الْقَصْرِ هِمَّتُهُ   يَـوُدُّ تَـطْـوِيْـلَ تَـعْـمِيْـــرٍ لِتَعْمِيْـرِ

وَالْبَـعْـضُ ذُوْ خَـرَبَـاتٍ هَيِّـرٌ خَـرِبٌ   دِيْـنًـا يَـجِـدُّ لِتَـخْـرِيْبٍ وَتَهْوِيْرِ

تَـا حَـا لُهُـمْ وَالـنَّـصَارَى حَوْلَهُمْ حَوِلٌ   يَسْـعَـوْنَ فِي الْبَيْـنِ فِيْ سَـعْيٍ وَتَوْغِيْرِ

فَـخَـامَـرُوْا مُـلْكَهُمْ بَلْ خَامَرُوْا مَعَهُمْ   يُـخَـمِّـرُوْنَ نُهَــاهُـمْ أَيَّ تَخْمِيْرِ

سَـرَوْا سُـرَى غَـفْـلَةٍ فِيْ أَعْيُنٍ نُعَـسٍ   أَوْسَـوْرَ مَشْـمُـوْلَةٍ فِيْ رَأْسِ مِسْكِيْـرِ

تَـدَاخَـلُـوْا دَخَلًا فِـيْ كُـنْــهِ دُخَّلِهِمْ   وَغَـفَّـلُـوْهُـمْ بِتَسْكِيْنٍ وَتَسْكِيْرِ

قَـدْ سَـكَّـرُوْهُمْ وَفَلُّوْا حَدَّ شَوْكَتِهِمْ   وَأَوْهَــنُـوْا بِتَسْـكِيْـرٍ وَتَـسْـكِيْـرِ

فَبَـعْـدَمَـا انْكَسَرَتْ أَعْضَاؤُهُمْ جُبِرُوْا   وَأَصْبَـحُـوْا بَيْـنَ مَـكْسُوْرٍ وَمَجْبُوْرِ

لَايُـمْـكِـنُ الـرَّعْـيُ إِلَّا بِـالتَّيَقُّظِ لاَ   يُـعِيْـنُ غَـافٍ بِرَاحِ الرَّاحِ سِكِّيْرِ

كَـأَنَّـمَـا نَـامَ فِـيْ جُـحْرِ الْأَسَاوِدِ مَنْ   أَغْـفَـى وَنَــامَ إِلَـى يَـقْظَـانَ خِتِّيْرِ

يُسَـــوِّلُـــوْنَ وَيَـحْتَـالُـوْنَ مِـنْ دَغَـلٍ   وَيَـــمْـكُـرُوْنَ لِتَهْـوِيْـلٍ وَتَبْشِيْـرِ

وَنَـقَّـرُوْا بَيْتَهُـمْ كَسْـرًا لِـنِـقْـرَتِهِـمْ | وَأَنْـقَـرُوْا لِـخِـدَا عٍ كُـلَّ مَـنْقُوْرِ
تَـحَـمَّـلُـوْا كُـلَّ كَـلٍّ كَـانَ يُثْـقِلُهُمْ | وَنَسَّـقُـوْا فِـيْ نِـظَـامٍ كُلَّ مَنْثُوْرِ
فَـمَـلَّـكُـوْهُـمْ قِيَـادَ الْأَمْرِ وَائْتَمَرُوْا | لَهُـمْ رِجَـاءً لِتَـأْيِيْـدٍ وَتَـأْزِيْـرِ
وَمَكَّنُوْا مِنْ مَلَاكِ الْمُلْكِ قَادَتَهُمْ | وَمَـكَّـنُـوْا جَيْشَهُـمْ فِي الْقَصْرِ وَالسُّوْرِ
وَهٰؤُلَاءِ تَـوَلَّـوْهُـمْ لِـمَـصْـلِحَةِ الْـ | إِفْسَـادِ ثُـمَّ تَـوَلَّـوْا بَـعْـدَ تَوْدِيْـرِ
وَنَـكَّـرُوْا بَـعْـدَ طُوْلِ الْعَهْدِ أَنْفُسَهُمْ | وَبَـدَّلُـوْا كُـلَّ تَسْهِيْـلٍ بِتَـوْغِيْـرِ
فَـإِنَّـمَـا ظَـفَـرُوْا بِـالْهِنْدِ إِذْ ظَفَـرُوْا | بِـالْكَيْـدِ وَالزُّوْرِ لَا بِالْأَيْدِ وَالزُّوْرِ
قَـدِ اسْتَـكَـانُوْا قُبَيْلًا ثُـمَّ إِذْ مَـلَـكُـوْا | لَـمْ يُلْفَ فِيْهِمْ سِوَى عَـاتٍ وَتَيْهُوْرِ
لَا يَـقْـدِرُوْنَ ذَوِي الْأَقْـدَارِ إِذْ قَدَرُوْا | بَـلْ يَـقْـدِرُوْنَ عَلَيْهِمْ كُلَّ تَقْدِيْرِ
أُولُـو الْـحَسَـابَةِ فِـيْ حُسْبَـانِهِمْ سُفَلٌ | وَالـدُّوْنَ أَهْـلٌ لِـإِحْسَابٍ وَتَوْقِيْرِ
يُـرْبُـوْنَ قَـدْرًا وَيُـرْبَـى قَدْرُهُمْ صَخَرًا | يَـا وَيْـلَهُـمْ مِـنْ مَـنَاكِيْدٍ مَضَاجِيْرِ
تَـحَـلَّـمُـوْا عِـنْـدَ تَـمْعِيْرٍ فَـإِذْ شَبِعُوْا | لَـمْ يُلْفَ مِنْهُـمْ سِـوَى غَضْبَانَ مَمْعُوْرِ
أَرْدَى أَتَـاوَاهُـمُ الـزُّرَّا عَ فَـانْـقَلَبُوْا | عَـصْـفًا حَـصِيْدًا فَأُوْذُوْا بَعْدَ تَنْضِيْرِ
مَـعْـنَـى عَـدَالَتِهِـمْ ظُـلْمٌ فَلَيْـسَ هُنَـا | نَهْـبٌ بِـإِثْـمٍ وَلَا سُحْتٌ بِمَحْظُوْرِ
قَـدْ أَحْـرَفُـوْا وَاعْتَنَوْا بِالْاِحْتِرَافِ لِكَيْ | يُلْـقُـوْا أُولِي الْحِرْفِ فِيْ حُرْفٍ وَتَقْتِيْرِ
فَـلَيْـسَ فِـي الْـغَزْلِ جَدْوَى لِلْعَجُوْزِ وَلَا | لِـحَائِكٍ أُجْرَةٌ فِي النَّسْجِ وَالنِّيْرِ
دَارَتْ رَحَـاهُـمْ عَـلَى الطَّحَّانِ فَانْقَلَبَتْ | رَجَـاهُ مِـنْهَـا طَـحِيْنًا فِيْ رَحَى الْحُوْرِ
هُـمْ أَصْـفَـرُوا الْهِـنْدَ عَنْ صُفْرٍ وَلَمْ يَذَرُوْا | [فِيْهَـا مُـصْـفِـرٍ مُـقْـوٍ وَمَصْفُوْرِ
لَا يَـفْـرُضُـوْنَ نِـصَـابًا لِلزَّكَاةِ بَلِ الزْ | زَكَـاةُ مَفْرُوْضَةٌ فِيْ كُلِّ مَنْزُوْرِ
يَـأْتِـيْ سُـعَـاتُهُـمُ السَّـاعُوْنَ إِنْ بَدَعُوْا | شَيْـئًـا وَلَـوْ كَـانَ مِنْ أَدْنَى مَقَادِيْرِ
كَـجَـفْـنَـةِ الْمِلْحِ وَالْقِنْدِيْدِ فَاعْتَصَرُوْا | وَمَـرَّرُوْا عَيْـشَ كُـلٍّ أَيَّ تَمْرِيْرِ

لَا يَسْتَحِقُّ الْمَسَاكِيْنُ الزَّكَاةَ فَلَا ... يُعْطُوْنَهَا غَيْرَ أَرْبَابِ الْمَوَاخِيْرِ

عَادَ الدَّقَارِيْرَ سَاعِيْهِمْ فَيَسْمَعُهَا ... شَوْقًا وَيُلْقِى الرَّعَايَا فِيْ دَقَارِيْرِ

وَيْلَاهُ مِنْ أَخْرَقٍ دُوْنٍ عَمٍ نَكِدٍ ... شُؤْمٍ لَئِيْمٍ خَبِيْثِ النَّفْسِ قَاشُوْرِ

هَذَا أَوَائِلُ اِسْتِيْلَا ئِهِمْ وَلَهَا ... صَيْرٌ وَفِيْهَا رَزَايَا ذٰلِكَ الصَّيْرِ

آثَرْتُ بِالْأَثْرِ نَبْذًا مِنْ مَآثِرِهِمْ ... وَكَمْ لَهُمْ مِنْ فَخَارٍ غَيْرَ مَأْثُوْرِ

أَجْمَلْتُ فِيْ وَصْفِ إِجْمَالَاتِهِمْ حَصَرًا ... فَلَيْسَ تَفْصِيْلُ حُسْنَاهُمْ بِمَحْصُوْرِ

حَصِرْتُ عَنْ حَصْرِ وَصْفِ الْحَصْرِ وَالْحَصَرِالْـ ... ـلَذِيْنَ فِيْهِمْ عَلَا كُلُّ التَّفَاسِيْرِ

لَمْ أَخْتَلِقْ فِيْ حَدِيْثِيْ عَنْ خَلَائِقِهِمْ ... بَلْ لَمْ أَشُبْ صِدْقَ تَخْيِيْرِيْ بِتَخْيِيْرِ

مَا ارْتَبْتُ رَيْبًا فَلَنْ يَرْتَابَ مَخْبِرَتِيْ ... إِلَّا الَّذِيْ رَابَ رَوْبًا فِيْ أَخَابِيْرِيْ

لٰكِنَّنِيْ قَاصِرٌ فِيْ وَصْفِهِمْ فَلَئِنْ ... رَأَوْا عَلَيَّ عِتَابًا ضَاقَ تَعْذِيْرِيْ

فَلْيَعْذِرُوْنِيْ وَإِنْ لَمْ تَجْرِ عَادَتُهُمْ ... بِعَفْوِ مُعْتَذِرٍ يَأْتِيْ بِتَقْصِيْرِ

جَلَّى لَنَا اللّٰهُ عَنْ إِظْلَامِ ظُلْمِهِمِ الدْ ... دَاجِيْ بِفَلْقِ تَبَاشِيْرِ التَّبَاشِيْرِ



ضمیمہ(۳)

قصیدۂ نونیہ☆

[در بیان جنگ آزادی ۱۸۵۷ء]

مَانَاحَ أَوْرَقُ فِيْ أَوْرَاقِ أَشْجَانٍ   إِلَّا وَهَيَّجَ أَشْجَانِيْ وَأَشْجَانِيْ

(۱)ادھر کبوتر شاخ کے پتوں پر بولا اُدھر اس کی (درد بھری) آواز نے میرے نہاں غموں کو ابھار کر مجھے رنجیدہ وغمگین کر دیا۔

وَمَا هَمَى عَارِضٌ إِلَّا وَعَارَضَهُ   طَرْفِيْ فَقَابَلَ هَتَّانًا بِهَتَّانٍ

(۲) جب پیہم برسنے والا بادل برسا تو میری آنکھوں نے (اشکباری میں) اس کا مقابلہ کیا پھر کیا تھا مسلسل برسنے والا بادل اور لگاتار آنسو بہانے والی آنکھ ایک دوسرے کے مد مقابل ہو گئے۔

مَاافْتَرَّ بَرْقٌ بَدَا إِلَّا وَمَثَّلَ لِيْ   بَرِيْقُهُ ضَحْكَ بَسَّامٍ فَأَبْكَانِيْ

(۳) آسمانی بجلی روشنی چمک کر ظاہر ہوئی تو اس کی روشنی و چمک نے میرے سامنے ہمیشہ مسکرانے والے محبوب کے مسکرانے کی تصویر کھینچ کر مجھے اشک ریزی پر مجبور کر دیا۔

إِنْ صَلْصَلَ الرَّعْدُ فِي الْآفَاقِ جَاوَبَهُ   حَنِيْنُ صَبٍّ إِلَى الْأَحْبَابِ حَنَّانٍ

(۴) بجلی افق پر گرجی تو فوراً اس عاشق زار کی غمزدہ آواز نے اس کی کڑک اور گرج کا جواب دیا جو وصالِ یار کا مشتاق ومتمنی ہے۔

إِذَاسَحَابُ هُمُوْمٌ صَابَ صَابَ بِهٖ   قَلْبِيْ هُمُوْمٌ بِهَايَنْهَمُّ جُسْمَانِيْ

☆اس قصیدے کے ترجمے میں مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) سے مدد لی گئی ہے۔اس سے قبل ڈاکٹر سلمہ سیہول کی کتاب ''علامہ محمد فضل حق خیرآبادی'' میں اس قصیدے کا صرف متن شائع ہوا تھا۔قصیدے کا باضابطہ ترجمہ پہلی بار منظر عام پر آرہا ہے۔

(۵) جب پانی سے لبریز بادل برستا ہے تو میرے دل کے وہ زخم ہرے ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے میرا جسم اندر سے گھلا جا رہا ہے۔

إِنْ جَادَ جَوْدٌ يَجُدْ عَيْنِيْ وَجَادَنِيَ الْـ هَوَى وَجَدْتُ بِنَفْسِيْ أَجْلَ تَوْقَانِيْ

(۶) اگر موسلا دھار بارش ہوئی تو آنکھیں بہت اشکباری کریں گی اور اگر مجھ پر عشق و وارفتگی چھا گئی تو میں شوقِ وصال میں اپنی جاں فدا کر دوں گا۔

يُـرْبِي الْغَمَامُ غُمُوْمًا وَالْهَوَاءُ هَوًى وَالْـوَبْـلُ كُلَّ وَبَالٍ لِلشَّجِي الْعَانِيْ

(۷) بادل حزن وملال میں اضافہ کر دیتے ہیں اور سرد ہوائیں سوزشِ عشق میں شدت کا باعث بن جاتی ہیں اور تیز بارش تو غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے عاشق کے لیے سراپا عذاب ہے۔

يَـحِيْـنُ حِيْـنُ حِمَامِيْ بَلْ أَحِيْنُ إِذَا شَـكَـا حَـمَـامٌ أَذَى بَيْـنٍ عَـلَى بَانِ

(۸) میرا وقتِ اجل قریب ہے، بلکہ میں تو اس وقت ہلاک ہی ہو گیا جب ''بان'' کے درخت پر کبوتر نے نالہ فراق شروع کیا۔

إِذَا تَبَـلْبَـلَ أَلْـحَـانُ الْبَلَابِـلِ بَـلْـ ـبَـلَ الْبَلَابِـلُ بَـالِـيْ بَـلْ وَجُثْمَـانِيْ

(۹) جب بلبلوں کی خوش الحان آوازیں باہم ٹکراتی ہیں تو سوزشِ عشق کی شدت میرے قلب وجگر کو چھلنی اور میرے جسم کو غموں سے نڈھال کر دیتی ہیں۔

قَدْ عَبَّرَتْ عَبَرَاتِيْ عَنْ هَوًى وَجَوًى وَشَانَ تَذْرَافُ شَأْنِيْ فِي الْوَرَى شَأْنِيْ

(۱۰) سوزشِ عشق کے باعث میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور رگِ چشم سے اشک ریزی نے میری عزت وآبرو میں بٹا لگا دیا۔

وَشَـتْ عَـلَـيَّ بِشَـأْنِـيْ مُـقْلَةٌ وَكَفَتْ سَـحَّـاحَةً وَكَـفَـتْ مَـاشَـانَـهُ الشَّانِيْ

(۱۱) آنکھوں کی پیہم اشکباری نے میرے درونِ حال پر چغلی کھائی اور میرے دشمن و حریف کی عیب گیری سے وہ بے نیاز و بے پرواہ ہو گئی۔

يَـزِيْـدُ كُـلُّ زَمَـانٍ مِـنْ أَسَـى زَمِـنٍ كَـلٍّ يَـكِـلُّ بِـحُـوْبِ الْـحُزْنِ حَزْنَانِ

(۱۲) ہر زمانہ کمزور وناتواں کے درد والم میں اضافہ ہی کرتا ہے اور وہ زمانہ کا ستایا ہوا غموں کی وحشت سے تھک ہار جاتا ہے۔

إِنْ بِتُّ لَيْلًا جَفَانِيْ طُوْلُهُ وَسَنًى　　كَأَنَّ أَنْجُمَهُ نِيْطَتْ بِأَجْفَانِيْ

(۱۳) میں ایک رات سویا تو اس رات کی درازی مجھ پر گراں گزری گویا کہ اس کے ستارے میری آنکھوں سے باندھ دیئے گئے۔

يَغُمُّنِي اللَّيْلُ كَالْيَوْمِ الْمُغِمِّ بِمَا　　يَحْكِيْ جَهَنَّمَ فِيْ حَرٍّ وَقُدَانِ

(۱۴) رات مجھے اس گرم وسخت دن کے مانند ستاتی ہے جو حرارت اورجھلسانے میں دوزخ کی طرح ہے۔

قَدْ أَسْخَنَ الْعَيْنَ فِي الظَّلْمَاءِ أَنْجُمُهَا　　كَأَنَّهُنَّ شَرَارٌ بَيْنَ دُخَّانِ

(۱۵) اندھیرے میں آنکھ کو رات کے ستاروں نے اس قدر رلایا گویا کہ وہ ستارے دھواں کے درمیان اڑتی ہوئی چنگاریاں ہوں۔

قَدْ طَالَ لَيْلِيْ فَلَا يُرْجَى تَمَامَتُهُ　　كَأَنَّهُ مِنْ لُبَانَاتِيْ وَأَشْجَانِيْ

(۱۶) میری رات اس قدر طویل ہوگئی کہ اس کے ختم ہونے کی امید نہیں ہے گویا کہ وہ رات میرے رنج وغم کا ہی ایک حصہ ہو۔

وَصُدَّعَنِّيْ تَبَاشِيْرُ الصَّبَاحِ كَمَا　　صُدَّتْ تَبَاشِيْرُ صَبَّاحٍ بِلُقْيَانِيْ

(۱۷) صبح کے ابتدائی خوشگوار لمحات مجھ سے روک دیئے گیے جیسا کہ خوبصورت محبوب کی خوشخبری میرے پاس آنے سے روک دی گی۔

كَأَنَّ كُلَّ زَمَانٍ لِلزَّمِيْنِ دُجَى　　لَيْلٍ وَمَاصُبْحُهُ فِيْ عَدِّ أَزْمَانِ

(۱۸) عاجز ودرماندہ کے لیےتو ہر زمانہ سیاہ رات ہےاوراس کی روشن صبح کا شمار کسی زمانے میں نہیں ہے۔

يَوْمِيْ كَلَيْلٍ دَجِيٍّ ذُوْ كَوَاكِبَ أَوْ　　لَيْلِيْ كَيَوْمٍ مُغِمٍّ غَمَّ سَخْنَانِ

(۱۹) میرا دن سیاہ شب کی مانند ہےاورمیری شب اس گرم وسخت دن کے مثل ہے جس کی گرمی کی شدت وحرارت انتہا کو پہنچ چکی ہے۔

يَوْمُ الْجَوِيْ لَهَبَانٌ ضَوْؤُهُ لَهَبٌ　　وَلَيْلُهُ ظِلُّ يَحْمُوْمٍ وَأَغْثَانِ

(۲۰) عاشق زار کا دن چلچلاتی گرمی ہےاوراس کی روشنی دہکتے شعلے ہیں اوراس کی رات

گرمی اور دھواں کے سایے ہیں۔

اِخْضَرَّ لَيْلِيْ لِحُسْنٍ أَحْمَرَ خَضِرٍ وَابْيَضَّ عَيْنِيْ وَدَمْعِيْ أَحْمَرُقَانِ

(۲۱) میری رات سرخ وسبز کے حسن امتزاج سے سیاہ ہوگی اور میری آنکھ (روتے روتے) سفید ہوگئی اور میرے آنسو گہرے سرخ ہوگئے۔

تَلْمَاحُ عِقْدِ الثُّرَيَّا فِيْهِ يُذْكِرُنِيْ نِظَامَ دُرٍّ يُحَلِّيْ فَرْعَ فَيْنَانِ

(۲۲) عقد ثریا (تاروں کے جمگھٹ) کی چمک مجھے موتی کی اس لڑی کی یاد دلا رہی ہے جو لمبے بالوں والے محبوب کے بالوں کو زینت بخشتی ہے۔

فَيْنَانُ فَرْعٌ أَثِيْثٌ فَنَّ مِيْسَمَهُ أَفْنَانُ دَلٌّ فَدَلَّانِيْ بِأَفْنَانِ

(۲۳) وہ لمبے بالوں والا محبوب جس کے گھنے اور گھنگرالے بال اس کے حسن میں اضافہ کر رہے ہیں، وہ ہوش ربا حسین وجمیل جس نے اپنے دراز گیسو سے مجھے لوٹ لیا۔

إِذَا نَشِيْتُ أَرِيْجًا مِنْهُ أَوْ خَبَرًا نَشِيْتُ مِنْ سَكْرَةٍ لَا خَمْرَ سَكْرَانِ

(۲۴) جب میں اس محبوب کی خوشبو سونگھتا ہوں اور مجھے اس کے آنے کا علم ہوتا ہے تو میں نشہ سے مست ہو جاتا ہوں۔ اور یہ نشہ شرابی کی شراب میں نہیں ہے۔

نَشْوَانُ نَشْوَتُهُ نَشْوٌ وَرِيْقَتُهُ [نَشْوٌ] فَمَنْ يَهْوَهُ اسْتَهْوَاهُ نَشْوَانِ

(۲۵) (میرا محبوب) ایسا مست ہے کہ اس کی خوشبو اور لعاب بھی نشہ آور ہے جو اس سے دل لگاتا ہے تو یہ دونوں نشے (خوشبو اور لعاب) اس کی عقل کو سلب کر کے اسے سرگشتہ و سرمست کر دیتے ہیں۔

نَشْوَانُ مَنْ ذَاقَ خَمْرَالرِّيْقِ مِنْهُ فَلَا يَصْحُوْ وَإِنْ كَانَ يَصْحُوْ كُلُّ نَشْوَانِ

(۲۶) میرا محبوب ایسا مست ہے کہ جس نے اس کی جھوٹی شراب چکھ لی تو اس کا نشہ کبھی نہیں اترے گا (یعنی وہ کبھی ہوش میں نہیں آئے گا) اگر چہ ہر مست وشرابی کا نشہ اتر جاتا ہے۔

هِجْرَانُهُ سَكْرَةٌ لُقْيَانُهُ سَكَرٌ فَالْعَيْشُ وَالْمَوْتُ فِيْ وَصْلٍ وَهِجْرَانِ

(۲۷) اس سے جدائی موت ہے اور اس کا وصال نشہ آور ہے لہذا موت و زیست، ہجر و وصال کے درمیان ہچکولے کھا رہی ہے۔

يَبِيْتُ فِيْ سِنَةٍ عَنْ كِلْفِهِ الدَّنِفِ السْـ سَهْـرَانَ وَيْلَاهُ مِـنْ مَيْسَـانَ مِيْسَـانِ

(۲۸) وہ (ظالم محبوب) اس ناتواں، بیمار عاشق سے غافل و بے پرواہ ہو کر (مزے سے) رات گزار رہا ہے جو (اس کے فراق میں) جاگا کرتا ہے ہائے افسوس اس تابناک بیدار کرنے والے ستارے پر۔

غَضٌّ غَضِيْضٌ غَضِيْضُ الطَّرْفِ فَاتِرُهٗ وَلَا فُتُـوْرٌ لَـهٗ فِـي الْـفَتْكِ بِـالـرَّانِيْ

(۲۹) وہ نازک اندام، ترو تازہ، نیم باز نگاہوں والا ہے مگر پیہم نظروں کے تیر سے قتل و غارت گری میں ضعیف و لاغر نہیں ہے۔

عَـدْلٌ ظَـلُوْمٌ عَدِيْمُ الْعِدْلِ يَهْتَضِمُ الْـ كِلْفَ الْهَضِيْمَ هَضِيْمُ الْكَشْحِ خَمْصَانِ

(۳۰) وہ سخت، بے نظیر پتلی کمر اور دبلے پیٹ والا معشوق اپنے کمزور و نحیف عاشق پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا ہے۔

أَحَـرُّ حُسْـنًـا وَلٰـكِـنْ ثَـغْـرُهٗ بَـرِدٌ بِـالْبَـرْدِ وَالْبَـرْدُ يَشْفِيْ حَـرَّحَـرَّانِ

(۳۱) وہ حسن و جمال کے رُو سے گرم ہے لیکن اس کے دانت ٹھنڈے ہیں اور ٹھنڈک ہی سخت پیاسے کی تشنگی کو شفا دیتی ہے۔

وَيْلَاهُ مِـنْ مِلْهَبٍ يُذْكِيْ لَهِيْبَ جَوًى وَبَـرْدُهُ الْـعَـذْبُ يُـطْـفِيْ لَهْبَ لَهْبَـانِ

(۳۲) ہائے حسن کی دلکشی و رعنائی! یہ ہی عشق کے شعلوں کو ہوا دیتی ہے اور اس حسن کی میٹھی ٹھنڈک پیاسے کی آگ کو بجھاتی ہے۔

مَنْ ذَاقَ سَلْوَى اللَّمَى الْحُلْوَ الْبَرُوْدَ فَلَا يَـذُوْقُ بَـرْدًا وَلَا يَسْـلُـوْ بِسُـلْـوَانِ

(۳۳) جس نے (ایک بار) اس میٹھے سرد گندمی ہونٹ کے شہد کو چکھ لیا تو پھر اس کے لیے ہر سرد چیز بے ذائقہ ہو جائے گی اور ''سُلوان'' (ایک دوا) سے بھی اسے تسلی نہیں ملے گی۔

خَـوْدٌ تُـقَتِّـلُ إِذْمَـاسَـتْ تُـقَتِّـلُ فِـيْ تَـخْـوِيْـدِهَـا كُـلَّ أَيْسَـانٍ بِمَيْسَـانِ

(۳۴) وہ پری پیکر اپنی نازک خرامی سے قتل کرتا ہوا چلتا ہے اور اپنی چال سے ہر اس شخص کو قتل کرتا ہے جو اس پری پیکر کے حصول سے مایوس ہو چکا ہے۔

رَقْـرَاقَةٌ تَسْتَـرِقُّ الْـعَيْـنَ رِقَّتُـهَـا بَـرَّاقَةٌ بَـرْقُهَـا بَـرْقٌ لِأَعْيَـانِ

(۳۵) وہ ایسا چمک دمک والا ہے کہ اس کی چمک سے آنکھ خیرہ ہوگئی، وہ درحقیقت ایسی بجلی والی بدلی ہے جس کی چمک آنکھوں کے لیے روشنی ہے۔

بَهْنَــانَةٌ نَشْــرُهَــا نَشْــرٌ لِمَنْ قَتَلَــتْ   وَهْــنَــانَةٌ هُــوْنُهَــا هَــوْنِـيْ وَإِيْهَــانِـيْ

(۳۶) وہ نرم خو، خوش مزاج ہے، اس کی پاکیزہ خوشبو اپنے مقتول کو زندگی عطا کرتی ہے، وہ ناز ونعم میں پرورش کی بنا پر بہت نازک مزاج ہے اس کی شدت میرا سکون بھی ہے اور مجھے کمزور بھی کرتی ہے۔

خَــضْــرَاءُ زَافِــنَةٌ حَــمْــرَاءُ رَاقِــنَةٌ   يَــجْــفُــوْ تَــلَــوُّنُــهَــا الضَّــمْــنَــى بِــأَلْوَانِ

(۳۷) اس کی چال گویا رقص کے مشابہ ہے، اس کے رنگ میں سیاہ وسفید کی آمیزش ہے اور اپنے رنگ کے تلون سے وہ عاشق کو مرض (عشق) میں مبتلا کرتا ہے۔

حُــمِّــلْــتُ ظُــلْــمَ تَثَــنِّيْهَــا فَــأَهْلَكَنِيْ   وَذُقْــتُ ظَــلْــمَ ثَــنَــايَــاهَــا فَــأَحْيَــانِيْ

(۳۸) میں نے اس کی دلفریب بل کھاتی چال کے بارگراں کو اٹھایا تو اس نے مجھے ہلاک کر دیا پھر میں نے اس کے دندانِ بالا کی چاشنی چکھی تو اس مٹھاس نے مجھے زندہ کر دیا۔

إِنْ شَــافَهَتْ شَافِهًا يَظْمَأْ إِلَى الشَّفَةِ الظْ   ـظَــمْــيَــا شَــفَــتْــهُ وَزَادَتْ ظَــمْــأً ظَــمْــآنِ

(۳۹) اگر وہ پری زاد کسی ایسے تشنہ کام سے بالمشافہ کلام کرے جو اس کے لب کا شائق ہو تو وہ اس کو شفایاب بھی کرے گا مگر اس پیاسے کی پیاس میں اضافہ بھی کر دے گا۔

كَــمْ أَلْــطَــفَــتْــنِــيْ بِــجَــنْــبَيْــهَــا مُلاطَــفَــةً   سَــقْــيًــا لِــسَــاقٍ لَــطِــيْــفِ الــسَّــاقِ لَطْــفَانِ

(۴۰) کتنی ہی بار اس نے محبت ونرمی سے مجھے اپنے پہلوؤں سے چمٹایا، اللہ اس مہربان، نرم ونازک پنڈلی والے ساقی کو سیراب کرے۔

جَــمَــالُهَــا جَــنَّــةٌ عَــذْرَاءُ قَــاصِــرَةٌ   عَــنْ نَــيْــلِ رُمَّــانَــةٍ مِــنْــهَــا يَــدُ الْجَــانِيْ

(۴۱) اس کا حسن وجمال ان چھوا باغ ہے، کسی مجرم کا ہاتھ اس باغ کے انار کو نہیں پا سکتا۔

كَــمْ فَــاكَهَــتْــنِــيْ وَقَدْ بَاتَتْ تُشَا عِرُنِيْ   وَفَــكَّــهَــتْــنِــيْ بِــتُــفَّــاحٍ وَرُمَّــانِ

(۴۲) کتنی ہی بار اس نے مجھ سے ہنسی مذاق کیا اور کتنی راتیں اس نے مجھ سے شعر و شاعری میں مقابلہ کرنے میں گزاریں اور کتنی ہی بار اس نے مجھے سیب اور انار کھلائے۔

كُنَّا ضَجِيْعَيْ هَوًى دَهْرًا بِعَافِيَةٍ فَحَالَ مَا بَيْنَنَا بَيْنٌ لِحِدْثَانِ

(۴۳) ہم محبت کے بازوؤں میں ایک زمانے تک خیر وعافیت سے رہے کہ ناگہاہ ہمارے درمیاں حوادث زمانہ کی وجہ سے فرقت وجدائی حائل ہوگئی-

إِذْشَطَّنَا الدَّهْرُ شَطَّ الْوَصْلِ وَانْقَطَعَتْ لِأَجْلِ حِدْثَانِهِ أَسْبَابُ حُدْثَانِ

(۴۴) زمانے نے وصل کا کنارہ ہم سے دور کر دیا اور حوادث زمانہ کی بنا پر جوانی کے مشغلے منقطع ہو گئے-

عَمَّتْ عَلَيْنَا حَدِيْثَ الْحُبِّ حَادِثَةٌ عَمَّتْ وَطَمَّتْ عَلَيْنَا طَمَّ طُوْفَانِ

(۴۵) اس حادثے نے ہماری عشق ومحبت کی باتیں ختم کردیں اور چاروں طرف سے مصائب وآلام کے طوفان نے ہمیں گھیر لیا-

وَتِلْكَ أَنَّ النَّصَارَى كَانَ نِيَّتُهُمْ تَنْصِيْرَ مَنْ فِي الْوَرَى مِنْ أَهْلِ أَدْيَانِ

(۴۶) وہ حادثہ یہ ہے کہ نصاریٰ کا مقصد سارے دین وملت کے لوگوں کو عیسائی بنانا ہے-

كَانُوْا يَجِدُّوْنَ لِلتَّنْصِيْرِ فِيْ حِيَلٍ وَيَكْتُمُوْنَ مُنَاهُمْ أَيَّ كِتْمَانِ

(۴۷) وہ اس آرزو وتمنا کو اپنے دلوں میں چھپا کر حیلوں اور تدبیروں کے ذریعہ مذہب عیسوی کی ترویج واشاعت کی منظم کوشش کررہے ہیں-

إِذْخَيَّسُوْا كُلَّ وَالٍ عَاهَدُوْا فَبَغَوْا عَلَيْهِ عَادِيْنَ مِنْ غَدْرٍ وَخَيْسَانِ

(۴۸) انھوں نے ہر فرماں روا سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑ دیا اور عہد شکنی کر کے اس کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کر دیا-

غَلَوْا إِذِ اغْتَصَبُوْا كُلَّ الْمَمَالِكِ فِيْ طَغْوَى وَعَدْوَى وَفِيْ كُفْرٍ وَكُفْرَانِ

(۴۹) جس ملک پر بھی انہوں نے غاصبانہ قبضہ کیا اس میں ظلم وستم، شر وفساد، احسان فراموشی اور ناشکری کرنے میں حد سے گزر گئے-

بَنَوْا أَرَاذِلَ هَدْمًا لِلنَّبَالِ كَمَا بَنَوْا مَدَارِسَ تَخْرِيْبًا لِصِبْيَانِ

(۵۰) باکمال لوگوں کو مٹانے کے لیے انھوں نے کمین و ذلیل لوگوں کو نوازا اسی طرح بچوں میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے مدارس ودانش گاہیں تعمیر کروائیں-

بِدَرْسِ رَسْمِ الْهُدَی هَمُّوْا لِدَرْسِ لَغًی مِمَّا افْتَرَی الْقَسُّ مِنْ زُوْرٍ وَبُهْتَانِ

(۵۱) ان مدارس و دانش گاہوں میں رشد و ہدایت کو مٹا کر گمراہی و بے دینی، جھوٹ، بہتان ترازی کی تعلیم دی جاتی جوان کے پادریوں کے دلوں کی اپج ہے۔

وَوَكَّلُوْا طَمَعًا فِيْ نَشْرِ مِلَّتِهِمْ فِيْ أَرْضِنَا كُلَّ أُسْقُفٍّ وَمَطْرَانِ

(۵۲) ہماری زمین پر اپنے دین کی نشر واشاعت کے لیے انھوں نے اپنے مذہبی رہنماؤں کو مقرر کر دیا۔

مُدَارِسٌ دَارِسٌ لِلدَّرْسِ حِرْفَتُهُ التْ تَحْرِيْفُ وَيْلَاهُ مِنْ غَيَّانَ مَيَّانِ

(۵۳) وہ گناہ گار پادری جس کا کام علم کو مٹانا ہے جس کا کام تحریف معانی ہے، اس جھوٹے، گمراہ، نفس پرست کی ہلاکت وتباہی ہو۔

يُفْشِيْ بِمَكْرٍ وَ نَكْرٍ نُكْرَهُ نَكِرًا مَا فِي الْأَنَاجِيْلِ مِنْ حَقٍّ وَتِبْيَانِ

(۵۴) وہ اپنے حیلے اور فریب سے ایسی واہیات ومنکر باتیں پھیلاتا ہے جس سے اللہ کی مقدس کتاب انجیل کا دامن پاک ہے۔

غَرُّوْا أَغِرَّاءَ أَرْذَالًا بِتَوْسِعَةٍ وَضَيَّقُوْا عَيْشَ أَشْرَافٍ وَغُرَّانِ

(۵۵) ان گوروں نے ناتجربے کار، کج فہم، کوتاہِ ہمت نوجوانوں کو دولت وثروت کے ذریعے دھوکے اور فریب میں ڈال دیا اور ہر شریف النفس کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔

وَقَتَّرُوْا رِزْقَ كُلٍّ مِنْ غَوَازِلَ أَوْ نُكْدٍ يَحُكْنَ وَصُنَّاعٍ وَأَقْيَانِ

(۵۶) سوت کاتنے والی تنگ دست عورتیں ہوں یا غریب لوہار اور کاریگر ہوں، ان انگریزوں نے ہر ایک کی روزی کے راستے مسدود کر دیئے۔

لَمْ يَتْرُكُوْا مِنْ فَلَاحٍ فِي الْفَلَاحَةِ بَلْ دَقُّوْا رَحَى كُلَّ دَقَّاقٍ وَ طَحَّانِ

(۵۷) حتی کہ کسانوں کی کھیتی باڑی میں بھی کوئی نفع نہیں چھوڑا بلکہ غریب آٹا پیسنے والے کی چکی تک چکنا چور کر دی۔

أَلْقَوْا أُولِي الْوُجْدِ فِيْ وَجْدٍ وَ مَوْجِدَةٍ وَ كُلَّ ذِيْ حِرْفَةٍ فِيْ حُرْفِ حُرْفَانِ

(۵۸) خوشحال اہلِ ثروت حضرات کو انھوں نے غیض وغضب، حزن والم میں مبتلا کر دیا

اور ہر دستکار عامی شخص کو محرومی و نامرادی کی وادی میں پھینک دیا-

وَ كُلَّ ذِيْ خَطَرٍ أَلْقَوْهُ فِيْ خَطَرٍ وَ كُلَّ ذِيْ حُرْمَةٍ فِيْ هَمٍّ حِرْمَانِ

(۵۹) اور ہر ذی رتبہ شخص کو ہلاکت کے قریب کر دیا اور ہر محترم شخص کو غم و محرومی کے گڑھے میں ڈال دیا-

بِنَهْرِهِمْ أَنْهَرَ الصُّعْلُوْكُ وَ انْتَهَرُوا الْـ حُرَّاتُ عَنْ سَقْيِ أَنْهَارٍ وَ مُسْلَانِ

(۶۰) ان کے دھتکارنے کی وجہ سے فقیر و مسکین خیر سے محروم ہو گئے، انھوں نے کسانوں پر نہروں اور تالاب کا پانی بند کر دیا-

قَدْ أَوْجَبُوْا مَغْرَمًا فِي السَّيْرِ فِيْ طُرُقٍ عَلَى جِمَالٍ وَ أَفْيَالٍ وَ ثِيْرَانِ

(۶۱) ان گوروں نے اونٹ، ہاتھی، بیل وغیرہ جانوروں کے راستوں میں چلنے پر بھی ٹیکس مقرر کر دیا-

قَضَاؤُهُمْ يَسْلُبُ الْخَصْمَيْنِ مَالَهُمَا فَيَبْتُلُوْنَهُمَا سُحْتًا بِخُسْرَانِ

(۶۲) ان کے فیصلے فریقین کے مال کو چھین لیا کرتے اور انہیں نقصان و خسارے کی بنا پر رشوت کی لعنت میں مبتلا کر دیتے-

رَأَوْا سَلَاطِيْنَ أَرْضِ الْهِنْدِ قَدْ وَهَنُوْا بِمَا لَهَوْا بِالْمَلَاهِيْ كُلَّ لِهْيَانِ

(۶۳) جب ان نصاریٰ نے دیکھا کہ سرزمین ہند کے بادشاہ و امرا موسیقی اور لہو ولعب میں پڑ کر اپنی طاقت و قوت کھو چکے ہیں-

فَحَاوَلُوْا حِوَلَ الْأَدْيَانِ مِنْ حِوَلٍ حَالَتْ فَآلَتْ إِلَى خُسْرٍ وَ بُطْلَانِ

(۶۴) تو انھوں نے مکر و فریب سے دین و ملت کو تبدیل کرنے کا عزم کیا اور دین تبدیل ہوئے اور دائمی خسارے کی طرف لوٹے-

كَمْ لَجَّ فِي الدِّيْنِ رُهْبَانٌ فَبَكَّتَهُمْ قَوْمٌ أَقَامُوْا عَلَيْهِمْ كُلَّ بُرْهَانِ

(۶۵) کتنی ہی مرتبہ راہبوں نے (لاجواب ہو کر) دیر میں پناہ لی تو انہیں ایک حق پرست جماعت نے (دندان شکن جواب دے کر) غلبہ حاصل کیا اور ان پر دلیل و برہان قائم کی-

خَزَوْا وَ أَخْزَاهُمُ الْحَيُّ الْحَيِيُّ وَمَا مُعْتَادُ خِزْيٍ بِمُسْتَحْيٍ وَ خَزْيَانِ

(٦٦) حق پرست جماعت نے انہیں مغلوب کیا، شرم وحیا والے زندہ دل حضرات نے انہیں ذلیل ورسوا کیا مگر ذلت کے خوگر کو شرمندگی و پشیمانی نہیں ہوتی -

لَمَّا رَأَوْا زَوْرَهُمْ لَمْ يُجْدِهِمْ قَصَدُوْا بِالزُّوْرِ إِفْشَاءَ مَاهَمُّوْا بِإِعْلَانِ

(٦٧) جب انگریزوں نے دیکھا کہ ان کے جھوٹ اور فریب نے انہیں فائدہ نہیں پہنچایا تو طاقت وقوت سے علی الاعلان انھوں نے اپنے مشن کو پھیلانا شروع کیا -

دَعَوْا جِهَارًا إِلَى التَّثْلِيْثِ عَسْكَرَهُمْ وَ جُلُّ عَسْكَرِهِمْ عُبَّادُ أَوْثَانِ

(٦٨) اور بیانگ دہل انھوں نے اپنی فوج کو تثلیث کی دعوت دی اور فوج میں اکثر سپاہی بت پرست تھے -

وَ بَعْضُهُمْ مُسْلِمٌ مُسْتَسْلِمٌ فَعَدَا هُمُ الْحَمِيَّةُ عَنْهُمْ أَيَّ عُدْوَانِ

(٦٩) کچھ سپاہی مسلمان تھے چنانچہ حمیت وغیرت نے لشکر کو انگریز کی تابعداری سے عداوت ودشمنی کی طرف پھیر دیا -

وَ كَلَّفُوْهُمْ بِأَكْلِ الشَّحْمِ مِنْ بَقَرٍ وَ مِنْ رَتُوْتٍ لِيَرْتَدَّ الْفَرِيْقَانِ

(٧٠) انگریزوں نے سپاہیوں کو گائے اور خنزیر کی چربی کھانے پر مجبور کیا تاکہ دونوں فریق (ہندو مسلمان) اپنے دین سے برگشتہ ہو جائیں -

إِنَّ الْبُقَيْرَ لَمَعْبُوْدُ الْهَنَادِكِ وَالْـ خِنْزِيْرَ رِجْسٌ لَدَى أَتْبَاعِ قُرْآنِ

(٧١) ہندو گائے کی پرستش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک خنزیر نجس العین ہے -

وَ إِذْ عَدَا جَيْشُهُمْ عَنْ أَمْرِهِمْ وَ عَدُوْا لَهُمْ وَ عَادُوْا تَعَدُّوْا أَيَّ عُدْوَانِ

(٧٢) جب فوج نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور غضب ناک ہوئی اور ان کی دشمن ہوگئی تو یہ ظلم وزیادتی میں حد سے گزر گئے -

فَقَتَّلُوْا أُمَرَاءَ الْجَيْشِ أَكْثَرَهُمْ كَقَوْمَسٍ وَ كَبِطْرِيْقٍ وَ تُرْخَانِ

(٧٣) چنانچہ (ردعمل میں) فوج نے لشکر کے اکثر امراء، قائدین اور سپہ سالاروں کو تہہ تیغ کر دیا -

جَالُوْا وَ صَالُوْا وَ غَالُوْا كُلَّ مَنْ وَجَدُوْا مِنْهُمْ وَ أَعْدُوْا عَلَى وُلْدٍ وَ نِسْوَانِ

(۷۴) باغیوں نے ہر طرف سے حملہ کر دیا انھوں نے جس کو بھی پایا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا حتی کہ بچوں اور عورتوں کو بھی ظلم وستم کا نشانہ بنایا-

وَ أَتْلَفُوْا كُلَّ مَالٍ مِنْ خَزَائِنِهِمْ وَ أَحْرَقُوْا كُلَّ إِيْوَانٍ وَ دِيْوَانِ

(۷۵) انھوں نے خزانوں کو تباہ و برباد کر دیا اور ہر کوٹھی و کچہری کو نذر آتش کر دیا-

لَمْ يَبْقَ فِيْ جُلِّ مُلْكِ الْهِنْدِ مِنْ حَكَمٍ يَقْضِيْ لِمَنْ ضِيْمَ أَوْيَقْضِيْ عَلَى جَانِ

(۷۶) ہندوستان جیسے وسیع ملک میں کوئی فیصل و حاکم نہ رہا جو مظلوم کے موافق اور مجرم کے خلاف فیصلہ کرے-

وَ طَافَ فِيْ كُلِّ قُطْرٍ مِنْهُ طَائِفَةٌ تَعْدُوْ لِقَطْعِ طَرِيْقٍ أَوْ لِعُدْوَان

(۷۷) ہندوستان کے ہر گوشہ میں فتنہ گروں کی جماعتیں لوٹ مار، شر وفساد برپا کرنے کے لیے گردش کرنے لگیں-

وَثَارَ قُطْعٌ وَ أَلْصَاصٌ بَغَوْا وَطَغَوْا يَسْعَوْنَ لِلنَّهْبِ أَوْ تَخْرِيْبِ عُمْرَانِ

(۷۸) ڈاکوؤں اور چوروں کی ٹولیاں نکل پڑیں، انھوں نے لوٹ مار، آبادی کو برباد کرنے کے مقصد سے ہر طرف شورش اور تباہی مچادی-

يَعْدُوْنَ يُعْدُوْنَ عَدْوًى يَعْتَدُوْنَ عَلَى مَالٍ وَ عَرْضٍ وَ أَعْرَاضٍ وَ أَبْدَانِ

(۷۹) یہ چوریاں کرتے، شر وفساد برپا کرتے، جان و مال عزت وآبرو پر دست درازیاں کرتے-

كَمْ يُهْلِكُوْنَ نُفُوْسًا لِلنَّفِيْسِ وَكَمْ يَسْتَصْوِبُوْنَ لِتِبْرٍ تَبْرَ إِنْسَانِ

(۸۰) انھوں نے مال و دولت کے لیے کتنی ہی جانوں کو تہہ تیغ کر دیا اور سونے چاندی کی خاطر انسان کی گردن مارنا روا جانی-

ذَلَّ الْعَزِيْزُ وَ عَزَّ الْعَزُّ وَافْتَقَرَ الْـ غَنِيُّ وَ ابْتَزَّ وَاعْتَزَّ (الرَّدَى) الدَّانِيْ

(۸۱) عزت و شرف والے ذلیل ہو گئے، طاقت ور کمزور ہو گئے، مالدار مفلس و نادار ہو گئے، کمینے اور ذلیل لوگ عزت و شرف والے بن گئے-

فَالْخُطْرُ فِيْ خَطَرٍ وَالدُّوْنُ فِيْ بَطَرٍ فَالْكُلُّ فِيْ شُغْلِ أَحْزَانٍ وَ إِخْزَانِ

(۸۲) بلند مرتبہ ومقام والے ہلاکت کے نزدیک پہنچ گئے، کمتر وحقیر، مغرور ومتکبر ہو گئے غرض کہ کوئی غم واندوہ میں مستغرق تھا اور کوئی دادِعیش دے رہا تھا۔

جَلَّتْ وَ عَمَّتْ وَ غَمَّتْ جُلَّنَا فِتَنٌ　　بَلْ كُلُّنَا بَيْنَ مَفْتُوْنٍ وَ فَتَّانِ

(۸۳) ہم میں سے اکثر کو فتنوں نے گھیر لیا بلکہ سب ہی لوگ فتنہ وفساد کے احاطہ میں تھے۔

قَدْ صَارَ عَافِيَةُ الْآنَامِ عَافِيَةً　　فَكُلُّهُمْ فَقَدُوْهَا كُلَّ فُقْدَانِ

(۸۴) مخلوقِ خدا کے نگہبان ومحافظ نقشِ پا کی مانند مٹ گئے، بے سہارا مظلوموں نے انھیں کہیں نہیں پایا اور ان سے محروم ہو گئے۔

لَمَّا [انْتَأَى] كُلُّ جَيْشٍ مِنْ مُعَسْكَرِهِمْ　　أَوَوْا إِلَى خَرِفٍ يُدْعَى بِسُلْطَانِ

(۸۵) جب انگریزوں کے لشکر اپنی چھاونی سے دور ہو گئے تو لوگوں نے ایک خبط الحواس شخص کے دامن میں پناہ لی جسے بادشاہ کہا جاتا ہے (یعنی بہادر شاہ ظفر)

أَشَلُّ سَمَّى شُجَاعًا نَفْسَهُ صَلَفًا　　قِحْلٌ وَ فَحْلٌ جَبَانٌ جُبْنَ خِصْيَانِ

(۸۶) اس نے خود پسندی اور خود ستائی کے طور پر اپنا نام بہادر رکھا حالانکہ وہ مفلوج، بزدل، کمزور وناتواں بوڑھا ہے۔

حَلُّوْا بِدِهْلِيْ وَ خَصُّوْا أَمْرَ إِمْرَتِهِمْ　　بِدَاهِلٍ ذَاهِلٍ تَيْهَانَ وَ لْهَانِ

(۸۷) وہ لوگ دہلی میں قیام پذیر ہوئے اور اپنی حکومت کے قضیہ کو ایسے سرگشتہ ومتحیر شخص کے سپرد کر دیا جو شدتِ غم سے مفلوج الحواس ہو چکا تھا۔

هِمٌّ دَعَانِيْ لِهَمٍّ بِالْمُهِمِّ فَلَمْ　　يَعْمَلْ بِرَأْيِيْ وَلَمْ يَنْفَعْهُ إِزْ كَانِيْ

(۸۸) اس شیخ فانی (بہادر شاہ ظفر) نے مجھے (فضل حق خیرآبادی کو) اس سخت مہم کے لیے بلایا پھر اس نے میرے مشورہ پر عمل نہیں کیا اور اسے میرا سمجھانا بے سود رہا۔

كَانَتْ عَشِيْرَتُهُ تَهْوَى مُعَاشَرَةً　　مَعَ الْعِدَى فَلَهُمْ كَانَتْ بِإِذْعَانِ

(۸۹) اس کے اہل خاندان کے دشمنوں کے ساتھ محبت آمیز معاشرتی تعلقات تھے چنانچہ وہ انگریزوں کے مطیع وفرمانبردار ہو گئے۔

وَ كَـانَ عَـامِلُـهُ مِنْ قَبْلُ بَـايَعَهُمْ دِيْـنًـا بِـدِيْـنٍ وَ إِيْـمَـانًـا بِإِيْـمَـانِ

(۹۰) اس (بہادر شاہ ظفر) کے خدام و ملازمین پہلے ہی انگریزوں کے ہاتھ اپنے دین و ایمان کا سودا کر چکے تھے۔

رَأَى النَّصَارَى إِذَا مَاعَاهَدُوْا غَدَرُوْا وَ أَغْـدَرُوا الْـإِلَّ إِلَّاحِيْـنَ رَهْبَـانِ

(۹۱) بادشاہ نے دیکھا کہ انگریز جو عہد کرتے ہیں اسے نبھاتے نہیں، صرف خوف کی حالت میں عہد شکنی سے باز رہتے ہیں۔

يَـمِيْـنُ كُـلُّ كَـفُـوْرٍ فِـيْ الْيَـمِيْنِ وَلاَ يَهُـمُّ عَـوْضُ بِبِـرٍّ أَوْ بِـكُـفْـرَانِ

(۹۲) ہر کافر قسم کھا کر جھوٹ بولتا ہے اور کبھی اسے پورا کرنے یا کفارہ ادا کرنے کا اہتمام نہیں کرتا۔

لٰكِـنَّـهُ اغْتَـرَّ إِذْ أَعْـمَـى بَصِيْـرَتَـهُ أَصَـمُّ أَعْـوَرُ مِـنْ صَـمٍّ وَ عُـمْـيَـانِ

(۹۳) یہ بادشاہ دھوکا کھا گیا جب ایک بہرے بھینگے نے اس کی آنکھوں میں دھول جھونک دی (بھینگے بہرے سے مراد غالباً رجب علی ہے)

كِلاهُمَا جَدَّ فِيْ كَسْرِ الْجُيُوْشِ وَ فِيْ الْتَـ تَـاوُنِ ابْتَـدَعَـا أَفْـنَـانَ إِفْتَـانِ

(۹۴) ان دونوں نے لشکروں کو شکست دینے اور شکار کو گھیرنے کی جدوجہد کی اور فتنہ میں ڈالنے والے فنون ایجاد کر لیے۔

تَـنَـاوَلاَ كُـلَّ مَـا جَـاءَ الْجُيُوْشُ بِـهِ كَـدِرْهَـمٍ وَ كَـدِيْـنَـارٍ وَ عِـقْيَـانِ

(۹۵) لشکر جو بھی درہم دینار اور سونا لے کر آئے ان دونوں نے سب کچھ ہتھیا لیا۔

كَـم عُـدَّةٍ وحِرَابٍ لِلْعِدَى أُخِذَتْ مِـنْهُـمْ فَبِيْـعَـتْ بِـأَيْـدِيْهِمْ بِـأَثْمَـانِ

(۹۶) دشمن سے لوہا لینے کے لیے لوگوں سے کتنا ہی ساز و سامان اور ہتھیار لیے گیے وہ سب ان ہی کے ہاتھ قیمت لے کر فروخت کر دیئے گیے۔

فَـغَـلَّهَـا كُـلُّ ذِيْ غِـلٍّ وَ أَغْـلَبُهُـمْ فِـي الْـخَـوْنِ ذَانِ الْأَبَلَّانِ الْأَضَلَّانِ

(۹۷) ہر بغض و کینہ پرور اس سامان کی خیانت میں شریک ہوا اور خیانت میں سب سے بڑھ کر یہ ہی دونوں فاسق و فاجر تھے۔

اَلْـخَـوْنُ ذَانٌ كَثِيْـرٌ مَـنْ يُـقَـارِفُـهُ وَ ذَانِ أَسْبَـقُهُـمْ فِـيْ ذٰلِكَ الـذَّانِ

(۹۸) خیانت بہت بڑا عیب ہے اور یہ دونوں اس عیب میں سب پر سبقت لے گئے-

وَ قَـدْ ثَـوَى مِـنْ بُـغَـاةِ الْجَيْشِ طَائِفَةٌ مَـعَ الْبَـغَـايَـا بِـقَـصْـرٍ أَوْ بِـدُكَّـانِ

(۹۹) باغی لشکر میں سے ایک گروہ بازاری عورتوں کے ساتھ بدکاری میں مشغول ہو گیا-

صَـارَ الْبَـغَـايَا بَغَايَا الْجَيْشِ حِيْنَ بَغَوْا وَ يْـلِـيْ بُـغَـاةٌ لِسُخْطِ اللّٰهِ بُغْيَانِ

(۱۰۰) بغاوت کے وقت لشکر کا اولین دستہ ان بازاری عورتوں کا تھا، اللہ کا غیض وغضب ان بدکاروں پر نازل ہو-

عَـادُوْا يُعَادُوْنَ مَا قَدْ عُوِّدُوْا وَ نَسُوْا قَـوَاعِـدَ الْـحَـرْبِ عَـمْدًا كُلَّ نِسْيَانِ

(۱۰۱) جس فعل کے یہ عادی ہو گئے اسے بار بار انجام دینے لگے اور دانستہ طور پر انھوں نے جنگ کے قوانین وضوابط فراموش کر دیئے-

وَ بَـعْـضُـهُـمْ أَشِـرٌ لِـلْـمَـالِ مُـدَّخِـرٌ مُثَّـاقِـلٌ مُـثْـقَـلٌ مِـنْ ثِـقْـلِ هِـمْـيَـانِ

(۱۰۲) لشکر میں بعض وہ متکبر تھے جو مال جمع کرنے کے خوگر تھے- یہ مال سے بھری ہوئی تھیلیوں کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے-

وَ بَـعْـضُـهُـمْ مُسْتَـفِيْقٌ لَايَقُوْمُ مِنَ الْـ مِهَـادِ وَ يْلَاهُ مِـنْ رَفْهَـانَ كَسْلَانَ

(۱۰۳) لشکر میں بعض وہ تھے جو ابھی ابھی نیند سے بیدار ہوئے انھوں نے ابھی بستر بھی نہیں چھوڑا، ہلاکت ہو اس سستی اور عیش پرستی پر-

وَالْبَـعْضُ غَرْثَانُ خَمْصُ الْبَطْنِ أَقْعَدَهُ عَـنِ الـنُّهُـوْضِ إِلَـى حَـرْبٍ وَ مَيْدَانِ

(۱۰۴) بعض فوجی بھوکے تھے، خالی پیٹ نے انھیں میدانِ کارزار میں جانے سے روک دیا-

كَمْ تَائِهٍ لَمْ يُطِقْ حَمْلَ السِّلَاحِ وَ كَمْ مِـنْ تَـائِـهٍ أَنِفٍ مِـنْ حَـمْلِ سُلْحَـانِ

(۱۰۵) کتنے ہی متحیر لشکری ایسے تھے جن میں ہتھیار اٹھانے کی بھی سکت نہیں تھی اور کتنے ہی مغرور متکبر سپاہی ہتھیار اٹھانے کے انکاری تھے-

عَاجَ النَّصَارَى تِجَاهَ الْمِصْرِ فِيْ جَبَلٍ فَـحَـصَّـنُـوْهُ بِـأَبْـرَاجٍ وَ حِيْـطَـانِ

(۱۰۶) انگریزوں نے شہر کا رخ کیا اور پہاڑوں پر مضبوط قلعہ اور فصلیں تعمیر کر لیں۔

وَ إِذْ بَنَوْا قَلْعَةً فِيْ رَأْسِهِ قَلَعُوْا مَا حَوْلَهُ مِنْ عِمَارَاتٍ وَ حِيْرَانِ

(۱۰۷) جب وہ شہر کے قریب قلعہ تعمیر کر کے فارغ ہوئے تو اس کے اطراف و جوانب کی عمارتیں اکھاڑ پھینکی اور باغات کو تباہ کر دیا۔

غَشَّى السَّوَادَ سَوَادٌ مِنْ عِدَى كُفُرٍ سُوْدِ الْكُبُوْدِ وَ زُرْقِ الطَّرْفِ بِيْضَانِ

(۱۰۸) سیاہ جگر سخت دشمن گوروں کے کثیر لشکر نے شہر کے اطراف و نواح کا محاصرہ کر لیا۔

ضَمَّ النَّصَارَى لِتَكْثِيْرِ السَّوَادِ إِلَى الْـ بِيْضَانِ مِنْ سُوْدِ زُطٍّ جَمْعَ حُمْرَانِ

(۱۰۹) فوج کی تعداد بڑھانے کے لیے انھوں نے انگریز فوج کے علاوہ سیاہ جاٹ قوم کو بھی شامل کر لیا۔

وَ ثُلَّةً مِنْ رَعَاعِ مُسْلِمِيْنَ قَدِ ارْ تَدَوْا وَعَادُوْا كِفَارًا بَعْدَ إِيْمَانِ

(۱۱۰) پست درجہ، کم ہمت مسلمانوں کی ایک جماعت برگشتہ ہوگئی، وہ لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیے۔

وَ مِنْ أَرَاذِلَ دُوْنِ سِفْلَةٍ هَمَجٍ وَ مِنْ أَحَابِيْشَ سُوْدَانٍ كَحُبْشَانِ

(۱۱۱) ان میں سے بعض بے وقوف کمینے لوگ تھے اور کچھ حبشیوں کی مثل کالے لوگوں کے جتھے تھے۔

فَمَرَّنُوْهُمْ عَلَى مَشْقٍ بِأَسْلِحَةٍ مِنْ بُنْدُقٍ وَ مَجَانِيْقَ وَ مُرَّانِ

(۱۱۲) انگریزوں نے اس مرتد گروہ کو توپ، بندوق، منجنیق جیسے ہتھیار چلانے کی مشق کرائی۔

وَ أَلَّفُوْا جُلَّ أَهْلِ الْمِصْرِ فَائْتَلَفَ الْـ أُلُوْفُ مِنْهُمْ فَصَارُوْا شَرَّ خَصْمَانِ

(۱۱۳) انگریزوں نے اکثر اہل شہر کو جمع کیا ان میں سے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے پھر یہ ان سے سخت جھگڑا کرنے لگے۔

مَانُوْا وَ مَانُوْا وَ مَنُّوْهُمْ مُنًى وَقِنًى وَ بَعْدُ ذَاقُوا الْمَنَا خَنْقِيْ بِأَرْسَانِ

(۱۱۴) انھوں نے جھوٹ بولا اور اُن کو آرزوؤں، تمناؤں نے کمزور کر دیا اور اس کے

بعد پھانسی کے پھندوں پہ انھوں نے موت کا مزہ چکھا۔

فَـأَوْقَـدُوْا نَـارَ حَرْبٍ أَشْهُرًا وَ رَمَوْا   أَعْـدَاءَ هُـمْ مِـنْ مَـجَـانِيْـقَ بِشُهْبَـانِ

(۱۱۵) ان ظالموں نے کئی مہینے تک جنگ کی آگ بھڑکائی اور دشمنوں پہ توپ کے گولے برسائے۔

شَادَالْجُيُوْشُ بُرُوْجَ السُّوْرِ فَالْتَحَمَتْ   مَلاَحِـمٌ بَيْـنَ أَبْـطَـالٍ وَ أَقْـرَانِ

(۱۱۶) لشکروں نے شہر پناہ کی فصیلیں مضبوط کیں پھر بہادروں، دلیروں کے درمیاں معرکہ گرم ہوگیا۔

وَ جَاءَ دِهْلِيْ غُزَاةٌ مُخْلِصُوْنَ غَزَوْا   رَجَاءَ فَضْـلٍ مِـنَ الْمَوْلَى وَ رِضْوَانِ

(۱۱۷) دہلی میں کچھ مخلص مجاہدین بھی آئے جنھوں نے محض رضائے الٰہی کی امید میں جہاد کیا۔

وَلاَ طَـعَـامٌ لَهُـمْ غَيْـرَ الْـحُبُـوْبِ وَلَا   لِبْـسٌ لَهُـمْ غَيْـرَ أَطْـمَـارٍ وَ خُلْقَـانِ

(۱۱۸) (مگر) اِن کے پاس سوائے چند دانوں کے کوئی کھانا نہیں تھا اور سوائے چند پرانے کپڑوں کے لباس (جنگ) نہیں تھے۔

سُـلْـحَانُهُمْ أَقْوَسٌ أَوْ أَسْيَفٌ صَدِئَتْ   لِطُـوْلِ مَـالَـزِمَـتْ بُطْنَـانَ أَجْفَـانِ

(۱۱۹) ان کے ہتھیاروں میں کجی اور ٹیڑھا پن تھا، ان کی تلواریں عرصۂ دراز سے میانوں میں رہنے کے باعث زنگ آلود ہو چکی تھیں۔

لٰكِـنَّهُمْ نَجَدُوْهُمْ نَجْدَةً رَمَسَتْ   مِـنْ حِـزْبِهِـمْ كُـلَّ جَبَّـانٍ بِـجَبَّـانِ

(۱۲۰) مگر جواں مردی و دلیری کی وجہ سے یہ انگریز فوج پر غالب آئے اور انھوں نے اپنے ان ہی ہتھیاروں سے میدان جنگ میں ہر بزدل کا مدفن بنا دیا۔

كَـم مَـرَّةً حَمَلُوْا فِيْهِمْ كَأَنْ حَمَلَتْ   أُسْـدٌجِيَـاعٌ عَـلَـى أُجْـدٍ وَ حُـمْلَانِ

(۱۲۱) بارہا وہ انگریز فوج پر اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے بھوکے شیر اونٹنی اور بکری کے بچوں پر حملہ کرتے ہیں۔

إِنْـحَـازَ جُـنْدُ النَّصَارَى كُلَّمَا حَمَلُوْا   وَلَـمْ يَـكُـنْ لِـلنَّصَارَى طَوْقُ حُمْلَانِ

(۱۲۲) جب بھی ان جانبازوں نے نصاریٰ کی فوج پر حملہ کیا اس نے شکست کھائی ان میں حملہ کرنے کی سکت بھی نہ رہی-

قَدْ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ الْحَقِّ وَاتَّبَعُوْا　　رِضْوَانَهُ وَ اسْتَحَقُّوْا رَوْضَ رِضْوَانِ

(۱۲۳) انھوں نے راہِ حق میں جہاد کیا اور رضائے الٰہی کے طریقے پر گامزن رہ کر جنت کے مستحق ہوئے-

فَكَفَّرَ الْبَعْضُ بِالْأَجْرَاحِ مَا اجْتَرَحُوْا　　وَرَاحَ بَعْضٌ إِلَى رَوْحٍ وَ رَيْحَانِ

(۱۲۴) ان مجاہدین میں سے بعض وہ تھے جن کے جہاد میں کھائے ہوئے زخم ٹھیک ہوگئے اور بعض واصل الی الحق ہوگئے-

أَمَّا الْجُيُوْشُ فَجَاشَتْ أَوَّلاً وَحَذَتْ　　رَمْيًا بِرَمْيٍ وَ طُغْيَانًا بِطُغْيَانِ

(۱۲۵) بہرحال فوجوں نے شروع میں جوش وخروش کا مظاہرہ کیا، تیر کا جواب تیر اور سرکشی کا جواب سرکشی سے دیا-

قَدْ أَقْدَمُوْا قَبْلُ فِي الْهَيْجَا وَهُمْ قَدَمٌ　　ثُمَّ انْثَنَى كُلُّ جِيْلٍ بَعْدَ جِيْلَانِ

(۱۲۶) اوّلاً انھوں نے میدانِ کارزار میں دلیروں اور جانبازوں کے مثل پیش قدمی کی پھر ہر دستہ منھ موڑ کر پیچھے ہٹ گیا-

قَدْ كَانَ كُلٌّ قَدِيْمًا أَحْمَسَ قَدَمًا　　وَ صَارَ الْآنَ كُلٌّ كُلَّ جَبَّانِ

(۱۲۷) شروع میں ان میں ہر ایک بہادر و دلیر تھا لیکن اب سب کمزور و بزدل ہوگئے-

وَ ذَاكَ شَأْمَةُ ظُلْمٍ قَارَفُوْهُ مِنَ النَّـ　　ـهْبِ وَ تَقْتِيْلِ نِسْوَانٍ وَ وِلْدَانِ

(۱۲۸) ان لوگوں نے بچوں و عورتوں کو قتل کیا اور لوٹ مار کی یہ پسپائی اسی قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی نحوست کی وجہ سے ہوئی-

صَارَ الرِّجَالُ كَنِسْوَانٍ وَ أَجْبَنُهُمْ　　مَنْ كَانَ فِي الْجَيْشِ مِنْ خَيْلٍ وَ فُرْسَانِ

(۱۲۹) لشکر کے مرد عورتوں کی مانند ہوگئے ان میں بھی سب سے بزدل گھڑسوار تھے-

فَيَبْطُنُوْنَ إِذَا نُوْدُوْا لِمَعْرَكَةٍ　　يُسَارِعُوْنَ إِلَى نَهْبٍ وَ غُنْمَانِ

(۱۳۰) یہ وہی لوگ ہیں جب ان کو جنگ کے لیے آواز دی جاتی تو چھپتے اور لوٹ مار اور

مال غنیمت کے لیے دوڑ پڑتے-

حَـرْبَی إِذَا حُرِبُوْا حَرْبَی إِذَا احْتَرَبُوْا فَـأَمْـعَـنُـوْا فِيْ فِـرَارٍ أَيَّ إِمْعَـانِ

(۱۳۱) یہ وہی لوگ ہیں کہ جب ان سے مال چھینا جاتا تو غضبناک ہو جاتے اور اب خود جنگ کی آگ بھڑکا کے لوٹ مار کر رہے ہیں اور جنگ سے فرار کی راہ تلاش کر رہے ہیں-

كَـمْ نَـامَ مَـنْ بَاتَ بِالْمِرْصَادِ فِيْ سِنَةٍ عَـنْ كَيْـدِ خَـصْمٍ شَدِيْدِ الْأَيْدِ يَقْظَانِ

(۱۳۲) ان میں سے کتنے ہی وہ لوگ ہیں جو دشمن کی گھات میں تھے مگر بے دار مغز دشمن کے مکر سے غافل ہوکر سو گئے-

نَـامُـوْا فَـخَـصْـمُهُمُ الْيَقْظَـانُ بَيَّتَهُمْ بِـجُـنْـدِهِ فَـأَنَـامُـوْا كُـلَّ وَ سْـنَـانِ

(۱۳۳) جب یہ خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگے تو ہوشیار دشمن نے اپنے لشکر کے ساتھ ان پر شب خون مارا اور ہر اونگھنے والے کو تہ تیغ کر دیا-

وَالْـخَصْمُ إِذْ أَخَذُوْا مِرْصَادَهُمْ نَصَبُوْا مَـجَانِقًا دُوْنَ ذَاكَ الْمَرْصَدِ الدَّانِيْ

(۱۳۴) جب دشمن نے ان کی کمین گاہ کو پایا تو اس کے سامنے ایک منجنیق نصب کی-

فَـضُـعْـضِعَ السُّوْرُ مِنْ أَوْبِ مَجَانِقِهِمْ وَ أُوْهِـنَـتْ أُسُّ أَبْـرَاجٍ وَ أَرْكَـانِ

(۱۳۵) اوران منجیقوں سے شہر پناہ منہدم کردی گئی، قلعوں اور فصیلوں کی بنیادوں کو کمزور کردیا گیا-

وَ أَمْـطَـرُوْا مَـطَـرًا مِـنْ بُـنْدُقٍ قَذَفُوْا فَـفَـرَّ حُـرَّاسُ أَبْـرَاجٍ وَ سِيْـرَانِ

(۱۳۶) انھوں نے گولیوں کی بوچھار کردی، قلعے اور شہر پناہ کے محافظین ونگہبان بھاگ کھڑے ہوئے-

لَـمْ يَبْـقَ فِـي السُّـوْرِ مِنْ حُرَّاسِهِ أَحَدٌ وَلَا لَـدَى الْبَـابِ مِنْ حَـامٍ وَ دَرْبَـانِ

(۱۳۷) شہر پناہ میں کوئی محافظ ونگہبان باقی نہ رہا اور قلعہ کے دروازے پر کوئی چوکیدار اور دربان نہ رہا-

فِـرَارُ فَسْلٍ وَ فَشْلٍ حِيْنَ صَوْلِ عِدَى أَزَلَّ أَقْـدَامَ أَقْـدَامٍ وَ شُـجْـعَـانِ

(۱۳۸) دشمنوں کے حملے کے وقت کمزور اور بزدلوں کے بھاگنے نے بڑے بڑے شہ زوروں اور بہادروں کے پاؤں اکھاڑ دیئے-

صَالَ النَّصَارَى فَغَالُوْا كُلَّ مَنْ وَجَدُوْا مِنْ عَيْنِ دِهْلِيْ وَ سُفَّارٍ وَ قُطَّانِ

(۱۳۹) انگریزوں نے حملہ کر کے شہر دہلی میں جس مسافر ومتوطن کو پایا اس کی گردن مار دی-

قَدْ كَانَ أَكْثَرُ أَهْلِي الْمِصْرِ قَدْ خَرَجُوْا مِنْ دُوْرِهِمْ لاتِّقَاءٍ أَوْ لِخَشْيَانِ

(۱۴۰) اکثر شہر کے باشندگان جان کی حفاظت یا خوف ودہشت کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکل پڑے-

وَالْبَعْضُ لَمْ يَبْرَحُوْا لِلِاتِّكَاءِ عَلَى وَعْدِ النَّصَارَى بِإِرْفَاهٍ وَ إِيْمَانِ

(۱۴۱) بعض لوگوں نے نصاریٰ کے امن وامان کے وعدے پر بھروسہ کر کے وہیں قیام پذیر رہے-

وَ كَانَ ذَا الْوَعْدُ إِيْعَادًا فَقَدْ خُنِقُوْا وَلَمْ يُوَارُوْا بِأَرْمَاسٍ وَ أَكْفَانِ

(۱۴۲) وہ وعدہ ایک دھمکی ثابت ہوا، انھیں گلا گھونٹ کر مار دیا گیا اور ان کی نعشیں بے گور و کفن پڑی رہیں-

وَ حِيْنَ جَاسُوْا خِلاَلَ الدُّوْرِ أَطْعَمَهُمْ مِنْ خُوْنِهِ كُلَّ مُرْتَدٍّ وَ خَوَّانِ

(۱۴۳) اور جس وقت انگریزوں نے گھروں کی تلاشی لی تو ہر بے دین وخائن نے اپنے خیانت کے مال میں سے ان کی خاطر ومدارات کی-

كَمْ تَاجِرٍ فَاجِرٍ آوَى حِمَاهُ مِنَ الْـ بِيْضَانِ كُلَّ ظَلُوْمٍ فَاجِرٍ زَانِ

(۱۴۴) کتنے ہی فاسق و فاجر تاجروں نے ظالم، بدکار، زانی گوروں کو (اپنے گھروں میں) ٹھہرایا-

فَلَمْ يَذَرْ ضَيْفُهُ عِرْضًا وَلاَ عَرَضًا وَلاَ مَتَاعًا لَهُ فِي الْبَيْتِ وَ [الْحَانِيْ]

(۱۴۵) مگر اس کے مہمان نے گھر میں نہ جان و مال چھوڑا نہ عزت و آبرو سلامت چھوڑی-

وَ عِنْدَمَا وَلَجُوْا فِي الدُّوْرِ لَمْ يَذَرُوْا مَاكَانَ فِي الدُّوْرِ مِنْ سُقْفٍ وَ جُدْرَانِ

(۱۴۶) اور جب یہ گھروں میں گھسے تو گھروں کی چھتوں اور دیوار کو بھی نہیں بخشا-

لِلْأَسِّ أَوْ لِدَفِيْنِ فِي الثَّرَى قَلَعُوْا　　أُسَّ الْبُيُوْتِ وَهَدُّوْا كُلَّ بُنْيَانِ

(۱۴۷) فساد برپا کرنے کے لیے یا دفینہ حاصل کرنے کے لیے ان بدبختوں نے گھروں کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا اور ہر عمارت کو منہدم کر دیا۔

هَدُّوا الْمَغَانِيَ وَ اغْتَامُوْا نَفَائِسَهَا　　فَلَيْسَ فِيْ أَهْلِهَا غَانٍ وَلاَغَانِ

(۱۴۸) گھروں کو ڈھانے کے بعد اس کی نفیس وعمدہ اشیا انھوں نے ہتھیا لیں پس اہل خانہ میں سے نہ کوئی مقیم رہا اور نہ صاحب مال۔

سُكَّانُهَا ذَهَبُوْا أَيْدِيْ سَبَا وَ سَبَى الْـ　　عَدُوُّ مَنْ شَذَّ مِنْ رَكْبٍ وَ رُجْلاَنِ

(۱۴۹) گھروں کے ساکنین تتر بتر ہو گئے اور بعض جو سوار اور پا پیادہ بچے انھیں دشمنوں نے حراست میں لے لیا۔

لَمْ يَنْجُ مِنْهُمْ سِوَى مَنْ فَرَّمُخْتَفِيًا　　كَبَعْضِ وُلْدٍ وَ نِسْوَانٍ وَ ذُكْرَانِ

(۱۵۰) ان قسمت کے ماروں میں سے صرف وہی مرد وعورت اور بچے نجات پا سکے جو چھپ کر بھاگ گئے۔

لَهْفِيْ عَلَى بَلَدٍ قُطَّانُهَا ذَهَبُوْا　　أَيْدِيْ سَبَا فَاقِدِيْ أَهْلٍ وَ قُطَّانِ

(۱۵۱) افسوس ہے ایسے شہر پر جس کے باشندگان اہل وعیال کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلے گئے۔

لَهْفِيْ عَلَى بَلَدٍ وَحْشٍ تَوَحَّشَ مَا　　فِيْمَنْ ثَوَاهُ سِوَى وَحْشٍ وَ وَحْشَانِ

(۱۵۲) ہائے افسوس اس ویران شہر پر جو لوگوں سے خالی ہو گیا سوائے وحشی جانور اور غمگین لوگوں کے اس کے آباد کرنے والوں میں سے کوئی نہیں بچا۔

يَتِيْهُ أَهْلُوْهُ أَوْ حَاشَا بِمَتْيَهَةٍ　　مُسْتَأْنِسًا كُلُّ وَحْشَانٍ بِوُحْشَانِ

(۱۵۳) اس شہر کے باشندے بھوکے پیاسے میدانِ تیہ میں بھٹک رہے ہیں اور ان کا حال یہ ہو گیا کہ وہ پریشان حال لوگ وحشی جانوروں سے اپنی وحشت دور کر رہے ہیں۔

كَانُوْا يَتِيْهُوْنَ مُخْتَالِيْنَ فِيْ مَرَحٍ　　صَارُوْا يَتِيْهُوْنَ فِيْ تِيْهٍ وَقِيْعَانِ

(۱۵۴) اِدھر یہ انگریز خوش وخرم تکبر سے اترا رہے ہیں اور اُدھر مظلوم بنجر اور چٹیل میدانوں میں بھٹک رہے ہیں۔

كَمْ مَنْ نَـأَى مِنْ إِنَاثٍ أَوْأَبٍ وَأَخٍ عَـنْ أَوْلِيَـاءٍ وَ أَبْـنَـاءٍ وَ إِخْـوَانِ

(۱۵۵) بہت سے لوگ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچوں سے بچھڑ گئے-

لَـمْ يَـدْرِ بَـعْـلٌ وَلاَ ابْـنٌ أَيْـنَ بَـعْـلَـتُـهُ وَ وَالِـدَاهُ وَ جَـارٌ حَـالَ جِيْـرَانِ

(۱۵۶) شوہر کو علم نہیں کہ اس کی بیوی کہاں ہے، بچہ کو نہیں معلوم کہ اس کے والد کس حال میں ہیں، پڑوسی اپنے ہم سایوں کے حال سے نابلد ہے-

كَمْ بَادَ فِي الْبِيْدِ وِلْدَانٌ وَ مَنْ وَلَدُوْا فَـمِـنْ يَتِيْـمٍ وَ مِـنْ ثَـكْـلَـى وَ ثُكْلاَنِ

(۱۵۷) جنگل اور صحرا میں بہت سے بچے اور والدین ہلاک ہو گئے ان میں یتیم بھی ہیں اور وہ مرد وعورت بھی جن کی اولا ہلاک ہوگئی-

وَ فِـيْ حُـجُـوْرِ نِسَاءٍ إِلْدَةٌ حُرِمُوْا لِبَـكْـأِ أُمَّـاتِهِـمْ أَفْـوَاقَ أَلْبَـانِ

(۱۵۸) ماؤں کے پستانوں میں دودھ سوکھنے کے باعث ان کی گود میں بچے دودھ سے محروم ہو گئے-

بُـكَـاؤُهُـمْ لِبَـكَـاءِ الْأُمَّهَـاتِ كَمَا بُـكَـاؤُهُـنَّ لِـجُـوْعٍ أَوْ لِأَحْـزَانِ

(۱۵۹) بچے ماں کے دودھ کی کمی کی وجہ سے بلک رہے ہیں اور ماں بھوک کی شدت اور مصائب وآلام کے سبب رو رہی ہے-

كَـمْ فَـائِـقٍ كَانَ يُعْطِي الْفَاقَ كُلَّ طَوٍ فَـافْتَـاقَ حَتَّـى تَـمَـنَّى أَكْلَ أَسْغَـانِ

(۱۶۰) کتنے ہی تونگر جو بھوکے کو کھانا دیا کرتے تھے آج خود مفلس و نادار ہیں حتی کہ سڑے اور بیکار کھانوں کی خواہش رکھتے ہیں-

طَـعَـامُهُـمْ كُـلُّـهُ زِنٌّ إِذَا رُزِقُوْا وَالشُّـرْبُ مِـلْـحٌ أُجَـاجٌ آسِـنٌ آنِ

(۱۶۱) صرف لیس دار اناج ان کا کھانا ہے، کھارا گرم گدلا ان کا پانی ہے-

قَـدْ زُنِّـنُـوْا بَـعْـدَ مَـا كَـانَتْ مَآكِلُهُمْ أَشْهَـى الْـمَـطَـاعِـمِ مِـنْ دَرٍّ وَلِحْمَانِ

(۱۶۲) آج فقط انہیں ماش ملتا ہے جب کہ قبل ازیں لذیذ گوشت اور دودھ تناول کرتے تھے-

بَـاتُـوْا نِيَـامًـا عَلَـى اسْتَبْـرَقٍ زَمَنًـا وَالْـآنَ بَـاتُـوْا عَلَى شَوْكٍ وَصَفْوَانِ

(۱۶۳) یہ لوگ ایک زمانے تک ریشم کے نرم و گداز بستروں پر سوتے اور آج کانٹوں

اور سخت پتھروں پر رات گزار رہے ہیں۔

جُلُّ الرِّجَالِ رِجَالٌ يَشْتَكُوْنَ حَفًا   وَقَلَّ مَنْ هُوَ مِنْ خَيْلٍ وَ رُكْبَانِ

(۱۶۴) اکثر لوگ برہنہ پا ہیں جو چلنے میں تکلیف ہو رہی ہے بہت کم لوگوں کو سواریاں میسر ہیں۔

قَاسُوْا عِقَابًا بِرَقْيٍ فِيْ عِقَابِ ذُرًى   قَوَاسِيًا مَابِهَا مَرْقًى لِعِقْبَانِ

(۱۶۵) ان لوگوں نے بلند و بالا دشوار گزار گھاٹیوں پر چڑھنے میں بے پناہ مشقتیں برداشت کیں اور ان چٹانوں پر چڑھے جو درحقیقت عقابوں کا مسکن ہے۔

قَدْ يَسَّرَ الْهَوْلُ لِلزَّمْنَى التَّسَرُّعَ وَالْـ   عُرُوْجَ فِيْ مُرْتَقَى صَعْبٌ لِعُرْجَانِ

(۱۶۶) خوف اور ہولناکی نے کمزور اور لاغر کے لیے اس بلندی پر چڑھنا آسان بنا دیا جو لنگڑوں کے لیے انتہائی دشوار ہے۔

يَعْلُوْ شَوَامِخَ طَلَّاعًا تَوٍ زَمِنٌ   يَطْوِيْ فَرَاسِخَ فِيْ آنٍ طَوٍ آنِ

(۱۶۷) (حیرت ہے) کہ بے حد بلند و بالا ہلاکت خیز پہاڑی پر ایک اپاہج چڑھ جاتا ہے اور بھوکا اور نادار ایک آن میں کئی فرسخ راستہ طے کر لیتا ہے۔

سَارُوْا حُفَاةً تَشُوْكُ الشَّوْكُ أَرْجُلَهُمْ   وَ قَدْ تَسَوَّخُ فِيْ وَحْلٍ وَأَسْهَانِ

(۱۶۸) بدقسمت کے مارے لوگ برہنہ پا کانٹوں پر چل رہے تھے کبھی کانٹے ان کے پیروں میں چبھتے اور کبھی کیچڑ اور ریتلی زمین میں دھنستے۔

مَنْ كَانَ ذَاحَفَّةٍ قَدْ صَارَ ذَاحَفَفٍ   وَ سَارَ تَارِكُ حَفَّانٍ وَ حَفَّانِ

(۱۶۹) جو ان میں سخی و فیاض تھا وہ اب تنگ دست و نادار ہو چکا تھا اور نوکر چاکر، مال و متاع چھوڑ کر چل پڑا تھا۔

كَمْ تَيِّهَانٍ غَدَا تَيْهَانَ مُضْطَرِبًا   كَمَا غَدَا هَيِّبَانًا كُلَّ هَيْبَانِ

(۱۷۰) بہت سے گھمنڈی متکبر لوگ آج اضطراب و بے چینی کا شکار ہیں اور بہت سے دلیر و بہادر بزدل ہو گئے۔

كَمْ هَيِّنٍ لَيِّنٍ يَكْبُوْ وَ يَعْثُرُ فِي الصَّـ   ـمَّانِ وَالصُّلْبِ مِنْ عُمْيٍ وَ صُمَّانِ

(۱۷۱) بہت سے نزاکت پسند، نازک مزاج پتھریلی زمین اور سخت پتھروں پر لڑکھڑا کر گر رہے تھے۔

كَمْ مُسْكَنٍ مُسْتَكِيْنٍ نَاءَ عَنْ سَكَنٍ   قَدْ نَاءَ مِنْ مَسْكَنٍ مِنْ فَقْدِ أَسْكَانِ

(۱۷۲) بہت سے مسکین و مفلس اپنی جھوپڑی سے دور ہو گئے اور بے روزگاری کی بنا پر گھر بار چھوڑ دیا۔

كَمْ نَاعِلٍ صَارَ نَعْلاً بِالْهَوَانِ وَ كَمْ   مِنْ مُحْتَفٍ مَالَهُ مِنْ مُحْتَفٍ حَانِ

(۱۷۳) کتنے ہی جوتا پوش ذلت ورسوائی کے سبب خود پیر کی جوتی کی مانند ہو گئے اور کتنے ہی ننگے پاؤں پھرنے والے آج صاحب عظمت ہو گئے۔

حَارُوْا وَ حَارُوْا فَمِنْ هَارٍ وَ مُهْتَوِرٍ   وَ هَيِّرِتَاهَ فِي الْحِيْرَانِ حَيْرَانِ

(۱۷۴) لوگ متحیر وسرگرداں ہیں بعض کمزور ہلاکت کے نزدیک پہنچے ہوئے جنگلوں میں بھٹک رہے ہیں۔

وَ هَاجِرٍ هَاجِرِ السَّكْنِ هَجَّرَ أَوْ   مُدَاجِرٍ فِيْ دُجَى الدَّيْجُوْرِ دَجْرَانِ

(۱۷۵) بہت سے ذی علم وفضل لوگ گھر کو چھوڑ کر چلچلاتی دھوپ میں ہجرت پر مجبور ہوئے اور بہت سے شب دیجور (سخت تاریک رات) میں حیران وششدر ہیں۔

وَقَانِعٍ بَاتَ بِالْقُنْعَانِ مُصْطَبِرًا   وَقَانِعٍ جَازِعٍ أَمْسَى بِقِنْعَانِ

(۱۷۶) بہت سے قناعت پسند، صابر لوگوں نے قناعت کے ساتھ رات بسر کی، بہت سے جلد باز بے صبر لوگوں نے کھلے آسمان کے نیچے رات گزاری۔

وَ جَائِعٍ كَانَ مِطْعَامًا لِكُلِّ طَوٍ   وَ نَاهِلٍ كَانَ مِنْهَالاً لِنَهْلاَنِ

(۱۷۷) (آج) بہت سے لوگ وہ ہیں جو بھوکوں کی مہمان نوازی کرنے والے تھے اور بہت تشنہ لب وہ ہیں جو سخاوت وفیاضی میں خود ایک گھاٹ کی مانند تھے۔

وَ هَائِمٍ قَدْ تَنَاسَى الْهَيْمَ أَهْيَمَ فِي الْـ   هُيَامِ وَالْهَوْمِ وَالْهَيْمَاءِ هَيْمَانِ

(۱۷۸) کتنے ہی عاشق وہ ہیں جو عشق ومحبت کو بھول کر بے آب وگیاہ جنگل میں سخت پیاس کے عالم میں سرگشتہ ہیں۔

وَ مُـعْتَـرٍ ذِيْ كَسَـاءٍ لاكِسَـاءَ لَـهُ   وَ كَـانَ يَـكْسُـوْ قُبَيْلاً كُـلَّ عُـرْيَـانِ

(۱۷۹) (آج) بہت سے مجد وشرف والے ایسے ہیں کہ انہیں کپڑا میسر نہیں حالانکہ قبل ازیں وہ برہنہ جسموں کو کپڑے پہنایا کرتے تھے۔

وَ مُـغْـرِبٍ مُغْـرَبٍ أَوْدَى بِـغُـرْبَتِـهِ   فَـصَـــارَ جُثَّـتُـهُ طُـعْـمًـا لِـغِـرْبَـانِ

(۱۸۰) بہت سے تکلیف زدہ مسافر اپنے وطن سے دور ہلاک ہو گئے اور ان کی نعش چیل کووں کا لقمہ بن گئی۔

لَـمْ يَبْـقَ عَـارٌ عَـلَـى عَـارٍ يَعُـرُّ وَلاَ   عَـارٍ يُـعَـرِّيْ وَلاَ كَـاسٍ بِـدِرْسَـانِ

(۱۸۱) آج برہنگی باعث شرم نہیں ہے، نہ کپڑے اتارنا باعث عار ہے اور نہ ہی معمولی اور گھٹیا کپڑا پہننا باعث شرمندگی ہے۔

كَـمْ بَـادَ فِـي الْبِيْدِ وَالْبَادَاةِ أَوْ سَرَبٍ   سِرْبٌ مِنَ الْغِيْدِ يَحْكِيْ سِرْبَ غِزْلاَنِ

(۱۸۲) کتنی ہی دوشیزائیں جنگل، صحرا اور راستوں میں ہلاک ہوگئیں جو ہرنوں سے مشابہت رکھتی تھیں۔

تَتِيْـهُ فِـي التِّيْـهِ رَبَّـاتُ الْحِجَالِ بِلاَ   دَالٍ وَ وَالٍ بِلاَ سِتْــرٍ و أَظْـعَـــانِ

(۱۸۳) عورتیں بغیر پردہ اور بغیر ڈولی کے ویران میدان میں بھٹک رہی ہیں نہ ان کا کوئی ولی ہے اور نہ کوئی رہنما۔

تَـحُـوْرُ حُـوْرُ الْـحَـوَارِيَّاتِ مِنْ شَزَنٍ   يَـحَـرْنَ يَـرْبُـوْنَ فِـيْ رَبْوٍ وَ حُوْرَانِ

(۱۸۴) سفید لباس میں ملبوس خوبصورت عورتیں پتھریلی زمین میں حیرانی کے عالم میں بھٹک رہی ہیں اور رہنمائی نہ ہونے کی بنا پر ٹیلوں وغیرہ پر چڑھ رہی ہیں۔

تَـحُـوْرُ حُـوْرٌ خَـوَاتِيْـنُ يَـحَـرْنَ بِلاَ   حَـامٍ مُـحَـامٍ كَـأَحْـمَـاءٍ وَأَخْتَـانِ

(۱۸۵) کتنی پاک باز اور شریف عورتیں دیور اور داماد جیسے کسی محافظ کے بغیر حیران پھر رہی ہیں۔

سَـنَـائِـعُ خُـلْـقُهُـنَّ الْـجُبْنُ جُبْنَ حَفًا   سَـنَـائِـعَ الـطَّـوْدِ أَوْ أَوْعَـارَ جَبَّـانِ

(۱۸۶) نازک اندام خوبصورت عورتیں ننگے پاؤں، پہاڑی راستوں یا وحشت ناک وادیوں میں بھٹک رہی ہیں۔

خُوْدٌ مُكَافِيْلُ قَدْ عُجِّزْنَ أَعْجَزَهَا   كُثْبَانُ أَعْجَازِهَا عَنْ جَوْبِ كُثْبَانِ

(۱۸۷) کتنی ہی نوجوان لڑکیاں جن کی منگنی ہوچکی ہے بوڑھی ہوگئیں، ان کے جسم کی نزاکت نے ان کوٹیلوں پر چڑھنے سے عاجز کردیا۔

كَمْ خَضَّبَ الشَّوْكُ أَقْدَامَ الرَّوَاقِنِ مِنْ   دَمٍ وَ كَمْ خُضِّبَتْ قِدْمًا بِإِرْقَانِ

(۱۸۸) کانٹوں نے کتنی ہی حسین وجمیل عورتوں کے پاؤں خون سے رنگین کردیئے جب کہ قبل ازیں کتنی ہی بار انہیں مہندی وزعفران سے رنگا گیا تھا۔

كَمْ حَاصِنٍ فُرِّقَتْ فِيْ لُجَّةٍ غَرَقَتْ   فَأَهْلَكَتْ نَفْسَهَا صَوْنًا لِأَحْصَانِ

(۱۸۹) بہت سی عفت مآب عورتیں پانی میں ڈوب گئیں، انھوں نے عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں کو ہلاک کردیا۔

صَارَ الْمَوَالِيْ عَبِيْدًا لِلْعَبِيْدِ كَمَا   صَارَتْ حَرَائِرُ إِمْوَانًا لِإِمْوَانِ

(۱۹۰) آقا (اپنے) غلاموں کے غلام ہوگئے اور آزاد عورتیں (اپنی) باندیوں کی باندیاں بن گئیں۔

اَلنَّاسُ فِيْ هَرَبٍ يَسْتَرْجِعُوْنَ فَمِنْ   بَاكٍ وَ شَاكٍ وَ حَنَّانٍ وَ أَنَّانِ

(۱۹۱) لوگ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہوئے بھاگ رہے ہیں، ان میں گلہ وشکوہ کرنے والے اور آہ وبکا کرنے والے سبھی ہیں۔

يَسْتَرْجِعُوْنَ بِتَرْجِيْعِ الْحَنِيْنِ إِلَى الدْ   دِيَارِ لِلْيَأْسِ عَنْ أَوْبٍ وَ رُجْعَانِ

(۱۹۲) دوبارہ گھر لوٹنے سے مایوس ہوچکے لوگ گھٹی گھٹی آواز میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ رہے ہیں۔

يَجِدُّ جُنْدُ النَّصَارَى فِيْ تَجَسُّسِهِمْ   فَيَفْتُكُوْنَ بِغِلْمَانٍ وَ فِتْيَانِ

(۱۹۳) انگریزوں کا لشکر ان کی تلاش میں کوشش کررہا ہے پس وہ بچوں اور جوانوں کو پکڑ کر قتل کردیتے ہیں۔

يَسْعَوْنَ سَعْيًا حَثِيْثًا فِيْ تَطَلُّبِهِمْ   يُرْدُوْنَ مَنْ يَبْتَلِيْ مِنْهُمْ بِوِجْدَانِ

(۱۹۴) وہ ان کی طلب میں بے حد کوشش کرتے اور جس مصیبت زدہ کو پاتے قتل کردیتے۔

وَ یَـأْسِــرُوْنَ فَـرِیْـقًـا یَذْهَبُوْنَ بِهِمْ   إِلَـى ظَـلُـوْمٍ غَـلِـیْـظِ الْـقَلْبِ غَضْبَـانِ

(۱۹۵) وہ ایک گروہ کو قید کر کے اس شخص کے پاس لے جاتے جو انتہائی ظالم، سخت دل اور غصہ ناک تھا۔

یَـقْـضِـيْ عَـلَیْهِـمْ بِـخَـنْقٍ ثُمَّ یَقْذِفُهُمْ   بِبُـنْـدُقٍ بَـعْـدَ مَـا شُـدُّوْا بِـأَشْطَـانِ

(۱۹۶) وہ ظالم ان کی پھانسی کا حکم صادر کرتا پھر وہ ان کو رسیوں سے باندھ کر گولی سے اڑا دیتے۔

وَالْـمَـلْکُ عَـنُّـوْهُ إِذْعَـنُّوْهُ مُحْتَبَسًـا   فِـيْ حَـرْسٍ أَزْرَقَ کَالشَّیْطَانِ شَیْطَانِ

(۱۹۷) شیطان صفت سرکش دشمن نے بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) کو قید کر کے سخت ترین تکالیف دیں۔

وَقَتَّـلُـوْا مِــنْ بَـنِیْــهِ الْـغُــرِّ أَرْبَـعَةً   وَ عَـلَّـقُـوْا جُثَـثَ الْـقَتْـلَـى بِعِیْدَانِ

(۱۹۸) اس کے چار خوبرو بیٹوں کو قتل کر دیا اور مقتولوں کی نعشیں درختوں کے تنوں پر لٹکا دی گئیں۔

أَهْـدُوْا إِلَـى الْمَلِکِ الْعَانِيْ مَفَارِقَهُمْ   مَـقْـطُـوْعَةً وَ ضَـعُـوْهَـا فَوْقَ أَخْوَانِ

(۱۹۹) ان کے کٹے ہوئے سروں کا تحفہ دسترخوان پر سجا کر مصیبت زدہ بادشاہ کو پیش کیا گیا۔

وَ زَوْجُهُ بَعْدَ طُوْلِ الطَّوْلِ قَدْ قُصِرَتْ   مِـنْ بَیْـنِ مَـقْصُوْرَةٍ فِيْ سِجْنِ سَجَّانِ

(۲۰۰) بادشاہ کی بیوی قدرت و طاقت کا ایک طویل عہد گزارنے کے بعد جیل خانہ کی ایک کوٹھری میں قید ہو کر رہ گئی۔

لَـمْ یَـنْـجُ مِـنْ قَتْـلِهِـمْ مِنْ قَوْمِـهٖ أَحَدٌ   إِلَّا مَـنِ اکْتَـنَّ فِـيْ شِـعْـبٍ بِـأَکْنَـانِ

(۲۰۱) اس بدبخت قوم کی قتل و غارت گری سے کوئی محفوظ نہ رہا صرف وہی لوگ بچ سکے جو پہاڑوں کی گھاٹیوں اور غاروں میں چھپ گئے۔

أَوْمَــنْ تَـنَـکَّـرَ أَوْ مَـنْ فَـرَّ مُـغْتَـرِبًـا   إِلَـى قُـرًى حَـمِیَـتْ مِـنْهُمْ إِلَى الْـآنِ

(۲۰۲) یا جنھوں نے اپنا حلیہ بدل لیا یا وہ جو چھپ کر ان بستیوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے جنھوں نے اب تک ان کی حفاظت کی۔

غَالُوا الْأُلُوْفَ الْأُولَى أَلْفُوْا بِمَا اطَّلَبُوْا   مِنْ آلِ تَيْمُوْرَ مِنْ مُلَّاكِ جُرْجَانِ

(۲۰۳) انگریزوں نے آل تیمور (شاہی خاندان) تلاش کرکر کے ہزاروں افراد کی گردن ماردی۔

تَسَلَّطُوْا إِذْخَلَتْ دِهْلِيْ لَهُمْ وَ خَوَتْ   عَلَى قُرًى فِيْ نَوَاحِيْهَا وَ بُلْدَانِ

(۲۰۴) جب شہر دہلی ان کے لیے خالی ہوگیا تو یہ اس پر مسلط ہوگئے اور دہلی کے اطراف و نواحی میں بسے ہوئے شہروں وگاؤں کو تباہ و برباد کردیا۔

فَخَنَّقُوْا جُلَّ أَهْلِيْهَا وَلَمْ يَذَرُوْا   إِلَّا أَقِلَّاءَ مِنْ شِيْبٍ وَ شِيْخَانِ

(۲۰۵) چند بوڑھوں اور ضعیفوں کو چھوڑ کر اکثر اہلیان دہلی کو پھانسی کے پھندے پر لٹکادیا۔

لَمْ يَتْرُكُوْا عَالِمًا فِيْهَا وَلاَ عِلْمًا   مِنَ الْعُلُوْمِ الَّتِيْ حُقَّتْ بِإِيْقَانِ

(۲۰۶) نہ انھوں نے کسی عالم کو بخشا اور نہ ہی کسی علم کا نشان چھوڑا۔

لَمْ يَتْرُكُوْا فِيْ صُحْفٍ مُصْحَفًا شَغَفًا   بِدَرْسِ أَرْسُمِ تَدْرِيْسٍ وَ قُرْآنِ

(۲۰۷) انھوں نے قرآنی صحیفے تک نہیں چھوڑے اس کی درس وتدریس کے نشان مٹادیئے۔

هَدُّوا الْمَسَاجِدَ إِلَّا نَادِرًا مَنَعُوْا   فِيْهِ الصَّلاَةَ بِتَثْوِيْبٍ وَ إِيْذَانِ

(۲۰۸) چند مساجد کے علاوہ سب کو منہدم کردیا اور ان میں بھی اذان وتثویب اور نماز پڑھنے سے روک دیا۔

دَاخُوْا الْبِلَادَ وَ دَاسُوْهَا فَلَمْ يَذَرُوْا   مَا كَانَ فِيْهِنَّ مِنْ قَصْرٍ وَ إِيْوَانِ

(۲۰۹) شہروں کو روند کر رکھ دیا ان میں کوئی کوٹھی اور ایوان صحیح وسالم نہیں چھوڑا۔

شَبَوْا وَ شَبُّوْا لَظًى فِيْهَا قَدِاحْتَدَمَتْ   عَلَى شَبَابٍ وَ وِلْدَانٍ وَ كُهْلَانِ

(۲۱۰) انھوں نے شہروں میں آگ کے شعلہ بھڑکادیئے جس میں جوان بچے، بوڑھے سبھی جھلس گئے۔

وَ قَتَّرُوْا رِزْقَ كُلٍّ غَيْرَ مَنْ نَصَرَ النْـ   ـنَصْرَانَ فِي الْحَرْبِ مِنْ زُطٍّ وَ خَمَّانِ

(۲۱۱) اور ہر ایک کی روزی کی راہیں تنگ کردیں سوائے ہندوستانی جاٹ اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کے جنھوں نے جنگ میں انگریزوں کی اعانت ومدد کی۔

وَ أَرْصَــدُوْا لِيُعَنُّوْا مَنْ جَلاهَــرَبًا زُطًّا غِلاَظًا بِمِــرْصَادٍ بِإِكْمَانِ

(۲۱۲) یہ راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گئے تا کہ جو بھی جاٹ وغیرہ چھپ کر بھاگے، اسے قید کر کے اذیتیں دیں۔

لُــدًّا [شِدَادًا] شَيَــاطِيْنًــا زَنَــادِقَةً لاَيَــرْحَــمُــوْنَ عَلَــى وَانٍ وَلاَفَــانِ

(۲۱۳) یہ جھگڑالو، سخت، شیطان صفت، بے دین لوگ کسی کمزور اور بوڑھے پر بھی ذرا رحم نہیں کھاتے۔

لَـمَّا جَلاَ أَهْلُ دِهْلِيْ خَاذِلِيْنَ مَعَ الْـ جَيْشِ الْأُولَى خَذَلُوْهُمْ كُلَّ خَذْلاَنِ

(۲۱۴) وہ اہل دہلی جو پہلے والے لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے جب انہوں نے دہلی شہر کو چھوڑا تو ان شیطانوں نے انھیں ہر طرح ذلیل وخوار کیا۔

لِضِيْــقِ عَيْــشٍ إِذِالْأَعْـدَاءُ لَمْ يَذَرُوْا أُكْلاً لِــطَــاوٍ وَلَا شِــرْبًا لِعَــطْشَــانِ

(۲۱۵) انہوں نے تنگ دستی کی وجہ سے دہلی سے کوچ کیا اس لیے کہ دشمنوں نے بھوکے کے لیے کوئی لقمہ اور پیاسے کے واسطے پانی تک نہیں چھوڑا۔

غَــلُّــوْا بِغِــلِّهِــم الْغَلاَّتِ وَ انْتَهَــرُوْا مَــنْ غَــلَّ فِــي الْــمِصْــرِ مِنْ ......

(۲۱۶) بغض وکینہ کی وجہ سے ان گوروں نے غلوں کو مہنگا کر دیا اور ہر اس شخص کو زجر وتوبیخ کی جس نے شہر میں خفیہ.......

خَرَجْتُ اَسْتَوْقِفُ الْجَيْشَ الْهَزِيْمَ وَمَا تَثْبِيْتُ مَــنْ فَــرَّ فِــيْ وُسْعِيْ وَ إِمْكَانِيْ

(۲۱۷) میں شکست خوردہ لشکر روکنے کے لیے نکلا لیکن بھاگے ہوئے لوگوں کو ثابت قدم رکھنا میرے بس میں نہیں تھا۔

وَقُلْــتُ إِنَّ الْعِدَى لَنْ يَصْفَحُوْا أَبَدًا فَــمَــا مِــنَ الْــحَــرْبِ مِنْ بُدٍّ وَ حُتْنَانِ

(۲۱۸) میں نے ان سے کہا کہ دشمن ہرگز انہیں معاف نہیں کرے گا، لہٰذا جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

لَمْ آلُ فِيْ نُصْحِهِمْ جُهْدًا فَمَا اسْتَمَعُوْا إِلَــى الــنُّــصْــحِ وَلَــمْ يُصْغُوْا بِــإِرْغَــانِ

(۲۱۹) میں نے انھیں نصیحت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں برتی مگر انھوں نے اس نصیحت پر

کان نہیں دھرے۔

فَقَادَنِي الْعَجْزُ إِذْصَادَفْتُهُمْ صَدَفُوْا عَنِ الْقِتَالِ إِلَى أَهْلِيْ وَ أَوْ طَانِيْ

(۲۲۰) جب میں نے محسوس کیا کہ وہ جنگ وقتال سے اعراض وروگردانی کر رہے ہیں تو مجبوراً میں نے اپنے گھر والوں اور وطن کا قصد کیا۔

وَدَّعْتُ دِهْلِيْ وَدَاعَ الرُّوْحِ قَالِبَهَا كُرْهًا وَ وَدَّعْتُ خُلَّانِيْ وَ خُلْصَانِيْ

(۲۲۱) میں نے دکھے دل سے شہر دہلی کو ایسے ہی چھوڑا جیسے روح جسم سے جدا ہوتی ہے اور اپنے مخلص دوستوں اور حباب کو الوداع کہا۔

تَفُوْرُ فِيْ كَبِدِي الْحَرَّى لَظَى كَبَدٍ تَثُوْرُ فِيْ خَلَدِيْ أَشْجَانُ أَشْجَانِ

(۲۲۲) میرے زخمی دل میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور میرے دل میں غموں کا طوفان اٹھ رہا ہے۔

وَ قَدْ أَشَاعَ النَّصَارَى فِي الْقُرَى عِدَةَ النْـ نُحْلِ الْجَزِيْلِ لِمَنْ يَسْعَى لِنِشْدَانِيْ

(۲۲۳) انگریزوں نے بستیوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے ڈھونڈ کر لانے والوں کو بڑے انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

وَ دُوْنَ أَرْضِيْ بَوَادٍ دُوْنَهَا قُنَنٌ فِيْهَا بَوَادٍ وَ أَنْهَارٌ وَ بَحْرَانِ

(۲۲۴) میرے گھر کے سامنے جنگلات تھے جن میں پتھریلے علاقے، دریا، نہریں تھیں۔

لَمْ يَتْرُكِ الْخَصْمُ فِيْ بَحْرٍ وَلَا فَلَكٍ فُلْكًا وَ جَسْرًا لِمَلَّاحٍ وَ سَفَّانِ

(۲۲۵) دشمن نے ملاح اور کشتی بان کے لیے دریا میں کوئی کشتی اور پل سلامت نہیں چھوڑا۔

فَسِرْتُ فِيْ كُلِّ بَرٍّ بَاعِدٍ وَ عَلَى الرْ رَبِّ الْقَرِيْبِ الرَّقِيْبِ الْبَرِّ تُكْلَانِيْ

(۲۲۶) میں نگہبان شہ رگ سے زیادہ قریب رب قدیر پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہوئے ہر دور دراز خشکی کے راستے پر چلا۔

قَدْ كَانَ مَنْ كَانَ غَيْرِيْ عَابِرًا عَبِرًا وَقَدْ عَبَرْتُ بِحَارًا غَيْرَ عَبْرَانِ

(۲۲۷) پریشان حال مصیبت کے مارے میرے ساتھ تھے۔ میں نے حزن وملال اور گریہ کیے بغیر سمندروں کو عبور کیا۔

عَايَنْتُ عَيْنَ الْعِدَى فِيْ كُلِّ مَرْحَلَةٍ وَاللّٰهُ عَمَّاهُ عَنْ عَيْنِيْ وَ أَعْيَانِيْ

(۲۲۸) ہر منزل پر میں نے دشمن کے جاسوس کو دیکھا اللہ نے اسے میرے دیکھنے سے اندھا کر دیا۔

وَ كَمْ نُجِدْتُ وَكَمْ كَابَدْتُ مِنْ نَجْدٍ فِيْ جَوْبِ وَ عْرٍوَ أَنْجَادٍ وَ وُهْدَانِ

(۲۲۹) میں نے وحشت ناک اور نشیب وفراز سے پُر راستوں کو طے کرنے میں بے شمار کرب وتکلیف کو برداشت کیا۔

أَجَمْتُ نَفْسِيْ وَ صَحْبِيْ فِي اقْتِحَامِيْ فِيْ آجَامِ أُسْدٍ وَ أَنْمَارٍ وَ ذُؤْبَانِ

(۲۳۰) میں نے بلا جھجک خود کو اور اپنے ساتھیوں کو شیر، چیتوں اور بھیڑیوں کی کچھار میں ڈال دیا۔

وَقَعْتُ خَوْفَ اغْتِيَالٍ فِيْ غَوَائِلَ مِنْ غَوْلٍ وَ غُوْلٍ وَ أَغْوَالٍ وَ غِيْلاَنِ

(۲۳۱) میں قتل کے خوف سے کتنی مشقتوں، ہلاکتوں اور آفتوں میں آ گھرا۔

وَاللّٰهُ يُصْحِبُنَا مِنْهَا وَ يَصْحَبُنَا فَإِنَّهُ خَيْرُ وَاقٍ خَيْرُ مِعْوَانِ

(۲۳۲) اللہ ہی نے ہماری حفاظت فرمائی اور اس کی مدد ہمارے ساتھ رہی۔ بے شک بہترین حفاظت کرنے والا اور مددگار ہے۔

حَتّٰى قَدِمْتُ نَجِيْحًا سَالِمًا أَمِنًا فَارْتَاحَ أَهْلِيْ وَجِيْرَانِيْ بِقِدْ مَانِيْ

(۲۳۳) یہاں تک کہ میں صحیح سلامت اپنے اہل وعیال سے آ ملا تو میرے گھر والوں اور پڑوسیوں نے میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔

أَوْ فُوْا نُذُوْرًا بِقُرْبَانٍ قَدِ الْتَزَمْتَهَا أُسْرَتِيْ وَ أُوْلُو الْقُرْبَى لِقُرْبَانِيْ

(۲۳۴) میرے خاندان اور رشتہ داروں نے میرے آنے کے لیے جو نذریں اور منتیں مانی تھیں انہیں پورا کیا۔

فَاسْتَبْشَرُوْا وَ تَلَقُّوْنِيْ بِتَهْنِئَةٍ كُلُّ أَتَانِيْ فَحَيَّانِيْ فَهَنَّانِيْ

(۲۳۵) وہ سب لوگ خوش ہوئے اور مجھے مبارک باد پیش کی جو میرے پاس آتا وہ مجھے سلام کرتا اور مبارک باد پیش کرتا۔ ❑❑❑

کتابیات

مندرجہ ذیل کتابوں، مقالوں، رسائل اور دستاویزات سے براہ راست استفادہ کیا گیا

(۱) آثارالصنادید: سرسید احمد خاں (مرتبہ خلیق انجم) قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی، ۲۰۰۳ء

(۲) اٹھارہ سوستاون کے مجاہد: غلام رسول مہر، لاہور پاکستان، ۱۹۵۷ء

(۳) اخبارالصنادید: حکیم نجم الغنی خاں رام پوری، نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۸ء

(۴) انتخاب یادگار: منشی امیر احمد مینائی، تابع المطابع لکھنؤ، ۱۲۹۰ھ

(۵) باغی ہندوستان: عبدالشاہد خاں شیروانی، المجمع الاسلامی مبارک پور، ۲۰۰۱ء

(۶) برطانوی مظالم کی کہانی: عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، فرید بک اسٹال لاہور، سنہ ندارد

(۷) بہادر شاہ کا مقدمہ: خواجہ حسن نظامی، مشمولہ ''۱۸۵۷ء: شمس العلما حضرت خواجہ حسن نظامی کی بارہ قدیم یادگار کتابیں''، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء

(۸) پرتھم سوتنتر تا آندولن ۱۸۵۷ (ہندی): محمد عین الحق خیرآبادی، خیرآباد، سیتاپور، ۲۰۰۱ء

(۹) تاریخ جھجھر: منشی غلام نبی تحصیل دار، مطبع فیض احمدی، ۱۸۶۶ء

(۱۰) تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ: ذکاء اللہ، مطبع شمس المطابع دہلی، ۱۹۰۴ء

(۱۱) تذکرۃ الرشید: عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ سہارن پور

(۱۲) تذکرۂ علمائے ہند: رحمٰن علی، مرتبہ: ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۱ء

(۱۳) تذکرۂ کاملان رامپور: احمد علی شوق، خدابخش لائبریری پٹنہ، ۱۹۸۶ء

(۱۴) تذکرۂ مشائخ کاکوری: محمد علی حیدر کاکوروی، اصح المطابع لکھنؤ، ۱۹۲۷ء

(۱۵) تواریخ عجیب (کالا پانی): جعفر تھانیسری، مرتبہ ڈاکٹر ایوب قادری، سلمان اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۲ء

(۱۶) تواریخ عجیبہ (سوانح احمدی): جعفر تھانیسری، بلالی اسٹیم پریس، ساڈھورہ پنجاب، ۱۸۹۵ء

(۱۷) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات وشخصیات: ایوب قادری، پاک اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۶ء

(۱۸) حیات جاوید: الطاف حسین حالی، نامی پریس کانپور، ۱۹۰۱ء
(۱۹) حیات علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے سیاسی کارنامے: مفتی انتظام اللہ شہابی، دائرۃ المصنفین کراچی، ۱۹۵۷ء
(۲۰) خطوط غالب: غلام رسول مہر، مطبوعات مجلس یادگار غالب لاہور، ۱۹۶۹ء
(۲۱) خیر آباد کی ایک جھلک، نجم الحسن رضوی خیر آبادی، نامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۹ء
(۲۲) دیوانِ فضل حق الخیر آبادی: دراسۃ وتحقیق: ڈاکٹر سلمہ سیہول (زیر طبع)
(۲۳) سفر اور تلاش: محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات وتحقیقات اردو کراچی، سنہ ندارد
(۲۴) العلامۃ فضل حق الخیر آبادی مع تحقیق کتابہ الثورۃ الھندیۃ: قمر النسا بیگم، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۸۶ء
(۲۵) علامہ محمد فضل حق خیر آبادی: سلمہ سیہول، الممتاز پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء
(۲۶) علمائے ہند کا شاندار ماضی: سید محمد میاں، جمعیۃ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء
(۲۷) غالب اور ہماری تحریک آزادی: شمیم طارق، انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی بار دوم، ۲۰۰۷ء
(۲۸) غالبیات چند عنوانات: کالی داس گپتا رضا، ولی پبلی کیشنز بمبئی، ۱۹۸۲ء
(۲۹) غدر دہلی کے اخبار، از: خواجہ حسن نظامی، مشمولہ ''۱۸۵۷ء: شمس العلما حضرت خواجہ حسن نظامی کی بارہ قدیم یادگار کتابیں''، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء
(۳۰) غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط، لاہور
(۳۱) فتاویٰ عزیزی (فارسی)، شاہ عبد العزیز دہلوی، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۱ھ
(۳۲) فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون: حکیم محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۵ء
(۳۳) مقالات سرسید: محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور، سنہ ندارد
(۳۴) مولانا محمد احسن نانوتوی: ایوب قادری، روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۶ء
(۳۵) ہمارے ہندوستانی مسلمان: ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، الکتاب انٹرنیشنل نئی دہلی، ۲۰۰۲ء
(۳۶) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: مسعود عالم ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۱۹۹۹ء
(۳۷) ۱۸۵۷ء: پس منظر و پیش منظر: یٰسین اختر مصباحی، دار القلم دہلی، ۲۰۰۷ء
(۳۸) ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ: خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی، دسمبر ۱۹۷۱ء
(۳۹) ۱۸۵۷ء کے غداروں کے خطوط: سید عاشور کاظمی، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، ۲۰۱۱ء

اخبارات ورسائل

(۴۰) صادق الاخبار، شمارہ:۳،۴، جلد:۴، جولائی ۱۸۵۷ء

(۴۱) العاقب (ماہنامہ) مولانا فضل حق خیرآبادی و جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر، لاہور، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۹ء

(۴۲) قومی آواز (روزنامہ لکھنؤ ایڈیشن) شمارہ:۲۴ر فروری ۱۹۸۵ء

(۴۳) مظہر حق (ماہنامہ) تاج الفحول نمبر، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، نومبر تا مارچ ۱۹۹۸/۱۹۹۹ء

مقالات

(۴۴) مولانا فضل حق خیرآبادی: مالک رام، مشمولہ ''ماہنامہ تحریک دہلی شمارہ جون ۱۹۶۰ء

(۴۵) مولانا فضل حق خیرآبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتوئ جہاد: امتیاز علی خاں عرشی، ماہنامہ تحریک دہلی، شمارہ: اگست ۱۹۵۷ء

(۴۶) مولانا فضل حق خیرآبادی: دور ملازمت: ایوب قادری، مشمولہ مولانا فضل حق خیرآبادی: ایک تحقیقی مطالعہ: افضل حق قرشی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور ۱۹۹۲ء

دستاویزات

(۴۷) ضلع گزیٹیر سیتاپور، مطبوعہ ۱۹۰۵ء

(۴۸) میوٹنی پیپرز، کلکشن: ۱۶، نمبر: ۱۲، ۱ر ستمبر ۱۸۵۷ء، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

انگریزی مراجع

(۴۹) دی گریٹ ریولیوشن آف ۱۸۵۷ء، ڈاکٹر سید معین الحق، کراچی، ۱۹۶۸ء

(۵۰) میموائرس آف حکیم احسن اللہ خاں، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق، کراچی پاکستان، ۱۹۵۸ء